وھابی دیوبندی گاندھوی ملا کی کرامات اور ہندوؤں سے محبت
کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات
سوانح
شیخ الاسلام
حضرت مولانا سید
حسین احمد مدنیؒ
وھابی دیوبندی گاندھوی ملا کی کرامات اور ہندووں سے محبت اور مسلم لیگ
سے نفرت کا ایک اہم ثبوت۔ کھدر میں بند دیوبند دیوبند۔۔۔۔
مولانا عبدالقیوم حقانی
حضرت مدنیؒ کے تذکرہ، دلچسپ حکایات و
واقعات اور سیرت وسوانح پر اپنے طرز کی پہلی،
البیلی، حیرت انگیز اور ایمان افروز کتاب
القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوھریرہ
خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد۔پاکستان

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

کانگریسی ملا، ہندوؤں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

☆ سلسلۂ نسب، ابتدائی تعلیم، اساتذہ اور دلچسپ واقعات ☆ احترام اساتذہ، شیخ الہندؒ سے عشق و محبت اور دورانِ اسارت خدمت و مصاحبت ☆ شیخ الہندؒ کا جانشین ☆ سیرت و کردار اخلاص وللّٰہیت، جود وسخا، بے نیازی و استغناء اور جامعیّت ☆ اندازِ تدریس، درسِ حدیث سے عشق و انہماک، طلبہ پر شفقت و محبت، محدثانہ جلالتِ قدر اور بعض درسی افادات ☆ خوفِ خدا، تقویٰ، ایثار و توکل، اعلیٰ اخلاقی اقدار، خدمت خلق اور مہمان نوازی ☆ انابت و عبادت، نماز سے محبت اور شوقِ تلاوت ☆ حضور اقدس ﷺ سے عشق و محبت، اطاعت، اتباعِ سنت اور استقامت ☆ سادگی و بے نفسی، صبر و تحمل، عفو و کرم اور تواضع و خاکساری ☆ احسان و تصوّف اور سلوک و معرفت میں عظمتِ مقام، مرجعیت، محبوبیت اور فنائیت ☆ وعظ و خطابت، ارشادات و ملفوظات اور ایمان افروز باتیں ☆ رویائے صالحہ اور کرامات ☆ ذوقِ شعر و ادب اور پسندیدہ اشعار ☆ مکتوبات ☆ لطائف و ظرائف ☆ حضرت مدنیؒ کا سفرِ آخرت ☆ خوانِ یغما ...... اور اس جیسے دیگر دلچسپ واقعات کا حسین مرقع۔

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد پاکستان

نام کتاب ---------- سوانحِ حضرت مولانا حسین احمد مدنی

مرتب ---------- مولانا عبدالقیوم حقانی

کمپوزنگ ---------- جان محمد جانؔ ، رُکن القاسم اکیڈمی

ضخامت ---------- 272 صفحات

تاریخ طباعتِ اوّل ----- شوال ۱۴۲۵ھ / دسمبر 2004ء

تاریخ طباعتِ سوم ----- ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ / مارچ 2009ء

تعداد ----- 1000

ناشر ---------- القاسم اکیڈمی ، جامعہ ابوھریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ، سرحد، پاکستان

ملنے کے پتے

....

☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی

☆ مولانا سید محمد حقانی ، مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ.

☆ کتب خانہ رشیدیہ ، سردار پلازہ ، جی ٹی روڈ ، اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ ، راجہ بازار ، راولپنڈی

☆ مکتبہ سید احمد شہید ، ۱۰ الکریم مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور

☆ زم زم پبلشرز ، نزد مقدس مسجد ، اردو بازار ، کراچی

☆ مکتبہ بخاری، صابری مسجد گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ، لیاری کراچی

☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب، جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔

فہرست ابواب

انتساب

بزرگ عالم دین، اقوالِ سلف کے مؤلف، عظیم داعی و مفکر، رہبر شریعت و طریقت، بقیۃ السلف

حضرت مولانا الحاج ''قمر الزمان صاحب الہ آبادی'' دامت برکاتہم کے نام .... جنہوں نے اپنی محبت، علم پروری، اصاغر نوازی اور کمال شفقت و عنایت سے۔

''سوانح حضرت مدنیؒ''

کے مؤلف کے نام مسجد نبوی میں بیٹھ کر اپنے مبارک ہاتھوں سے تحریر لکھی اور مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ کے مطاف میں اس پر دستخط ثبت فرما کر اعتماد و محبت، دعا و توجہ اور اجازۃ و عنایات سے سرفراز فرمایا۔ و اجرھم علی اللہ۔

عبد القیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

فہرستِ مضامین

سوانح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی

رحمہ اللہ تعالیٰ

....

شہر استبداد کے دیوار و در ڈھاتا رہا
گم شدہ اسلاف کی تصویر دکھلاتا رہا

ہیچ تھا اس کے لئے اندیشۂ دار و رسن
پائے استحقار سے دنیا کو ٹھکراتا رہا

خواجۂ کونین ﷺ کی روضے کی جالی چوم کر
نور کے تڑکے دعا کو ہاتھ پھیلاتا رہا

ان کمالات و محاسن میں جواب اس کا نہیں
اس قبیلہ میں کوئی بھی ہمرکاب اس کا نہیں

(شورش کاشمیری)

☆ ☆ ☆

گلہائے عقیدت

از ! اختر چغتائی میرٹھی

سلام اے نازشِ محمودؒ و قاسمؒ ، انورؒ و اشرفؒ
جوابِ رومیؒ و فخرِ بخاریؒ ، رشکِ شیرازیؒ

سلامِ اے ترجمانِ رحمت و امدادؒ و گنگوہیؒ
ترے دم سے ہی زندہ تھی غزالیؒ کی تگ و تازی

سلام اے قلزمِ علم و عمل اے سیّدِ ثانی
تری مرہونِ منت ملک و ملت کی سرافرازی

زمانہ کو ترے فیضِ طریقت کی ضرورت تھی
ادھورا تھا ابھی گلشن میں کارِ آشیاں سازی

ترا پیغامِ گلبانگِ شریعت ہند تا بطحیٰ
حرم کو یاد آئے گی تری فردوس آوازی

تری محفل ہمیشہ طالبانِ حق کا گہوارہ
وہ ہندی ہوں کہ تورانی حجازی ہوں کہ قفقازی

نظر آنے میں مسکین و یتیم و بے کس و بے دل
قبائے شافعیؒ ، دستارِ کوفیؒ ، مسندِ رازیؒ

ترے خرمن کے خوشہ چیں بقدرِ وسعتِ دامن
فقیہ و مفتی و قاضی ، محدّث ، عارف و غازی

چمن والو! نہ جانے اور کیا کیا پھونک ڈالے گی
فلک کی شعلہ ریزی ، برق پاشی ، برق اندازی

اُٹھو بہرِ خدا شبنم کے قطروں سے وضو کر لیں
سحر کا وقت ہے کچھ اہتمامِ رنگ و بو کر لیں

کانگریسی ملا، ہندوؤں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

حرفِ آغاز

الحمد لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلام علی خاتم الرسالة

عام مشاہدہ ہے کہ بزرگانِ دین، علماءِ اُمت اور اکابر کے واقعات، حالات، کیفیات، حکایات اور ملفوظات وارشادات انسان کیلئے اصلاح کا نسخۂ اکسیر ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لمبی چوڑی تقریریں جن میں علم ونظر، فلسفہ وذکر، شعروادب، تحریک وجہاد اور وحدتِ اُمت کا پیغام ہو ایک طرف، اور کسی بزرگ کا کوئی واقعہ دوسری طرف رکھا جائے تو بسا اوقات یہ ایک واقعہ ان طویل تقریروں سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ شاید اس لئے ہر دور میں دعوت وتبلیغ کے ساتھ محوِ حیرت بنا دینے والے واقعات کا سلسلہ بھی چلتا ہے۔ جب کسی عظیم شخصیّت کے حالات وواقعات سامنے آتے ہیں تو فکر وعمل کے زاویے بدل جاتے ہیں ....

کس کی یادیں خرمنِ دل میں ہیں عارفؔ شعلہ زن
سوزشِ افزوں سے خاکستر ہوا جاتا ہے دل

یہ طبعی امر ہے کہ جن بزرگوں سے انسان کو خاندانی، علمی، فکری اور قلبی نسبت اور محبت ہوتی ہے۔ اُن کے حکایات وواقعات سے خاص اُنس اور تعلق بھی ہوتا ہے اور پھر یہی قلبی تعلق ان کے اعمال، افعال اور اقوال کے اتباع کی جانب کھینچ کر لے جاتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ہمارے اکابر میں سے بُلند پایہ عالمِ دین، درویشِ خدامست، صوفی باصفا، شیخ الحدیث، مفتی، مجاہد، سیاسی رہنما اور جامع حیثیت شخصیت تھے۔ ان کی زندگی کے شب وروز میں، شخصیت کے ایک ایک پہلو میں، افکار کے ہر نکتے اور سیرت وکردار کی ہر جھلک میں، گفتار کے ایک ایک بول میں، عمل کے ایک ایک قدم میں ہمارے لئے ہزاروں عبرتیں، لاکھوں بصیرتیں اور عمل کے لئے لاتعداد مثالیں ہیں۔ حضرت مدنیؒ اپنی زندگی میں بھی مخدوم ومطاع تھے اور اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اپنے عملی آثار،

افکار و افادات اور علم و عمل کے میدانوں میں ہمارے لئے ایسے روشن نقوش چھوڑ گئے، جن میں ہماری رہنمائی کا بہترین سامان ہے۔ حضرت مدنی ؒ کے افکار و افادات اور حالات و واقعات کا مطالعہ ہمارے ذہن و فکر کی جلا، سیرت کی تعمیر، اخلاق کی تہذیب اور زندگی کے ہر موڑ کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

پیشِ نظر سوانح میں حضرتؒ کے ہمہ جہتی سیاسیات کے احاطۂ بیان سے احتراز کیا گیا ہے، کیونکہ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ضمناً ابواب میں آپ کو ضرور سیاسی تذکرے ملیں گے، لیکن وہ مقصود بالذات نہیں، بلکہ تاریخ کا حصہ ہیں اور حضرت مدنی ؒ کی زندگی اور سوانح کا تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک ان کا سیاسی کردار اگرچہ ضمناً کیوں نہ ہو، واضح نہ کر دیا جائے۔ ہمیں یہ دعویٰ بھی ہرگز نہیں کہ پیش نظر سوانح میں حضرت مدنی ؒ کی زندگی پر ہر لحاظ سے جامع، مفصل، ہمہ جہتی اور تحقیقی تاریخ ہے۔ ہمارا مقصد اور موضوع تو ہمیشہ سے سوانحات میں یہ رہا ہے کہ قارئین کے سامنے صاحبِ سوانح کی زندگی کے علمی و عملی روشن ابواب لائے جائیں تاکہ ان کے قائم فرمودہ نشانِ راہ پر چل کر تلاشِ منزل کی مساعی میں مصروف رہا جا سکے اور بس۔

ہم کسی شخصیت کی عظمت کو کشف و کرامات کے ترازو میں بھی نہیں تولتے، بلکہ اس کے کردار و عمل کے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود سے سوال کرتے ہیں کہ میں کیسا لگتا ہوں؟ اور میری تعلیم، تربیت، درس، سیاست، جذبۂ اصلاحِ انقلاب اور اندازِ کار قابلِ اصلاح ہے تو کس حد تک ہے؟

توقع ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے حالات و واقعات کا یہ مجموعہ ہمارے دلوں سے زنگ اُتار دے گا اور نیکی، تقویٰ، ایمان و یقین، ایثار و قربانی اور محبت و اخوت کے جذبات کو تقویت دے کر ہماری اصلاح و ہدایت میں معاون ثابت ہوگا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ پیش نظر کتاب کوئی نئی تحقیق' از خود گھڑے واقعات اور خانہ زاد تاریخ نہیں بلکہ حضرت مدنی ؒ کی سیرت و سوانح کے حوالے سے چھپنے والے عظیم و وسیع لٹریچر سے اخذ و انتخاب ہے، جسے جدید، آسان اور عام فہم پیرایے میں ترتیب دے کر قارئین کیلئے استفادے و افادے کی راہ آسان کر دی گئی ہے۔ یقیناً قارئین بھی اس کی قدر کریں گے۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی' مہتمم جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد نوشہرہ

جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ/ جولائی 2004ء

مُقدّمہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

الحمد للّٰہ و سلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

اُمتِ مرحومہ کا کوئی قرن علماءِ ربانی اور رجالِ حقّانی سے خالی نہیں گزرا۔ ہر دور میں بڑے بڑے رجالِ علم موجود رہے ہیں، جنہوں نے آفتاب و ماہتاب بن کر گہری تاریکیوں میں اُمّت کو راہِ حق دکھائی، صراطِ مستقیم پر ڈالا اور اپنی اپنی معنوی روشنی کی قدر حق کو کبھی بھی باطل کی اندھیریوں میں چُھپنے نہیں دیا بلکہ شریعتِ اسلام کی سدابہار روشنی کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سچی خبر کو ''لیلھا و نھارھا سواء'' سچا کر دکھلانے میں ان ہی نورانی حضرات کا یدِ بیضاء کام کرتا رہا ہے، مگر پھر بھی ان میں ایسے جامعِ علوم ہی نہیں، بلکہ جامع شئون بھی ہوں، گنے چُنے ہی رہے ہیں، جنہوں نے اپنی روشنی سے افرادِ اُمت کو دین کے ہر ہر جلی اور خفی گوشے کی نشاندہی کی اور علمی طور پر اُمت کو جامعیت کے ان گوشوں پر چلایا ہو، گویا اراءۃ طریق کے ساتھ من اللہ ایصال الی المطلوب کا وسیلہ بھی ثابت ہوئے۔

الحمدللہ کہ یہ قرن بھی جو باوجود عہدِ نبوت سے بعید تر اور عہدِ تجدید سے دور ہو جانے کے سبب صد الوان تاریکیوں اور فتنوں کا مجموعہ ہے، ایسے جامع اور ربانی علماء سے خالی نہیں، جن کو جامعیّت، اجتماعیت اور جمعیۃ کی شانوں سے نوازا گیا ہے اور ان غیر معمولی کمالات کے سبب انہیں من جانب اللہ قبولِ عام کی دولت عطا ہوئی ہے۔

ان ہی گنے چُنے نفوسِ قدسیہ میں سے حضرتِ اقدس مولانا حافظ الحاج السید حسین احمد المدنی رحؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذاتِ ستودہ صفات بھی ہے، جو اپنے مخصوص فضائل و کمالات کے لحاظ سے بلا شبہ ایک فردِ منفرد ہستی ہے، آپ نہ صرف عالمِ دین ہی ہیں بلکہ عارف باللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی

ہیں۔ آپ کا علم عارفانہ، عمل مجاہدانہ اور اخلاق درویشانہ ہے۔ متضاد احوال و مقامات کو ایک دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں آپ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزِ علم و دین کی مسندِ تدریس کے صدر نشین بھی ہیں، جن کے اردگرد سینکڑوں طلبہ زانوئے اَدَب تہہ کئے نظر آتے ہیں، اُسی آن آپ جمعیۃ العلماء اور سیاسی اسٹیج کے مسند نشین بھی ہیں، جن کے دائیں بائیں ہزاروں مجاہد صفت انسانوں کا جھمگٹ لگا ہوا ہے اور پھر اُسی ایک وقت میں آپ اپنے ریاضت کدہ میں خانقاہ نشین بھی ہیں، جن کے چہار طرف سینکڑوں ذاکر و شاغل اور راہِ باطن کے جویا افراد کا ہجوم ہے اور آپ کی جامع ذات ہے کہ ایک طرف آپ اپنے عالمانہ وقار و نکتہ سنجی سے' دوسری طرف مجاہدانہ جوش و اقدام پسندی سے اور تیسری جانب عابدانہ انکسار و تواضع آفرینی سے ہر دائرے کے طالبوں کی پیاس بُجھا رہے ہیں اور ہر میدان میں آپ کی ہمت مردانہ اس طرح یکسانی کے ساتھ کام کر رہی ہے کہ کسی ایک میدان کی تگ و تاز دوسرے میدان سے بے التفات نہیں ہونے دیتی...... غرض شریعت' طریقت اور سیاست جیسے متضاد رُخ مقامات کی سیر اور اُن میں بیک وقت اَن تھک عروج آپ کی ہمتِ مردانہ کا ایک عملی شاہکار ہے ......

ع یوں بہم کس نے کیے ساغر و سنداں دونوں

آپ کی اسی مجاہدانہ روش اور دین کے عملی شعبوں میں اَن تھک دوڑ کے بارے میں میں نے حکیم الأمت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

"میں اپنی جماعت میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب ؒ کے حُسنِ تدبّر کا اور مولانا حسین احمد صاحب ؒ کے جوشِ عمل کا معتقد ہوں"۔

ایک موقع پر حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کی مجلسِ خیر و برکت میں تحریکاتِ وقت کا ذکر چھڑا۔ ایک صاحب نے حضرت مدنی ؒ کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت ! آپ کا اس پر عمل نہیں، فرمایا :

"بھائی ! میں اُن جیسی (مولانا مدنی ؒ جیسی) ہمتِ مردانہ کہاں سے لاؤں"۔

مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :

"میں مولانا حسین احمد صاحب ؒ کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں، البتہ مجھے ان سے حجّت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ حجّت رَفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں"۔

بہر حال یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ دین کے ہر بنیادی شعبے میں آپ کو عمل، جوشِ عمل اور

ہمتِ مردانہ کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اس پیرانہ سالی میں یہ عمل، یہ جوش وخروش اور اُمنگ کے ساتھ یہ اَن تھک دوڑ دھوپ' واقعہ یہ ہے کہ جوانوں کی جوانیوں کو شرمائے ہوئے ہے۔ آپ کے یہاں راحت وآرام کا لفظ گویا لغت میں آیا ہی نہیں اور آیا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں یا کم از کم ان کی زندگی کی نسبت سے یہ لفظ مہمل اور بے معنی ہے۔

اس دورِ عجز وکسل میں جو آج مسلمانوں پر چھایا ہوا ہے، آپ کی اس ہمت و جوشِ عمل کو سوائے کرامت کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟ اور اگر اس کا نام استقامت ہے، تو وہ بلاشبہ فوق الکرامت ہے، جو اس دور قحط الرجال میں ایک غنیمتِ باردہ ہے۔ حضرت ممدوح کی مدح سرائی میری تحریر کا موضوع نہیں ہے اور میں اُن کے فضائل ومدائح کا احاطہ کر بھی کیا سکتا ہوں، تذکرہ آ گیا ہے، تو قلم اس سے نہیں رُکتا کہ اُن کی ہزار ہا مدائح وفضائل میں سے یہ کوئی منقبت اور تھوڑی فضیلت نہیں ہے کہ دیو بند سے فارغ ہونے کے بعد ہی جب کہ آپ "شابٌ نشأ بعبادة الله" کے مقام پر پہنچ چکے تھے، آپ نے ۱۸ برس تو حرمِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھ کر اور خود صاحبِ کتاب وسنت اور اُن کے زیر نظر رہ کر درسِ کتاب وسنت دیا' جس سے مشرق ومغرب کے ہزار ہا عوام وخواص اور علماء وفضلاء مستفید ہوئے اور حجاز وشام، مصر وعراق، ترک وتاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہنچ گیا۔

اس دوران میں آپ دیو بند بھی آتے جاتے رہے اور احاطۂ دارالعلوم میں اپنے فیوض سے طلبہ کو اور اپنے برگزیدہ اُستاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے فیوض سے خود اپنے آپ کو مستفید فرماتے رہے، مگر مستقل قیام اور مسلسل افادہ کا مقام مدینہ منورہ ہی رہا۔ قیامِ مدینہ کی انتہا اس پر ہوئی کہ آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسارتِ مالٹا کے موقعہ پر اپنے اُستاد کی معیت میں پانچ برس مالٹا کے اسارت خانہ میں رہے، گویا حرم نبویؐ کے اشارہ پر حرمِ شیخ میں مکرر داخل ہوئے اور اس مسلسل فیضانِ صحبت سے آپ کو وہ اخلاقی عروج حاصل ہوتا رہا جو اس مقام پر ہو سکتا تھا۔ رہائی کے بعد ہندوستان تشریف آوری ہوئی تو آپ کو حق تعالیٰ نے آپ کے مرکز نشو ونما (دارالعلوم دیو بند) کے لئے منتخب فرمایا، جو در حقیقت اپنے وقت کے اولیاء واقطاب کی نسبتوں کا مجموعہ اور مرکز ہے، گویا حرمِ شیخ کے بعد حرمِ شیوخ میں داخلہ ہوا اور اکابر واسلاف کی گدی نے آپ کو اپنے لیے چُن لیا، تقریباً ۲۶ برس سے مسلسل اس مرکزِ علمی کی صدارتِ تدریس کی مسند آپ کے فیوض سے مالا مال ہو رہی ہے۔ پس ۱۸ برس مرکزِ اسلام (مدینہ منورہ) میں رہ کر افادہ واستفادہ فرمایا، پانچ برس مالٹا کی جہاد پرور خانقاہ میں آپ کو وقت کی سب سے بڑی شخصیت سے خصوصی استفادے کا یکسوئی کے ساتھ موقع میسر ہوا اور ۲۶ برس

آپ اس علم و مذہب کے ایشیائی مرکز (دار العلوم دیو بند) میں مصروفِ افادہ و استفادہ ہیں، حرمِ مدینہ نے آپ میں جمعیۃ کی رُوح پھونکی، مالٹا نے آپ میں جامعیّت کی لہر دوڑائی اور دار العلوم دیو بند نے آپ کو اجتماعیت کے مقام پر لا کھڑا کر دیا، اس لئے قدرتی طور پر چند مرکزوں کی بنائی ہوئی شخصیت کو ایک جامع علم و عمل اور جامع اخلاق و شئون شخصیت ہونا ہی چاہیئے تھا، جو ہو گئی۔ **و ذالک فضل اللّٰہ یو تیہ من یشاء۔**

آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دار العلوم کے جس عہدے پر فائز ہے، وہ روایتی طور پر محض مدرسی یا صدر مدرسی کا عہدہ نہیں، بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدائیت کا عہدہ رہا ہے، جس کی طرف رجوعِ عام ہوتا رہا ہے اور جس کے لئے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتیں منتخب ہوتی رہی ہیں، جن کا امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل و کمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے۔

دار العلوم کے اوّل صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اپنی جامعیت، علوم و فنون، جودتِ طبع، ذکاوتِ احساس اور رموزِ ولایت میں شاہ عبدالعزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے اور فنِ حدیث میں آپ کا اندازِ درس، حکیمانہ، عارفانہ اور ساتھ ہی عاشقانہ تھا، آپ کے بعد ایک قلیل عرصے کے لئے حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ صدر نشینِ مسند درس ہوئے۔ آپ فنونِ عقلیہ و ریاضیہ میں امامِ وقت سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے دینیات کے درس میں آپ کا اندازِ تدریس عاقلانہ، مستدلانہ اور مفکرانہ تھا۔ آپ کے بعد حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اس گدی پر بٹھائے گئے۔ آپ جامعیتِ علوم کے ساتھ، شیخ کامل، عارف باللہ، جامع معقول و منقول اور اخلاقِ فاضلہ میں راسخ القدم تھے۔ اس لئے آپ کا اندازِ درس اپنے استاد حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کے نقشِ قدم پر عالمانہ، متکلمانہ، فقیہانہ اور فانیانہ تھا۔ ان کے بعد آپ کے ارشد تلامذہ آیت من آیات اللہ استاذنا حضرتِ اقدس علامۂ دہر مولانا السید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ مسند آرائے درسِ کتاب و سنت ہوئے۔ آپ کا غیر معمولی حافظہ، تبحرِ علمی، حفظ، کتب و سفائن اور علوم و فنون، گویا ایک اعجازی شان رکھتا تھا۔ عقل و نقل کا ہر علم و فن اور اس کے تفصیلی اصول و فروع آپ کو اس طرح متحضر تھے کہ آپ کو وقت کا چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جانے لگا، اس لئے آپ کا اندازِ درسِ حدیث حافظانہ، داعیانہ، محدثانہ اور تبحرانہ تھا۔ آپ کے بعد حضرتِ اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اس گدی کو رونق بخشی گئی، تو آپ کے جوشِ جہاد، ذوقِ عمل، ہمتِ باطنی اور وسعتِ اخلاق نے علم کو عمل کے ہر ہر گوشے میں دوڑا کر عملی سانچوں میں پیش کیا اور عملی کمالات پر دواعی عمل کو غلبہ پانے کا موقع ملا۔ اس لئے آپ کے درس کا انداز عالمانہ ہونے کے

ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھرپور اور جذباتِ عمل سے لبریز ہوتا ہے، جس سے طالبوں کے قوائے عمل کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور جذباتِ عمل زیادہ سے زیادہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کی تحریکِ جنگِ آزادی میں آپ کے علم اور جوشِ عمل نے اہل علم کے سیاسی حلقوں کی لاج رکھ لی، استخلاصِ ملک وملت کے لئے آپ نے جو جو قربانیاں دی ہیں، وہ جریدۂ عالم سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں، عموماً سیاسی میدانوں کے شناور اسٹیج پر پہنچ کر غیر محتاط اور ذہنی طور پر آزاد و بے باک ہو جاتے ہیں، لیکن حضرتِ ممدوح کا یہ کمالِ استقامت تھا کہ سیاسی اسٹیج پر بھی آپ کا تقشفِ مذہبی اس حد تک قائم رہا جس حد تک ایک مدرس کا اپنے حلقۂ درس میں قائم رہ سکتا ہے، گویا آپ کا اسٹیج بھی درسِ کتاب وسنت ہی کا محل و مقام ہوتا تھا، جس سے وہی آثارِ خیر و برکت ہویدا ہوتے تھے، جو کتاب وسنت کے خصوصی آثار ہو سکتے ہیں۔

ساتھ اس عامۃ الورود مقام پر جو حقیقتاً مزلّتِ اقدام ہے، آپ کی اخلاقی قوتیں اس حد تک بیدار اور ہموار رہیں کہ یہ سیاسی اقدامات بجائے خود ایک اخلاقی درس کی شان سے نمایاں ہوتے رہے، ہر خدمت بے لوث، ہر عمل بے لاگ اور ہر اقدام خلوص وایثار سے پُر، نہ کسی عہدے کا سوال، نہ جاہ کی طلب، نہ مال کی طرف ادنیٰ التفات، نہ اقتدار کی ذرہ بھر خواہش، ہندوستان کے آزاد کرانے اور انگریزوں کو نکالنے میں سر اور دھڑ کی بازی لگا دی، لیکن کیا کسی وقتی صلہ کے لئے؟ کسی عہدے کے لئے؟ یا قومی اسٹیج پر عہدے داروں کی کسی سرگروہی کے لئے؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہر خدمت میں مخلصانہ جذبات، بے غرضانہ داعی، بے لوث ارادے، سادگیٔ ضمیر اور محض اپنے بزرگوں کے نصب العین کی تکمیل اور اپنے سلف کے نقشِ قدم کے اقتضاء واقتداء کے ساتھ اسے باقی رکھنے کے لئے اور بس۔

آپ اس وقت بھی جوشِ عمل کے ساتھ قائدِ میدان تھے، جب کہ نعرہ ہائے تہنیت کے ساتھ پھولوں کے ہار پیش کیے جا رہے تھے اور اس وقت بھی اسی اندازِ فنائیت کے ساتھ مصروفِ عمل رہے، جب کہ افراد و جماعات نے مخالف بن کر بے حرمتی اور بدگوئی کی ٹھان لی تھی، کیونکہ یہ خدمت، نہ خواہشِ صلہ پر مبنی تھی، نہ نعرہ ہائے تحسین وآفرین پر، بلکہ صرف اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پر۔

آپ کی رایوں اور افکار سے افراد و جماعت کو نیک نیتی کے ساتھ اختلافات بھی رہے اور آئندہ بھی رہ سکتے ہیں لیکن اس میں موافق ومخالف کی دو رائیں کبھی نہیں ہوئیں کہ آپ اپنی رایوں میں مخلص، جذبات میں صادق، نیّات میں بلند مقام، عمل میں صاحبِ عزم اور اخلاق میں صاحبِ حال ہیں۔ اختلافِ رائے سے نیچے اُتر کر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مجاہدانہ مزاج سے، جس میں سیاسی رنگ

اور انتہا پسندانہ عزائم و جذبات بطورِ جوہرِ مزاج چھپے ہوئے ہیں، کسی اعتدال پسند اہلِ معاملہ کے دل میں کچھ خلش بھی ہو اور بعض اہلِ معاملہ کے نفوس کچھ گھائل بھی ہوں۔ یہ بھی ضرور عرض کروں گا کہ جو اکابرِ دین تکوینی طور پر من اللہ کسی خاص خدمت کے لئے مقرر اور مامور کئے گئے ہوں، ان کی طبائع اور خصوصیاتِ مزاج کے لحاظ سے ان پر اسی وصف کا غلبہ ہوتا ہے، جو اس خدمتِ خاص اور وقتِ خاص کا مقتضی ہو اور وہی وصفِ غالب اُن کے کاموں کا قدرتی معیار بن جاتا ہے، گویا ان کی طبیعتیں غیر اختیاری بلکہ غیر شعوری طور پر ادھر ہی چلتی ہیں، جدھر یہ وصف اور وقت انہیں لے چلتا ہے۔ اس لئے بظاہر تو معاملات میں اُن کی طبیعت اور مزاج کارفرما نظر آتا ہے، لیکن فی الحقیقت منشأ خداوندی ان حضرات کی طبیعتوں کے راستے سے اپنا کام کرتی ہے۔

مولانا مدنی ؒ کی شخصیت' جس اسٹیج کے لئے منتخب کی گئی، وہ بلاشبہ ایک طاقتور دشمن کے مقابلے اور اُس کے پنجۂ استبداد سے ایک پسماندہ اور محرومِ آزادی ملک کے چھڑانے کا اسٹیج تھا، تا کہ اس راہ سے کسی وقت شعائرِ الٰہیہ بلند کیے جا سکیں' ظاہر ہے یہ کٹھن نصب العین رحم و کرم، عفو و درگزر اور مسامحت کے جذبات سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، بلکہ جوش و جذبۂ فرق بین الناس اور تمیز قائم و قائد کے دواعی ہی اسے آگے بڑھا سکتے تھے، بالفاظِ دیگر اس طرح کے فی سبیل اللہ تصادم اور تقابل کے لیے بعض اوقات بغض فی اللہ کے غلبہ کی ضرورت تھی، نہ کہ حب فی اللہ کے آگے رکھنے کی اور اس کے لئے طبیعت گرم اور جہاد آگیں درکار تھی، جس کے ذاتی رجحانات ہی خلقی طور پر بُغض فی اللہ کے اخلاق کے لئے صالح اور مستعد ہوں، نہ کہ نرم اور علم و صبر پیشہ طبیعت' جس کا وصفِ غالب حب فی اللہ اس کے تحت بڑے سے بڑے دشمن سے درگزر اور عفو مسامحت ہو، پھر یہ گرم طبیعت بھی ایسی کہ یہ وصف بغض فی اللہ اس کے حق میں استدلالی نہ ہو بلکہ حالی ہو اور خود طبیعت ہی اپنی افتاد سے اس طرف دوڑتی ہو، حضرت ممدوح کے طرز و انداز اور رفتارِ کار سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے، جو آپ کے عام معاملات کے لئے و منصبی مقام کے لحاظ سے معیار کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے۔

بلاشبہ ایسے حضرات جو بغض فی اللہ کے مقام پر ہوں، اللہ کی ایک تلوار ہوتے ہیں کہ جو بھی معاندانہ رویہ سے اس کی دھار کے نیچے آ جاتا ہے، صاف ہو جاتا ہے ......

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

ظاہر میں وہ مغلوب الغضب نظر آتے ہیں، لیکن وہ خود ان کا غضب ... بغض نہیں ہوتا بلکہ

بغضِ الٰہی ہوتا ہے، جو ان کے اخلاق میں سے ہو کر گذرتا ہے اور انہیں جارحہٗ الٰہیہ بنا کر ان کے راستے سے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

اہل اللہ کی یہ مزاجی اور طبعی خصوصیات نہ صرف یہ کہ بندگی کے منافی نہیں ہوتیں، بلکہ نوعِ بزرگی کا مورد اور مظہر ہوتی ہیں، جن میں شئونِ الٰہیہ گزر کر اپنا کام کرتی ہیں، گویا جن حضرات پر حب فی اللہ کے غلبے سے عفو و درگزر، مسامحت اور چشم پوشی وغیرہ کے جذبات چھائے ہوئے ہوتے ہیں، وہ حق تعالیٰ کے حلم وعفو، رحم وکرم اور فضلِ عظیم کا بغض فی اللہ کے تحت ترک دار و گیر، مواخذہ، مطالبہ اور تفریق حق و باطل کے جذبات غالب ہوتے ہیں، وہ حق تعالیٰ کے جبر وقہر، مواخذہ وانتقام اور عدل کا مظہر ہوتے ہیں، پس ایسے حضرات اگر کسی پر رحم کھائیں یا کسی پر غضب ناک ہوں، تو وہ درحقیقت رحمت اور غضبِ الٰہی ہوتا ہے جو ان کی طبعی خصوصیات مزاج کو راہِ حق کا خادم اور کلیۃً حق کا آلہٗ کار بنا لیتے ہیں، بہر حال اس قسم کے مقبول افراد کو جس میدان میں بھی کام کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، تو ان کی طبائع کو اس میدان کی رہنمائی دے دی جاتی ہے اور اس میں ان کی یہ طبعی خصوصیات شئونِ الٰہیہ سے مربوط ہو کر اپنا مفروضہ کام غیر شعوری طور پر کرنے لگتی ہیں۔

دائرۂ نبوت ہو یا دائرۂ ولایت، متعلقہ افراد کی طبعی خصوصیات اور مزاجی امتیازات سے الگ نہیں رہ سکتا، موسیٰ علیہ السلام کی طبعی خصوصیات جلال آگیں تھیں، تو اُن کی نبوت اور شریعت میں بھی وہی شدت فی امر اللہ اور جلالی شان غالب ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی طبع مبارک جمال آفرین تھی تو ان کی نبوت اور شریعت میں بھی حب فی اللہ اور تسامح کی شانوں کا غلبہ ہے، نبوت سے اُتر کر دائرۂ ولایت میں مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر طبعاً رحم وکرم غالب ہے، تو اُن کے عام معاملات اور کاروبار میں بھی رحمت ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ طبعاً متشدد اور جبّار ہیں، تو اُن کے عامۂ اُمور سے وہی سخت گیری، جلال اور تشدد فی امر اللہ نمایاں ہے۔ غرض انبیاء کی نبوت اور اولیاء کی ولایت ان کے خلقی مزاجوں اور طبعی خصوصیات ہی کے ڈھانچوں ہی میں اترتی ہے، جب کہ وہ طبائع وہبی یا کسبی طور پر نفسانی رذائل سے پاک کر کے وابستۂ حق بنا دی جاتی ہیں اور قبول کر لی جاتی ہیں۔

پس ان وابستۂ حق طبائع سے جو اُمور سرزد ہوتے ہیں' وہ بظاہر تو طبعی جذبات نظر آتے ہیں، لیکن حقیقتاً ان میں منشاءِ الٰہی کام کرتا ہے اور وہ جوارح الٰہیہ ہوتے ہیں، جو اپنی طبعی رفتار سے منشاءِ الٰہی کو پورا کرتے رہتے ہیں، گویا اس غبارے میں ہوا مرضی الٰہی کی بھری ہوتی ہے، جس سے وہ اڑتا ہے، پس بظاہر تو غبارہ اڑتا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اُڑنے والی چیز ہوا ہوتی ہے جس کی اُڑان کا مظہر غبارہ ہوتا

ہے۔

انت کالریح و نحن کالغبار یختفی الریح و غبراہ جھار

اسی طرح مولانا مدنیؒ کے معاملات کی نوعیت اور افتادِ طبع سے واضح ہے کہ اُن پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے اور ان کی خصوصیاتِ طبع سے ہر اس دائرے میں جس میں ان کا دخل ہو، ایک خاص معیار کے تحت فصل اور فرق کا کام لیا گیا ہے، جسے زد میں آئے ہوئے افراد طبعی جذبات سے تعبیر کرتے ہیں اور بابصر لوگ اسے منشاءِ حق سے تعبیر کرتے ہیں، جو مولانا کے مقام کے لحاظ سے تکمیلِ فرائض کے وقت ان کے طبعی جذبات سے سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس لئے عموماً مخالف پر بھی اس کا اثر برا نہیں ہوتا، بنا بریں ایسے حضرات کے معاملات میں محض جذبات سے صرف سطح ہی کو نہ دیکھ لینا چاہئے، بلکہ اس کی مخفی روح کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ یہ ان کی عصمت یا خطا و نسیان سے بالاتر ہونے کا دعویٰ نہیں، بلکہ عامۃً منشأ خطا کے صواب ہونے کا دعویٰ ہے، یعنی ان کی خطاء ان شاء اللہ ایک عاصی کی سی خطا نہیں بلکہ ایک مجتہد کی خطا ہو سکتی ہے، جو اپنے فکر میں مصیب بھی ہوتا ہے اور خاطی بھی، پس اُن کی خطا سے صاحبِ معاملہ کی کلفت اور شکایت اپنی جگہ کتنی ہی درست اور صحیح کیوں نہ ہو، مگر وہ پھر بھی اپنی خطا پر مستحق اجر و مقبولیت ہی رہتے ہیں، کیونکہ اس میں طلبِ حق اور استرضاءِ حق کے سوا نفسانی جذبات آگے نہیں ہوتے اور احیاناً بمقتضاءِ بشریت ہوں بھی تو ایسے حضرات کی کثرتِ حسنات کے مقابلے میں ان کی یہ اَحیانی لغزشیں شاذ اور کالعدم ہوتی ہیں، جن سے ان کی مقبولیت کے مقام میں فرق نہیں پڑتا۔ اندریں صورت اس سے اختلافِ رائے بھی نیک نیتی سے ممکن ہے اور معاملات کے سلسلے میں ان کا کسی غلط فہمی یا خطاءِ اجتہادی سے کلفت و اذیت ہو جانا بھی ممکن ہے لیکن ایسے صاحبِ مقام افراد سے نفسانی جذبات کے تحت کسی کی آزار رسانی عادۃً ناممکن ہے۔

اس سے میری غرض، نہ ان کے تمام معمولات اور منصوبات کی حمایت ہے اور نہ ان سے اختلاف رکھنے والوں کی مخالفت ہے، بلکہ ان کے باطنی رُتبے کی بلند مقامی اور ان بلند پایہ عزائم و جذبات پر روشنی ڈالنا ہے، جو فکری اور عملی لغزشوں کو بھی مقبول اور ''ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است'' کا مصداق بنا دیتی ہے اور یہ کہ وہ موافقت اور مخالفت ہر حال میں یکساں بلند مقام ہیں، جیسا کہ قلوب بھی عامۃً اسے تسلیم ہی کیے ہوتے ہیں۔

بہر حال حضرت ممدوح کی کچھ خصوصیات ہیں، جن کے جامع لون سے منجانب اللہ کچھ

جذبہ لے کر آتا ہے، وہ بلاشبہ اس جامع لون سے بقدرِ استعداد حصہ لے کر لوٹتا ہے۔ ہاں اگر طلب ہی صادق نہ ہو یا سلسلے میں شامل ہونے کی غرض ہی فاسد ہو تو ان جذبات سے آنے والے انبیاء کے حلقوں سے بھی محروم ہی اُٹھے ہیں، تابا اولیاء چہ رسد۔

حضرتِ ممدوح کی ان خصوصیات کے پیشِ نظر یہ افسوس تھا کہ ان خصوصیات سے تربیت پا کر گو ایک حلقہ ضرور تیار ہو گیا، مگر علمی طور پر ان کا کوئی ذخیرہ سطح کاغذ پر جمع نہیں ہوا، جس سے موجودہ نسل کی طرح آئندہ نسل بھی فائدہ اُٹھا سکتی، خود حضرت مولاناؒ کو بھی اپنی غیر معمولی مصروفیات، مشاغلِ درس و تدریس، کثرتِ اسفار، واردین و صادرین کے ہمہ وقت ہجوم، سیاسی خدمات اور ان کے ذیل میں اربابِ معاملہ کے شبانہ روز رجوع و زحام کے سبب اتنا موقع نہیں ملتا کہ آپ جتنی خدمات زبان اور دست و بازو سے انجام دیتے ہیں اتنی ہی قلم کے واسطے سے بھی انجام دیں، جس سے آپ کی یہ خصوصیات میدانِ عمل سے گزر کر میدانِ تصنیف میں آ جائیں اور یہ لوگ معنوی دولتیں، جس طرح زبان فیض ترجمان سے سینوں میں بھر کر لے جاتے ہیں، اسی طرح قلم کی بدولت سفینوں میں بھی محفوظ کر لیں، تا کہ آج کی دنیا کے ساتھ آنے والی دنیا بھی اس سے مستفید ہو سکے، گو بعض اوقات مختلف علمی اور سیاسی مضامین، خطباتِ صدارت وغیرہ کی صورت میں خاص دواعی کے ماتحت قلم بند بھی فرمائے، لیکن وہ وقتی اور ہنگامی حالات سے تعلق رکھنے کے سبب صرف ان ہی حالات میں فیض رساں بن گئے، جس سے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا، مگر وقت کی قید سے آزاد ہو کر کوئی مستقل علمی ذخیرہ غیر معمولی مشاغل و شواغل کے ہوتے ہوئے تصنیفی صورت میں اَب تک سامنے نہیں آ سکا۔

پھر بھی اسے غیبی امداد سمجھنا چاہیئے کہ حضرتؒ کے متوسلین نے وقتاً فوقتاً خطوط (جن کی ایک جھلک اس کتاب میں بھی آپ ملاحظہ فرماویں گے) کے ذریعے اپنے مختلف احوال پیش کر کے شفاءِ نفوس کی جو تدبیریں پوچھیں، تو ان کے جواب میں کچھ علمی، سیاسی اور عرفانی جواہر پارے کاغذ کی سطح پر جمع ہو گئے، جس سے فی الجملہ پیاسوں کی سیرابی کا کچھ مستقل سامان فراہم ہو گیا۔

ان مکاتیب اور ان کے مکنون و علوم و احوال کی فہرست (اور زیرِ تالیف کتاب کی فہرست پر بھی) پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے ہی سے اس جامعیت کا اندازہ لگا لینا مشکل نہیں رہتا، جو حضرت ممدوح کی ذات میں ودیعت کی گئی ہے اور تمام ہی دینی طبقوں میں یکساں شفاء بخش ہے۔ حال و قال والے حضرات ہوں یا براہین و استدلال والے ہوں، طالبانِ مسائل ہوں یا عاشقانِ دلائل سب ہی کے لئے اس مختصر مگر جامع ذخیرے میں سامان سیرابی موجود ہے۔ ان جامع ہدایات سے اگر ایک طرف طریقت و

معرفت کے مسائل حل ہوتے ہیں، تو دوسری طرف شریعت کے حکمیات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور جہاں شریعت وطریقت کے مقامات کھلتے ہیں، وہیں سیاست وادارت اور قومی معاملات کے دقائق بھی واشگاف ہوتے ہیں۔ غرض بیک وقت شریعت وطریقت اور سیاست کے دقیق اور حیات بخش نکتے اس طرح زیبِ قرطاس ہو گئے ہیں کہ ایک جویائے حقیقت ومعرفت، ایک متلاشیٔ احوالِ طریقت اور ایک طلبگارِ شریعت وسیاست کے لئے یکساں شفاء اور سکونِ روح کا سامان بہم پہنچا سکتے ہیں۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرتِ مرتب ومؤلف کو جن کی علم پرورانہ کاوش اور جذبۂ افادیت نے یہ مشکل آسان کردی اور جو روشنی محدود ہو کر رہ گئی تھی، اُسے ایک چمک دار فانوس میں منظرِ عام پر لا کر رکھ دیا تا کہ متوسلین کے لئے خصوصاً اور منہومانِ علم کے لئے عموماً ضیاء افروز اور نور افشاں ثابت ہو اور اس طرح بہت سوں کے شوقِ بے تاب کی تسکین کا سامان بہم پہنچ جائے۔

اُمید ہے کہ وقت کے اس زبردست مجاہد جلیل (مولانا مدنیؒ) کے ان علم پرورانہ حقائق اور عمل آفرین وثائق سے جن میں شرعی رہنمائی کے ساتھ عرفانی ارشادات اور سیاسی ہدایات ایک جگہ جمع ہیں۔ نیز ضمناً اور بھی بہت سے کارآمد فوائد آ گئے ہیں، لوگ متمتع ہونے میں کوتاہی اور سُستی سے کام نہ لیں گے اور اس زلالِ حیات سے ابدی زندگی حاصل کریں گے۔ (از مکتوباتِ شیخ الاسلام)

سلسلۂ نسب' ابتدائی تعلیم' دلچسپ واقعات اور اساتذہ کا اجمالی تذکرہ

نسب کی اہمیت وفضیلت :

نسبی شرافت ربِّ ذوالجلال کا عطیۂ خاص ہے اور بہت سے شرعی مسائل میں نسب کا گہرا تعلق بھی ہے۔ مثلاً وراثت' حرمتِ نکاح' نان ونفقہ' رضاعت' کفایت اور صلہ رحمی وغیرہ حدیث میں ہے۔ **تدعون یوم القیامة باسمآئکم اسماء ابآئکم** ۔ قیامت کے دن تمہارے نام تمہارے باپ کے نام کے ساتھ پکارے جائیں گے۔ مشہور محدث امام ابوعیسٰی ترمذیؒ نے اپنی جامع ترمذی میں سلسلۂ نسب کی اہمیت کی وجہ سے مستقل باب "**باب ماجآء فی تعلیم النسب**" قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بیان کی ہے۔ **تعلموا من انسابکم ماتصلون به ارحامکم فان صلة الرحم محبة فی الاصل مثراة فی المال منسأة فی الاثر** ۔ ترجمہ : اپنا نسب سیکھو' تاکہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو۔ بہتر سلوک' اصلِ تعلق میں محبت پیدا کرنے ، مال بڑھانے اور عمر میں برکت کا سبب بنتا ہے۔ نسب کے شرف وفضیلت کے اوصاف وعلامات باقی رہتے ہیں۔

نسب کے حوالے سے تین گروہ :

نسب کے بارے میں تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ اور گروہ وہ ہے، جو حسب ونسب پر بے جا فخر د

تکبر کرتا ہے۔حالانکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ **من بطّأبه عملهٗ لم یسرع به نسبه ۔** جس کا عمل سُست ہوا اس کو نسب تیز نہیں کرسکتا۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے اصلی نسب کو چُھپا کر کسی بڑے درجے کے نسب کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے۔ایسے شخص کے متعلق سخت وعید ہے۔ بخاری شریف میں ہے، ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جو سرے سے فضیلتِ نسب کا قائل ہی نہیں، حالانکہ شرافتِ نسبی امرِ تکوینی ہے، جو منجانب اللہ کسی کو حاصل ہوتی ہے۔ ع این سعادت بزور بازو نیست

نبی ہمیشہ اعلیٰ نسب سے تعلق رکھتا ہے :

قیصرِ روم نے ابوسفیان سے جہاں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کئی اور اہم سوالات کیے، وہاں یہ بھی پوچھا، **کیف نسبه فیکم** ۔ان کا نسب کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا، **هو فینا ذو نسب** ۔وہ ہم میں اعلیٰ نسب کے مالک ہیں۔قیصرِ روم نے کہا نبی ہمیشہ اعلیٰ نسب سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت مدنیؒ کی نسبی شرافت :

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کا سلسلۂ نسب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور آپ صحیح النسب حسینی سید ہیں۔ آپ اپنی نسلی شرافت پر خود اپنی دلیل آپ ہی تھے .... ؎

نمونہ کس نے دکھلایا کہ سید ہوں تو کیسے ہوں
حسین احمدؒ نے بتلایا کہ سید ہوں تو ایسے ہوں

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اپنی خود نوشت سوانح ''نقشِ حیات'' میں رقم طراز ہیں:

''مجھ کو بہت ڈر لگتا ہے اور شرم معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ اعمال و اخلاق اور اس کم مائیگی پر سید یا پیر زادہ اپنے کو کہوں یا لکھوں اور اپنے اس نسب پر فخر کروں مگر اس میں بھی چونکہ شک نہیں ہے کہ غیر اختیاری نعماءِ الٰہیہ میں سے یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے یعنی جیسے کہ انسان کا پیدا ہونا' تمام اعضاء کا صحیح و سالم ہونا، خوبصورتی اور اعضاء کا تناسب، ذکاوت اور حافظہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں میں سے ہیں جن میں بندہ کے اختیار اور

ارادہ کو کوئی دخل نہیں اور اس پر بندہ کو ہمیشہ شکر گزاری کرنا ضروری ہے"۔

(نقشِ حیات ص ۳۰)

سلسلۂ نسب :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا سلسلۂ نسب درج ذیل ہے۔

حسین احمد بن سید حبیب اللہ بن سید پیر علی بن سید جہانگیر بخش بن شاہ انور اشرف بن شاہ مدن اِلیٰ شاہ نور الحق۔

شاہ نور الحقؒ بڑے صاحب دل بزرگ، صاحبِ کشف و کرامات اور اہل اللہ میں سے تھے اور موصوف حضرت سید احمد توختۂ تمثال رسول کی اولاد میں سے تھے اور وہ سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذیؒ کی اولاد سے تھے اور وہ سید حسین اصغر بن حضرت امام علی زین العابدین ابن شہید کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ (تاریخ آئینہ اودھ ص ۶۴)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ خود راوی ہیں کہ میرے والد سید حبیب اللہ مرحوم فرماتے تھے۔ میں جبکہ صفی پورہ اور بانگر مئو میں ہیڈ ماسٹر تھا لوگوں سے ذکر کرتا کہ میں سادات خاندان سے ہوں میرا خاندان پیرزادوں کا خاندان ہے تو لوگ تصدیق نہیں کرتے تھے، کیونکہ اودھ کے شہروں میں کپڑا بُننے والے رہتے تھے۔ اس لئے ہمارے متعلق بھی لوگ یہی سمجھتے کہ یہ بھی اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک روز حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ نے بھرے مجمع میں فرمایا کہ حبیب اللہ تو سید زادے اور پیرزادے ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ شاہ نور الحقؒ بہت بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ تب لوگوں کے خیالات ہمارے نسب کے متعلق بدلے۔

حضرت مدنیؒ کے والد کا دلچسپ خواب :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے والد مرحوم فرماتے تھے کہ:

"میں نے اوائل عمر میں خواب دیکھا تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک بڑے تالاب کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی چرخہ کات رہی ہیں اور میں اپنے آپ کو بچہ پاتا ہوں اور تالاب کے دوسرے کنارے پر ہوں۔ میں نے دیکھا میں تالاب میں تیرتا ہوا ان کی طرف اس طرح جا رہا ہوں، جیسے بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا ہے۔ میں

خواب میں ان کو ماں سمجھ رہا ہوں اور وہاں پہنچ گیا ہوں۔ ہجرت کرنے کے بعد جب شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے والد نے یہ خواب حضرت شیخ الاسلامؒ کے سامنے ذکر کیا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خواب کا کیا مطلب تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نے بتایا کہ تعبیر تو ظاہر ہے، آپ سمندر کے دوسرے کنارے پر تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ منورہ حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچ گئے اور نسبی سلسلہ میں وہ ہماری ماں ہی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے والد فرماتے ہیں، مجھ کو نسب نامہ کی تلاش تھی، تو میں نے خواب دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کو جا رہے ہیں اور میں پاس کھڑا ہوں۔ مجھ کو فرمایا تو میری اولاد میں سے ہے۔ (ملخص نقشِ حیات ص ۲۳)

ولادت :

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ بمطابق ۱۸۷۹ء بمقام بانگڑمیو ضلع اناؤں میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام چراغ محمد ہے۔ آپ کے چار بھائی اور بھی تھے، جن کے نام حضرت مولانا سید محمد صدیقؒ، مولانا سید احمدؒ، مولانا سید جمیل احمدؒ اور مولانا سید محمود صاحبؒ تھے۔ بھائیوں میں آپ درمیانے تھے۔ آپ کی تین بہنیں بھی تھیں۔ ایک بہن کا نام زینب تھا، جو چار برس کی عمر میں فوت ہوئی۔ دوسری کا نام نسیم زہرا تھا، وہ بھی ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہوئی۔ تیسری بہن کا نام ریاض فاطمہ تھا، جو ۲۴ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں۔

ابتدائی تعلیم :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے والد سید حبیب اللہ قصبہ صفی پور ضلع اناؤں میں ہیڈ ماسٹر تھے، پھر بانگڑمیؤ میں تبدیل کر دیے گئے۔ جب شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ پیدا ہوئے تو آپ کے والد بانگڑمیؤ میں تھے۔ جب حضرت شیخ الاسلامؒ تین سال کی عمر کو پہنچے تو والد ماجد کی تبدیلی قصبہ ٹانڈہ میں ہو گئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم یہاں حاصل کی۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اپنی تعلیم و تربیت اور ایام طفولیت کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"مجھ کو ہوش و حواس آئے، تو میں نے اپنے آپ کو ٹانڈہ میں پایا۔ نانگڑمیؤ بالکل یاد نہیں۔ والدین مرحومین کو اولاد کی تعلیم و تربیت کا غیر معمولی اور بہت زیادہ خیال تھا اور

اس کے لئے والد مرحوم بہت زیادہ سختی کرتے تھے۔ ہر بچہ کو جب وہ چار برس کا ہو جاتا، پڑھنے کے لئے بٹھا دیتے تھے۔ نہ پڑھنے اور لکھنے پر خوب مارتے تھے۔ مجھ کو کھیلنے کا موقع آزادی کے ساتھ صرف چار برس کی عمر تک ملا ہے"۔

آغازِ شعور سے پابندی اور تربیت کا اہتمام :

جب اس عمر کو پہنچا تو گھر میں والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور اس کے بعد سیپارہ پڑھنا پڑتا تھا۔ صبح ساڑھے نو بجے تک یہ قید اور پڑھائی گھر میں ہوتی تھی اور ساڑھے نو بجے کھانا کھا کر والد مرحوم کے ساتھ اسکول میں جانا پڑتا تھا۔ اسکول کی تعلیم میں بھی مدرسین اس زمانہ میں خوب مار پیٹ کرتے تھے۔ چار بجے شام تک اسکول میں مقید رہنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد والد مرحوم کے ساتھ ہی گھر آنا ہوتا تھا۔ گھر پر بھی سخت قید تھی۔ باہر نکلنا' گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنا' اس کی بالکل اجازت نہ تھی، اگر کبھی موقع پا کر نکل جاتا تو سخت مار پڑتی۔

بکری چرانے کی خدمت :

والد صاحبؒ نے ایک اچھی نسل کی بکری پال رکھی تھی۔ اسکول جاتے اور واپس آتے ہوئے اس کو اور اس کے بچوں کو ساتھ رکھنا پڑتا، چونکہ سکول کا احاطہ بڑا تھا، وہ لمبی رسّی میں باندھ دی جاتی تھی اور دن بھر اس طرح چرتی رہتی تھی۔ دیگر فارغ اوقات میں مکان کے قریب جنگل میں اس کو اور اس کے بچوں کو چرانا پڑتا تھا۔ اس طرح بچپن میں یہ سنت ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ پتنگ اُڑانا یا گیند کھیلنا یا گلی ڈنڈا وغیرہ کھیلنا کبھی نصیب نہیں ہوا۔

آٹھ سال کی عمر میں علمی حذاقت اور تجربہ :

الحاصل آٹھ برس تک اس طرح وطن میں قیام رہا۔ اس دوران پانچویں سیپارہ تک والدہ مرحومہ سے اور پانچ سے اخیر تک والد مرحوم سے ناظرہ قرآن شریف پڑھا۔ اس کے بعد آمد نامہ، دستور الصبیان، گلستان کا کچھ حصہ مکان پر پڑھنا ہوا اور اسکول میں دوم درجہ تک پڑھنا ہوا۔ اس وقت سکول میں فنون اور کتب زیادہ تھے۔ تمام اقسامِ حساب' جبر و مقابلہ تک مساحت اور اقلیدس مقالہ اولیٰ تمام جغرافیہ عمومی خصوصی، تاریخ عمومی و خصوصی، مساحتِ علمی (تختہ جریب وغیرہ سے زمین ناپ کر باقاعدہ نقشہ بنانا) تحریر املا، ہر چیز میں اس قدر مہارت ہو چکی تھی کہ از بر بخوبی جواب دے سکتا تھا۔

دیوبند میں سب سے پہلی حاضری :

جب عمر کا تیرھواں سال شروع ہوا تو بھائی سید احمد مرحوم دیوبند چلے گئے ۔ بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد صدیق ؒ پہلے سے دیوبند میں آخری کتابیں پڑھ رہے تھے۔اب ہم مکان پر اس حیثیت سے آزاد ہو گئے کہ ہم کو ڈھونڈ کر گھروں سے نکال لانے اور والد مرحوم کے سامنے پیش کر دینے والا کوئی نہیں رہا۔طبیعت میں کھیل کود کا شوق تھا۔اس وجہ سے والد صاحب نے مارا پیٹا بھی زیادہ،مگر بے سود معلوم ہوا۔دو چار دن مار کا اثر رہا' پھر وہی کھیل کود کا شوق سوار ہوا۔بالآخر والد صاحب نے طے کر لیا کہ اس کو یہاں نہ رکھنا چاہئے بلکہ دیوبند بھیج دینا چاہئے ۔ چنانچہ بھائیوں کی تین مہینہ روانگی کے گذرنے کے بعد منشی فیروز الدین بٹالوی مرحوم کے ساتھ دیوبند بھیج دیا۔ چنانچہ اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں ان کے ساتھ دیوبند پہنچ گیا اور اپنے بھائیوں کے زیر سایہ انہیں کے کمرہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے مکان کے قریب رہنے لگا۔یہ کمرہ حضرت ؒ کی مسجد کے سامنے کوٹھی میں واقع تھا۔

مولانا خلیل احمدؒ سے درسی کتب کا آغاز :

یہاں پہنچنے کے بعد گلستان اور میزان شروع کی ۔ بڑے بھائی صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ سے درخواست کی کہ آپ تبرکاً اس کو دونوں کتابیں شروع کرادیں۔مجمع میں حضرت مولانا خلیل احمد مرحوم اور دوسرے اکابر علماء موجود تھے۔حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا خلیل احمدؒ سے فرمایا کہ آپ شروع کرادیں ۔ چنانچہ انہوں نے ہر دو کتابوں کو شروع کرا دیا اور پھر بھائی صاحب نے میزان ،منشعب پڑھائی۔ اگر چہ عمر کے لحاظ سے تیرہ سال کا تھا،لیکن دُبلا پتلا اور پستہ قد کہ دیکھنے میں گیارہ سال کا نظر آتا۔اس وجہ سے مجھ پر شفقت زیادہ کی گئی۔

دیوبند پہنچنے کے بعد وہ ضعیف سی کھیل کود کی آزادی جو کہ مکان پر تھی ۔ وہ بھی جاتی رہی۔ دونوں بھائی صاحبان بالخصوص بڑے بھائی صاحب سب سے زیادہ سخت تھے۔خوب مارا کرتے تھے۔ اس تقید اور نگرانی نے مجھ میں علمی شغف زیادہ سے زیادہ اور لہو ولعب کا شغف کم سے کم کر دیا۔

(تلخیص نقشِ حیات ص ۵۲ تا ۵۵)

تذکرۃ الاساتذہؒ :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے دارالعلوم دیوبند میں جن اکابر علماء کرام سے استفادہ کیا اور

شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ان کے اسماءِ گرامی اجمالی تعارف کے ساتھ درجِ ذیل ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ :

حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد ہیں۔حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے علمِ حدیث کی تحصیل فرما کر دستارِ فضیلت حاصل کی۔ظاہری علم و فضل کی طرح باطن بھی آراستہ تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت حاصل تھی۔جب آپ دارالعلوم میں صدر مدرس تھے،تو صدارتِ تدریس کی تنخواہ -/75 روپے تھی،مگر آپ نے -/50 روپے سے زیادہ کبھی نہیں لی۔

آپ کے تلامذہ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ،مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اوران جیسے کئی بڑے بڑے صاحبِ علم و کمال شامل ہیں۔حضرت شیخ الاسلامؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے دستور المبتدی،زرادی،زنجانی،مراح الارواح،قال اقول،مرقات،تہذیب،شرح تہذیب،قطبی تصدیقات،قطبی تصورات،میر قطبی،مفید الطالبین،نفحۃ الیمن،مطول،ہدایہ اخیرین،ترمذی شریف،بخاری شریف،ابوداؤد،تفسیرِ بیضاوی،نخبۃ الفکر،شرح عقائد نسفی،حاشیہ خیالی،مؤطا امام مالکؒ اور مؤطا امام محمدؒ پڑھیں۔

مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ :

حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے والد ماجد تھے۔دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔مولانا ذوالفقار علیؒ کے متعلق فرانس کا مشہور مصنف گارسان لکھتا ہے :

"وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے۔چند سال کے لئے بریلی کالج میں پروفیسر ہو گئے۔۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ذہین ہونے کے علاوہ فارسی اور مغربی علوم سے بھی واقف تھے۔حضرت شیخ الاسلامؒ نے ان سے فصول اکبری پڑھنے کا شرف حاصل کیا"۔

مولانا عبدالعلی صاحبؒ :

حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کر کے دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔زہد وتقویٰ میں اپنی مثال

وحرکت سے معذور ہو گئے تھے۔ شاگرد وہ گدّا جس پر بیٹھے رہتے تھے اُٹھا کر صف اولیٰ میں لا کر رکھ دیتے تھے۔ پوری عمر خدمتِ حدیث میں گذری۔ فرمایا کرتے :

"قاسمی ہو جاؤ، بھوکے ننگے نہ رہو گے، مجھے دیکھو نہ اُٹھ سکتا ہوں، نہ بیٹھ سکتا ہوں، مگر رزق کی اتنی کثرت ہے کہ میرے حجرے میں ہر وقت ہر قسم کی نعمتیں موجود رہتی ہیں"۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے ان سے مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، سبعہ معلقہ، صدرا، شمس بازغہ اور توضیح تلویح پڑھیں۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ :

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ دارالعلوم دیوبند کے اوّلین فضلا میں سے تھے۔ تمام علوم متداولہ میں عبور رکھتے تھے، لیکن علمِ حدیث سے عشق تھا۔ آپ نے ابوداؤد شریف کی شرح بذل المجہود پانچ جلدوں میں لکھی۔ اس کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے ان سے تلخیص المفتاح پڑھی۔

مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ :

مولانا حکیم محمد حسنؒ شیخ الہندؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ دہلی میں حکیم عبدالمجید سے طب پڑھی۔ ۱۳۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیتِ مدرس وحکیم ان کا تقرر ہوا۔ دیوبند کے طلباء کو طب بھی پڑھاتے اور اُن کے علاج معالجے کی ذمہ داری بھی نبھاتے۔ تیرتالیس (۴۳) سال تک دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے ان سے پنج گنج، صرف میر، نحو میر، مختصر المعانی، سلّم العلوم، ملاحسن، جلالین شریف اور ہدایہ اوّلین پڑھی۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ :

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ ۱۲۹۵ھ میں دورۂ حدیث کا امتحان پاس کر کے دارالعلوم میں معین المدرس رہے۔ ساتھ ساتھ حضرت مولانا یعقوبؒ صدر المدرسین کے زیرِ نگرانی فتویٰ نویسی کی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔ چالیس سال کے طویل عرصے تک آپ دارالعلوم کے مفتی رہے۔ آپ کے فتاویٰ کی تعداد ایک لاکھ اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ افتاء کے ساتھ ساتھ درس کا شغل بھی

مستقل تھا۔ فقہ و حدیث اور تفسیر کے اونچے اسباق پڑھاتے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے آپ سے شرح جامی، کافیہ، ہدایۃ النحو، منیۃ المصلی، کنز الدقائق، شرحِ وقایہ، شرح مائۃ عامل اور اُصول الشاشی پڑھی۔

مولانا غلام رسول صاحب بفویؒ :

مولانا غلام رسولؒ ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کے حافظ اور جامع تھے۔ طبقۂ علماء میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ طلبا بڑے شوق سے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ ۱۳۰۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے نامور علماء شامل ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے ان سے نور الانوار، حسامی، قاضی مبارک اور شمائل ترمذی پڑھی۔

مولانا الحاج حافظ محمد احمد صاحبؒ :

حافظ محمد احمد صاحبؒ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ صاحب کے فرزند رشید تھے۔ حافظ صاحبؒ نہایت منتظم اور صاحب اثر و وجاہت تھے۔ آپ کا پینتیس سالہ دورِ اہتمام دار العلوم دیوبند کی تاریخ میں ترقیوں کا نہایت تابناک اور زرّین دَور سمجھا جاتا ہے، اہتمام کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا شغل بھی قائم رہا۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلالین شریف، صحیح مسلم، ابن ماجہ، مختصر المعانی، میر زاہد رسالہ وغیرہ نہایت شوق سے پڑھاتے تھے۔ تقریر نہایت صاف و مربوط اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے آپ سے شرح ملا جامی بحثِ اسم پڑھی۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ :

مولانا حبیب الرحمٰنؒ دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم تھے۔ عربی ادب اور تاریخ سے خاص ذوق تھا اور ان علوم میں ان کی وسیع النظری مشہور تھی۔ کئی کتابیں لکھیں۔ اُن کی تصانیف میں "اشاعت اسلام المعروف بہ دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا" کو خاص شہرت ملی۔ آپ دُبلے پتلے وجود کے مالک تھے۔ بہت کم خوراک کھاتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے ان سے مقاماتِ حریری اور دیوانِ متنبی پڑھی۔

مولانا سید محمد صدیقؒ :

مولانا سید محمد صدیق شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۳۳۱ھ میں مدینہ

منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ خود فرماتے ہیں۔ بھائی صاحب مرحوم نے گلستان کے تو شاید ایک دو سبق پڑھائے، مگر میزان منشعب خوب توجہ سے پڑھائی، جب دونوں خوب یاد ہو گئیں، تو پھر حکیم محمد حسن صاحب کے پاس مجھے بھیج دیا گیا۔(نقشِ حیات ص۵۵)

جو لوگ ازلی نیک بخت اور سعادت مند ہوتے ہیں۔ جن سے اللہ پاک کو علم دین کی خدمت کا کام لینا ہوتا ہے۔ ان کو بچپن سے اللہ پاک اعمال و اخلاق اور مربی و اساتذہ بھی ایسے عنایت فرماتے ہیں۔ جو رشد و ہدایت کے لئے سنگِ میل بن جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی علمی، سیاسی اور مذہبی عظمت کے پسِ منظر میں ان کی طالب علمانہ کاوشوں اور اساتذہ اور کتابوں کے ادب و احترام کو بھی بڑا دخل ہے۔

احقر نے بچپن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات دیکھے۔ ایک بات خصوصیت سے لوحِ دل پر نقش ہو گئی اور حرزِ جان بن گئی۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔ طالب علم تین باتوں کا التزام کر لیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں، ان کو علمی استعداد حاصل ہو جائے گی۔ وہ بالفعل مدرس، مقرر، محقق، مفتی اور مصنف بننے کی صلاحیت حاصل کر لیں گے۔

۱ ...... آج جو سبق پڑھنا ہو، اس کا پہلے سے مطالعہ کر لیا جائے۔ مطالعہ میں معلومات اور مجہولات میں تمیز کر لی جائے۔

۲ ...... سبق کا تکرار ضرور کریں۔

۳ ...... سبق میں حاضری ضرور دیں اور سبق کو سمجھ کر پڑھیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اپنے ایام طالب علمی کی داستان سُناتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے اس کا ہمیشہ التزام کیا کہ اسباق میں حاضری ضرور دیتا رہا اور حتی الوسع مقامِ درس میں سبق سمجھنے کی پوری جدوجہد کرتا تھا۔ میں نے ایام امتحان میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ رات کو کتاب ابتدا سے اخیر تک مطالعہ کرتا تھا اور تمام رات میں صرف ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم سوتا تھا۔ نیند کے دور کرنے کے لئے نمکین چائے کا انتظام کرتا تھا، جب بھی نیند غالب آتی، چائے پیتا، جس سے گھنٹہ دو گھنٹہ نیند جاتی رہتی۔ اس طریقہ پر عمل کرنے کی وجہ سے مجھ کو تحریری امتحان کی مشکلات پر غلبہ حاصل ہو گیا"۔

(نقشِ حیات ص۵۷)

ہمیں اپنے اکابر کی تاریخ پر نظر رکھنی چاہیئے۔ یہ عظیم تاریخ ہے۔ ان کے حالات و واقعات

بے حد نافع اور ذوقِ علم وشوقِ مطالعہ کی انگیخت میں مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ میں نے اپنے شیخ، اپنے محسن اور مربی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کو دیکھا، بڑھاپا ہے، ضعف وعلالت ہے، دو آدمی بمشکل اُٹھاتے بٹھاتے ہیں، مگر جس سال ہم نے دورۂ حدیث پڑھا۔ حضرتؒ باقاعدہ مطالعہ کا اہتمام کرتے تھے، حالانکہ حضرتؒ کو تمام مباحث یاد تھے حضرت مجھے اپنے بالاخانہ میں بلوا کر ترمذی کا متن پڑھواتے، جگہ جگہ حاشیہ سماعت فرماتے۔ کتاب المغازی میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرتِ المصطفیٰ کے متعلقہ مباحث ضرور مطالعہ فرماتے۔ مجھے ارشاد فرماتے! پڑھیے۔ میں نشان زدہ مقامات پڑھتا جاتا۔ حضرتؒ سُنتے جاتے۔ ہمارے اکابر کو جو عظمتیں ملیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے وسعتِ مطالعہ اور تکثیرِ مطالعہ میں اپنے لئے عملی راہیں متعین کرلیں۔ آج ہمارے پاس وقت ہے۔ وقت کی قدر کرتے ہوئے اپنے مقصد کو سامنے رکھیں اور مطالعہ کو دن رات کا مشغلہ بنالیں۔ تب ان شاءاللہ کامیابی قدم چومے گی۔

احترامِ اساتذہؒ، شیخ الہندؒ سے خصوصی تعلق

عشق ومحبت اور خدمت ومصاحبت

احترامِ اساتذہ کی برکتیں

حضرت مولانا محمد علی جالندھری صاحبؒ سُنایا کرتے تھے کہ ایک طالب علم بڑا ذہین تھا۔ اُسے اپنی ذکاوت وذہانت پر غرور کی حد تک ناز تھا۔ دوسرا طالب علم پڑھنے میں کمزور تھا، لیکن اپنے اساتذہ کا خدمت گذار اور عاشقِ زار تھا۔ جب بھی نماز کا وقت آتا، اپنے استاد کے لئے لوٹا بھرتا، استنجا کے لئے مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیلے لے آتا۔ ایک دفعہ اُس ذکی طالب علم نے اس کمزور طالب علم سے ازراہِ طعن کہا، چل چل تو کیا پڑھے گا؟ اُستاد نے یہ بات سُن لی، اُستاد بھی صرف اُستاد نہیں، ولی اللہ تھے۔ ان کو جوش آیا۔ اس ذہین طالب علم کو بلایا، فرمانے لگے، تیرا کیا خیال ہے یہ جو میرے استنجے کے لئے ڈھیلے بنا کر لاتا ہے، لوٹے بھرتا ہے، خدمت کرتا ہے، یہ یونہی بے کار جائیں گے؟ بس استاد نے صرف اتنی سی بات کہی پھر دنیا نے دیکھا کہ اپنی ذہانت پر اترانے والا نہ مدرس بن سکا، نہ مقرر اور نہ مصنف اور استاد کی خدمت کرنے والا اتنا مشہور مدرس بنا کہ ہر وقت اس کے پاس حصولِ علم کے لئے آنے والے تلامذہ کا ہم

غفیر جمع رہتا۔ یہ سب استاد کے احترام کی برکت تھی۔

اپنے استاد سے عشق و محبت :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بھی اپنے اساتذہ کا حد درجہ احترام کرتے۔ خصوصاً حضرت شیخ الہندؒ سے تو ان کو بے حد محبت، گرویدگی اور تعلقِ خاطر تھا۔ انہیں حضرت شیخ الہندؒ کی شاگردی پر فخر و ناز تھا، جب بھی اپنے اساتذہ کا تذکرہ کرتے، تو حضرت شیخ الہندؒ کا بڑے شاندار الفاظ سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے، بلکہ ہر مجلس اور ہر محفل میں کسی نہ کسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کے تذکرہ کی راہ نکال لیا کرتے تھے۔ شیخ الہندؒ سے عشق و محبت اور جذبۂ خدمت کی برکت تھی، بلکہ یہی سعادت مندی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے علم میں برکت ڈال دی تھی۔ پوری دنیا میں ان کے علم و فضل کا ڈنکا بجتا رہا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ :

اساتذہ سے عشق و محبت اور وارفتگی کی یہی جھلک احقر نے اپنے شیخ و مربی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ میں دیکھی۔ حضرت مدنیؒ کا نام آتا، تو احترام سے جھک جاتے تھے۔ گویا شیخ کے ہاتھوں کا بوسہ لے رہے ہیں۔ طبیعت میں کیف و مستی اور وجد و محبت کی شوخیاں آجاتیں اور زبان مبارک سے ارشاد فرماتے :

شیخنا و شیخ المسلمین، امامنا و امام المسلمین، مولانا و سیدنا شیخ العرب و العجم استاذنا و وسیلتنا حضرت مولانا سید حسین احمد نور اللہ مرقدہٗ۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت و مصاحبت کو کل وقتی طور پر اپنا لیا تھا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ جب مالٹا کی جیل میں قید ہوئے، تو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ شیخ الہندؒ مالٹا میں کیوں اسیر ہوئے؟ اسارتِ مالٹا اور اس کی وجوہات کیا تھیں؟ یہ ایمان بھری طویل داستان ہے۔ مگر یہاں یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہم نے تو شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے اپنے استاد شیخ الہندؒ سے محبت و عقیدت اور جذبۂ خدمت کے واقعات قارئین کے سامنے لانے ہیں تا کہ احترام و خدمت اساتذہ کا جذبہ پروان چڑھے۔

رفاقت زنداں :

حضرت شیخ الہندؒ نے جیل میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سمیت اپنے جانثاروں (حضرت شیخ

الہند کے ساتھ چار جانثار خادم تھے) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"انگریزی گورنمنٹ نے مجھ کو تو مجرم سمجھا ہے، تم تو بے قصور ہو۔ اپنی رہائی کی کوشش کرو، مگر تمام نے یہی جواب دیا، حضرت! جان چلی جائے گی، مگر آپ کی خدمت سے جدا نہیں ہوں گے" .... ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ایامِ اسیری میں صدمات:

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جب مالٹا میں اسیر تھے، تو آپ کے خاندان کے سات افراد فوت ہو گئے۔ فرید الوحیدی اپنی کتاب "شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک تاریخی و سوانحی مطالعہ" میں رقم طراز ہیں .... ؎

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہرگز
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

"شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے، تو بھرا پورا خاندان اور بسا بسایا گھر چھوڑ کر نکلے تھے۔ سفر صرف دو چار دنوں کا اور انتظام مختصر سی جدائی کا تھا، مگر مقدر کی بات کہ سفر طویل ہوتا گیا۔ گرفتاری ہوئی۔ مصر کی جانب روانگی ہوئی، سزا ہوئی۔ پھانسی کی خبریں گرم ہوئیں۔ مالٹا کی قید و اسارت پیش آئی۔ استاد کی قربت اور ان کی پدرانہ شفقت نے ہر مشکل آسان اور ہر مصیبت قابلِ برداشت بنا دی تھی۔ قید و بند کی سختیاں، صبر و شکر کے ساتھ جھیل رہے تھے۔

ایک دن کئی ہفتوں کی رکی ہوئی ڈاک ملی اور اس کے ہر خط میں کسی نہ کسی فردِ خاندان کی وفات کی خبر درج تھی۔ اس طرح ایک ہی وقت میں باپ، جواں سال بچی، ہونہار بیٹے، جانثار بیوی، بیمار والدہ اور دو بھاوجوں سمیت سات افراد خاندان کی موت کی جانکاہ خبر ملی۔ موت تو برحق ہے، مگر جن حالات میں اور جس مجبور ماحول میں یہ اطلاعیں ملیں تھیں، انہیں برداشت کرنے کے لئے پہاڑ جیسا کلیجہ چاہیئے تھا" .... ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر اک زندگی مستعار رکھتے ہیں

رضاوتسلیم کا عظیم سانحہ :

"یہ تو یاد نہیں کہ کس سے، مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ گھر میں بزرگوں سے راقم الحروف نے اس وقت کی چشم دید کیفیت سُنی ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ مولانا وحید احمد نے مالٹا سے واپسی پر اہل خاندان کے سامنے اس واقعے کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ظہر کی نماز کے بعد حضرت مدنی" حسبِ معمول حفظِ قرآن میں مشغول تھے کہ مولانا وحید احمد نے ڈاک لا کر دی۔ خدا ہی کو علم ہے کہ دل میں کیا خطرہ گذرا ہوگا۔ قرآن بند کیا اور خطوط پڑھنے شروع کیے۔ ہر خط کے ختم پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ایک ایک کر کے سارے خطوط ختم کیے۔ زیرِ لب انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر ٹھیک اس طرح جیسے دس منٹ پہلے مشغول تھے، دوبارہ حفظ میں مصروف ہو گئے۔ قرآن پاک کی آیت **اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله و انا اليه راجعون** کی اس سے اچھی تعبیر صحابہ کرامؓ میں تو ضرور ہی ملتی ہوگی۔ آج کے زمانے میں تو نہ کانوں سے سُنی، نہ آنکھوں سے دیکھی، بھتیجا وحید احمد گھر والوں کی خیریت و حالات اور خوش خبریوں کے شوق و انتظار میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا، مگر خط دیتے تو کیا کہہ کر دیتے اور بتلاتے تو کس کلیجے سے بتلاتے کہ جن پیاری اور شفیق ہستیوں کی خیر و خبر کے تم منتظر ہو، وہ ہمیشہ کے لئے رُخصت ہوئیں اور جس گھر کے حالات تم سننا چاہتے ہو، وہ گھر سدا کے لئے اُجڑ گیا"۔

(مولانا حسین احمد مدنی" ایک تاریخی وسوانحی مطالعہ ص ۱۹۸ تا ۲۰۰)

جیل میں قرآن یاد بھی کیا اور شیخ الہند" کو سُنا بھی دیا :

شیخ الاسلام حضرت مدنی" اپنے محبوب استاد حضرت شیخ الہند" کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہے۔ خصوصاً مالٹا کی جیل میں جی بھر کر دن رات خدمت کر کے اپنے استاد کے مواہب و کمالات کشید کر لیے۔ حضرت مدنی" مالٹا کی جیل کی رفاقتوں کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"مجھ کو زمانہ طالب علمی ہی سے شوق تھا کہ قرآن مجید حفظ کر لوں، مگر بد قسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہیں ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی۔ مدینہ منورہ میں بڑی مشکلوں سے سورہ بقرہ اور آل عمران کئی دفعہ یاد کیں، مگر سنبھال نہ سکا اور بھول گیا۔

جب طائف پہنچا، پھر اس کو دہرایا اور سورہ نسآء، المائدہ اور الانعام یاد کر لیں، مگر جب مکہ آنا ہوا، پھر بھول گیا۔ کثرتِ اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑھتا یا ان ہی کی حفاظت کرتا۔ مالٹا پہنچ کر پھر از سر نو شروع کیا۔ چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاوّل سے آخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے۔ چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد ڈھائی گھنٹے یا اس سے بھی کم ملتا تھا۔ اس لئے زیادہ یاد نہ ہو سکا۔ جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا۔ حضرت الاستاذ شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ نوافل میں سُنانا چاہیئے۔ چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد نوافل میں سُنا کرتے تھے۔ (تراویح الم ترکیف سے ہوا کرتی تھیں، کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک کھڑے نہیں ہو سکتے تھے) رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کر دیا، مگر اس مدت میں مدینہ منورہ میں والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور دیگر کنبہ والوں کے رنج دہ واقعات نے تشویش بہت زیادہ کی۔ تاہم فضل و کرمِ خداوندی سے تقریباً دس ماہ میں ماہِ صفر تک پورا قرآن ختم ہو گیا، پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور دوسرے رمضان شریف میں حضرت شیخ الہندؒ نے سُن لیا''۔

بعض واعظین اور خطیب حضرات زیبِ داستان کے لئے آپؒ کے حفظ القرآن کے قصہ کو صرف ماہ مبارک کا واقعہ بتاتے ہیں، جو سراسر غلط اور کذب ہے۔ یہ ایک ماہ میں یاد نہیں ہوا، دس ماہ میں ہوا اور یہی حقیقت ہے۔

شیخ الہندؒ کی خدمت 'فریضہ' منصبی سمجھا:

''مالٹا میں دن رات برفیلی ہوائیں چلتی تھیں۔ رات کو باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدّوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے، مگر دو ڈھائی بجے رات کو شدتِ سردی کی وجہ سے نہ نیند آتی اور نہ اُٹھنے کی ہمت ہوتی۔ صبح کے وقت مجبور ہو کر نماز کے لئے اُٹھنا پڑتا تھا تو خیمے سے سر نکالنا ایک عذاب الیم کا سامنا ہوتا تھا۔ سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا کہ جسم کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

عرب کیمپ میں پختہ کمروں اور مکان میں قیام ہوا اور خیموں سے نجات ملی۔ تاہم

مالٹا کی شدید سردی میں حضرت شیخ الہندؒ کے لئے چوبیس گھنٹے گرم پانی کا انتظام رکھنا ضروری تھا۔ دن میں تین مرتبہ ناشتے میں اور صبح وشام کھانے کے بعد چائے بنتی تھی۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ملاقاتیوں اور دوسرے کیمپوں سے حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے قیدیوں کے لئے چائے وغیرہ کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا۔ روزانہ علی الصبح ناشتہ تیار کرنا اور دونوں وقت کھانا پکانا کافی مشقت طلب مشغولیتیں تھیں۔ تمام ضروری خدمتوں کو انجام دینا میرا فرضِ منصبی تھا۔ ہر کام کی باگ ڈور میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ دوسرے رفقاء نے بسا اوقات معارضہ کیا اور کاموں کے بعض یا اکثر حصے اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش کی۔ بعضوں نے نوبت مقرر کرنے کی خواستگاری کی، مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرضِ منصبی میں آپ لوگوں کو دخل نہیں دینا چاہیے"۔

(اسیر مالٹا ص ۷۹)

چُھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا:

سیدی و مرشدی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت مدنیؒ کی جامع سوانح "چراغِ محمدؐ" کے نام سے لکھی۔ اپنی کتاب میں حضرت قاضی صاحبؒ موصوف لکھتے ہیں:

"اپنے شیخ حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ جب حضرت مدنیؒ مالٹا سے ہندوستان تشریف لائے، تو یہاں کے حالات و واقعات کا نقشہ سراسر بدل چکا تھا۔ حضرت مدنیؒ جب گرفتار ہوئے تو وطن آباد تھا۔ خاندان پھیلا پھولا ہوا اور آباد تھا۔ باپ بھائی بھاوجیں اہل وعیال اور گھر بار اطمینان و عافیت سے آباد تھے۔ زندگی کا چمن سرسبز و شاداب تھا۔ اب ساڑھے تین برس کے بعد رہا ہوئے تو وطن لٹ چکا تھا۔ گھر اور خاندان اُجڑ گیا تھا۔ ماں باپ اہل وعیال ختم ہو چکے تھے۔ چالیس بیالیس سال کی عمر تھی۔ گھر تھا، نہ در تھا، نہ خاندان باقی رہا تھا، نہ اہل وعیال زندہ بچے تھے" .... ؎

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

جذبات نہیں، شرعی احکامات مقدم ہیں :

حضرت مدنی ؒ نے اپنا بچپن بطورِ خاص خادم کے حضرت شیخ الہند ؒ کی حویلی میں گذارا تھا۔ جس میں آپ سے پردہ وغیرہ نہ ہوتا تھا۔ مالٹا سے واپسی پر دیوبند کی حاضری کے وقت حضرت شیخ الہند ؒ کی اہلیہ محترمہ نے حضرت شیخ الہند ؒ سے اجازت طلب کی کہ دل چاہتا ہے حسین احمد کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کروں۔ شیخ الہند ؒ نے فرمایا، میرا دل نہیں چاہتا کہ تم حسین احمد سے پردہ کرو، اگر میرا کوئی بیٹا ہوتا، تو اتنی خدمت نہ کرتا، جتنی انہوں نے کی ہے، مگر بہر حال شرعی طور پر سامنے آنے کی اجازت نہیں ہے۔

حکمِ شیخ کی تعمیل کو ترجیح دی :

حضرت شیخ الہند ؒ نے شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کو کلکتہ جانے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ خدمت میری خدمت سے زیادہ اہم اور بامقصد ہے۔ آپ نے بادلِ نخواستہ حکم کو ترجیح دی اور کلکتہ روانہ ہو گئے۔ شیخ الہند ؒ کے حقیقی بھتیجے مولانا راشد حضرت مدنی ؒ کو کلکتہ روانہ کرنے کا چشم دید حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> ''حضرت شیخ الہند ؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آپ نے حضرت مدنی ؒ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے تمام جسم پر پھیرا اور دعائیں دے کر خدا حافظ کہا۔ حضرت مدنی ؒ جانے کے لئے مڑے، پانچ دس قدم چلے تو استاد نے شاگرد کو آواز دی سینے سے لگایا، سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا جاؤ، تم کو اللہ کے حوالے کیا۔ اس وقت ماحول پر عجیب کیفیت طاری تھی اور حاضرین خاص قسم کی برکات و فیوض کا وجود محسوس کر رہے تھے۔ اہلِ تصوف اپنی اصطلاح میں ایسے مواقع کو نسبتِ خصوصی کی منتقلی کا لمحہ بیان کرتے ہیں''۔

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے :

حضرت مدنی ؒ کی جو کیفیت تھی۔ وہ بیان نہیں ہوسکتی کہ جس آقا کی خدمت میں سب کچھ نثار کر دیا۔ اب ان کو بسترِ علالت پر نہیں بستر رحلت پر چھوڑ کر جانا بہت مشکل تھا، لیکن عاشق حکم کا غلام ہوتا ہے۔ وہ بزبانِ حال وقال کہتا ہے ....

ہجر اچھا ہے نہ عاشق کو وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

کچھ ایسا ہی منظر یہاں بھی تھا۔ جب حضرت مدنی ؒ کلکتہ روانہ ہوئے ...

بعد حضرت شیخ الہندؒ وصال فرما گئے ۔ حضرت مدنیؒ کو وفات کی اطلاع دی گئی۔ حضرت مدنیؒ خود فرماتے ہیں :

''میں صبح کو تقریباً ۹ بجے دیو بند پہنچا، حضرت شیخ الہندؒ کے درِ دولت پر پہنچا، تو دیکھا کہ لوگ دفن سے فارغ ہو کر واپس آ رہے ہیں ۔ اپنی بد قسمتی اور بے چارگی پر انتہائی افسوس ہوا کہ باوجود سالہا سال حاضر باشی کے شرف کے آخری وقت میں نہ وفات کے وقت حاضر رہا اور نہ دفن میں شرکت کر سکا، کلیجہ پکڑ کر رہ گیا'' ۔ (نقشِ حیات ج ۲ ص ۲۷۲)

حاضری کی رُت بدلی ہوئی تھی :

قارئین ! اس کیفیت و حالت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، جو ایک ایسے جانثار، محب اور عاشق زار کو اس وقت پیش آئی ہو گی ۔ جس نے اپنی اولاد، اپنا خاندان، اپنا آرام، اپنی جوانی جس ذات کے لئے وقف کر رکھی تھی، نہ تو اس کے آخری غسل میں شریک ہو سکا، نہ تجہیز و تکفین اور نہ نمازِ جنازہ میں ۔

اردو کے ایک شاعر کی مندرجہ ذیل رباعی ایسی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے ...... ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل تھا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اِک شور تھا غُل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

یہ شعر بھی مناسبِ حال ہے .... ؎

وائے ناکامی نہ پوچھو عاشقِ دل گیر سے
ایک دل رکھتا تھا وہ بھی چھن گیا تقدیر سے

(تلخیص چراغ محمد ۱۳۸ تا ۱۴۲)

اب حاضری کی رُت بدلی ہوئی تھی ۔ قسمت پلٹی ہوئی تھی ۔ دکان معرفت و مکتب علم و عرفاں بند ہو چکا تھا ۔ مطبِ روحانی اُجاڑ تھا ۔ شفا کے بجائے حسرتِ شفا' دوا کی جگہ یاد اور مکین کے عوض صرف مکان ...... ؏ بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

بھنگی کے بجائے خود نالی صاف کر دی :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی نیاز مندی اور سعادت مندی کی شان یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت

شیخ الہندؒ کے یہاں سے کسی نے فرمائش کی کہ بھنگی سے نالی صاف کرادو۔ بھنگی نہیں ملا، مگر نالی صاف ہو کر دُھل بھی گئی۔ حضرت مدنیؒ نے اپنے ہاتھوں سے نالی کی گندگی اور کیچڑ کو صاف کیا۔ یہ واقعہ طالبانِ علومِ نبوت کے لئے باعثِ موعظت ہے۔ علم تب حاصل ہوتا ہے، جب اساتذہ کے حقوق و آداب کی رعایت کی جائے۔ علم وحفظ کے لئے تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ اساتذہ وشیوخ کی خوشنودی حاصل کرنا ازحد ضروری ہے کہ ان کی دعائیں موجب ترقی علم ہوتی ہیں۔

بدن کی حرارت سے پانی گرم کرنا :

حضرت مدنیؒ نے زمانۂ اسارت میں حضرت استاد کی وہ خدمت کی کہ جس کی نظیر و مثال ممکن نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ معمر اور مریض تھے۔ ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے تکلیف ہوتی تھی اور مالٹا میں بلا کی سردی پڑتی ہے، مگر گرم پانی کہاں سے آئے۔ حضرت استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کے لئے مولانا مدنیؒ عشاء اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد برتن میں پانی ڈال کر پیٹ سے لگا کر ساری رات بیٹھے رہتے اور تہجد کے وقت بکمال ادب واحترام استادِ محترم کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ بہت عرصہ کے بعد منتظمین جیل نے گرم پانی کا اہتمام کیا تو مولانا مدنیؒ کو استاد کی اس خدمت سے محروم ہونا پڑا۔

(بیس بڑے مسلمان)

شیخ الہندؒ کی خدمت کی برکتیں :

مولوی ہدایت اللہ میاں چنوں ضلع ملتان راوی ہیں کہ میں نے حضرت مدنیؒ سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت! آپ ساڑھے چار سال حضرت شیخؒ کی خدمت میں رہے کہ آپؒ کی اس صحبت میں کوئی دوسرا حائل ہونے والا نہیں تھا؟ آپؒ نے اس دوران میں بہت کچھ حاصل کیا ہوگا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے :

"مولوی صاحب! میں نکما تھا، کچھ حاصل نہیں کر سکا، میں نے پھر بار بار عرض کیا تو فرمایا کہ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ میں نے نیند پر قابو پالیا۔ اب جب خیال آئے، سو جاتا ہوں اور جس وقت اُٹھنا چاہوں، بیدار ہو جاتا ہوں۔ پانچ دس منٹ کے لئے بھی سو سکتا ہوں، ارادہ کروں تو نیند آجاتی ہے اور اس قسم کی بہت سی حکایتیں حضرت مدنیؒ کے متعلق مشہور ہیں کہ کسی جگہ گئے، وہاں پانچ دس منٹ فرصت ملی، سو گئے، اور خود بخود اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بہر حال نہ صرف نیند پر قابو پانا یہ حضرتِ استادؒ کی خدمت کرنے سے حاصل

ہوا، بلکہ معرفت کے وہ دریا ہضم کئے ہوئے تھے، جس کا ایک جرعہ بھی بے خود کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان)

حضرت نانوتویؒ کا ارشاد :

طالبانِ علوم نبوت کے لئے فرضِ عین ہے کہ وہ اساتذہ کا ادب کریں۔ تمام وسائط علم قرآن، حدیث، فقہ اور حتیٰ کہ سیاہی کا بھی ادب ہو۔ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے، سنت اللہ ہے کہ بے ادبی سے آدمی علم سے محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے علم کی، دین کی، قرآن کی، حدیث کی فقہ و منطق کی اور ساتھ ساتھ شہرت و عزت کی جو دولت ہمارے اکابر حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو عطا فرمائی تھی، وہ اس کے خزانے میں اب بھی بھرپور موجود ہے، لیکن ....

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پر مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

☆ ☆ ☆

”شیخ الہندؒ کا جانشین“

”اساتذہ سے تحصیلِ علم، کسبِ فیض، صحبت، عقیدت وخدمت اور جذبۂ جاں سپاری وجاںنثاری کے روح پرور، ایمان افروز اور حیرت انگیز واقعات' شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی سوانح کا دلچسپ ترین حصہ ہیں، مگر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے وارفتگی، گرویدگی، عشق ومحبت اور جذبۂ خدمت واطاعت، فنائیت اور تکمیلِ مشن کی بات تو اپنی مثال آپ ہے، استاد ہر ایک قابلِ احترام مگر مقتدا وپیشوا اور معتمد ومحبوب ایک ہی ہوتا ہے۔ **الابّ واحد والاعمام شتی** یعنی والد ایک اور چچے بے شمار، مگر جو رُتبہ ومقام والد کا ہوتا ہے، وہ انہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ فطری تعلق ہوتا ہے، چچے ہزار رتبہ ومقام پائیں، مگر والد کی عظمت ومقام اور سروری کا مقام نہیں پا سکتے۔

کچھ اسی نوعیت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ تھا۔ اسی تعلقِ خاطر ہی کے پیش نظر وہ حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین قرار پائے۔ اپنے شفیق، مخلص ومہربان اور نادیدہ دوست حضرت مولانا سعید الرحمٰن علوی مرحوم نے اس حوالے سے ایک دلچسپ مضمون تحریر فرمایا تھا۔ ذیل میں وہی تحریر ماہنامہ ”الحق“ اکوڑہ خٹک کے حوالہ اور شکریہ کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔

احقر نے انہیں اپنا شفیق ومہربان اور نادیدہ دوست اس لئے لکھا کہ مولانا سعید الرحمٰن

علوی مرحوم نے اپنے حینِ حیات احقر کی طالبعلمانہ کاوشوں پر بھی ''حقانی کتابیں'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی جو اولاً مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور پھر القاسم اکیڈمی سے چھپتی رہی ہے، حالانکہ میری نہ تو ان سے با قاعدہ شناسائی تھی اور نہ ملاقات اور نہ کوئی دوسرا رشتہ، اس لئے میں نے انہیں اپنا شفیق، مخلص ومہربان اور نادیدہ دوست لکھا۔ ذیل کی تحریر خلوص ومحبت، عشق و اطاعت اور علم و استدلال کا ایک حسین مرقع ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے اس متن کی تکوینی تشریح ہے، جو قدرت نے ان کے قلم اعجاز رقم سے لکھوا دیا تھا کہ ......

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کردیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

سنا ہے کہ یہ شانِ مولانا محمود حسن شیخ الہند دیوبندیؒ کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق اُن (حضرت مدنیؒ) سے زائد کسی کو نہیں پہنچتا، فرصت میسر آئی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی کی آتی اور ایک مختصر المعانی پر کئی مفصل اور مطوّل تیار ہو جاتے'' ......

ع سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کیلئے

سوزِ رومیؒ اور پیچ وتاب رازیؒ کا حسین امتزاج :

قطبِ زمان، امام الحرّیہ، وارث علومِ قاسمی ورشیدی، اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ جیسی یگانۂ روزگار شخصیتیں سالوں نہیں قرنوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اس قسم کے لوگ اپنی حیاتِ مستعار کے لمحات کو لہو ولعب میں ضائع نہیں کرتے بلکہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو مرضی و منشاءِ الٰہی کے مطابق گذار کر اپنے عظیم تر ہونے کا نقش جریدہ عالم پر ثبت کر کے اس جہانِ رنگ و بو سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

اُمّتِ محمدیہ علی صاحبها السلام و التحیة چونکہ ''خیر اُمت'' ہے اور اس شرف و کرامت کا سبب ''اُخرجت للناس'' کی قرآنی حقیقت ہے۔ اس لئے آقاءِ مکی ومدنی کے سچے جانشین اور وارثانِ علومِ نبوت از مہد تا لحد انسانیت کی اصلاح وفلاح کیلئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں، ان کا مطمح نظر خلقِ خدا کی بہتری ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے خداداد علم وعمل اور فکر وعقل سے بندگانِ خدا کو فائدہ

پہنچانا اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بہبودیٔ خلقِ خدا کے لئے وقف کرنا ہی کارِ خیر سمجھتے ہیں۔ خدا کی مخلوق کا غم ہوتا ہے، اور وہ اس غم میں ناتواں ہڈیوں تک کو پگھلا دیتے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر ڈالیں، سوز و سازِ رومی اور پیچ و تابِ رازی کا ایک حسین امتزاج نظر آ جائے گا۔

شمعِ محمودی کے پروانے :

قصبہ دیوبند کی جامع مسجد میں درختِ انار کے نیچے قائم ہونے والے مکتب کے پہلے طالب علم کی حیثیت سے لے کر اسی مدرسہ کے صدر مدرس، شیخ الحدیث اور آخر میں اسیرِ فرنگ ہونے تک جتنے مراحل آپ کے سامنے آئیں گے، ان کی پشت پر ایک ہی جذبہ نظر آئے گا، یعنی بحکمِ خدا مخلوقِ خدا کی صلاح و فلاح! حقیقت یہ ہے کہ آپ جس راہ سے گذرے اپنی ایمانی شعاعوں سے ایک دنیا کو منور کر گئے۔ دیوبند کی مسندِ تدریس سے لے کر اسارتِ فرنگ تک مراحل پر ایک نظر دوڑایئے کتنے ہی پروانگانِ شمعِ محمودی آپ کو نظر آئیں گے، جو اپنے اُستاذ الشیخ و مربی اور قائد و رہنما کے سانچے میں ڈھل کر اسی طرح سرگرمِ عمل ہیں، جس طرح خود استاذ و شیخ !

شیخ الہندؒ الہامی لقب :

ملّتِ اسلامیہ کی نفع رسانی اور ان کے غموں میں گُھلنے کے انہی جذباتِ صادقہ کو معبودِ حقیقی نے اپنی بارگاہِ صمدیت میں یوں مقبول و منظور فرمایا کہ ملائکۃ اللہ کی وساطت سے ہند و بیرونِ ہند کی دنیا کے دلوں میں کچھ اس قسم کی خواہش پیدا فرما دی کہ پوری دنیا بیک زبان آپ کو "شیخ الہند" کے لقبِ گرامی سے یاد کرنے میں ہی ذہنی اور قلبی سکون محسوس کرتی ہے اور اصل نام اس "الہامی لقب" کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔**

حضرت العلامہ السید محمد انور شاہ قدس سرہٗ کے قابلِ فخر شاگرد اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم روحانی پیشوا استاذی مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی قدس سرہٗ اس لقب کو الہامی لقب فرماتے تھے۔

رجالِ علم :

دوسری حیثیتوں سے قطع نظر صرف اپنی تدریسی زندگی کی وساطت سے حضرت شیخ الہندؒ نے ایک دنیا کے لئے نفع رسانی کا جو سامان مہیا کیا، اگر اسی پر گفتگو کی جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔ صحاحِ ستہ بالخصوص بخاری شریف اور ترمذی شریف کے درس کے دوران جس فراخ دلی سے آپ نے علمی جواہر

ریزے بکھیرے وہ کیا کم احسان ہے کہ پھر آپ نے ابوابِ بخاری اور بعض مشکل ترین فقہی مسائل پر معرکۃ الآ راء رسائل لکھے جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کی بین الاقوامی ضرب المثل کی واقعاتی تفسیر ہیں۔

دیگر بہت سے علمی و دینی، قومی و ملی اور سیاسی احسانات کی طرح سب سے بڑھ کر آپ کا یہ احسان تا قیامِ قیامت امت کی گردن پر رہے گا کہ آپ کے حلقۂ درس سے وہ ''رجالِ علم'' سامنے آئے، جن کے تحقیقی علم کے سامنے ایک دنیا سرنگوں ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ ساقی کی نگاہِ کرم کے صدقہ کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب آسمانِ علم و تحقیق پر جگمگا رہے ہیں۔

اخلاقِ نبویؐ کے مجسم نمونے:

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، سند المحدثین حضرت کشمیریؒ، ابوحنیفۂ ہند مفتی کفایت اللہؒ، امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ، شارح مسلم حضرت عثمانیؒ، قائدِ قافلہ حریت مولانا منصور انصاریؒ، شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ، امام المبلغین مولانا محمد الیاسؒ، امام المعقولیین مولانا محمد ابراہیمؒ و مولانا رسول خانؒ، مولانا عبدالصمد کرت پوریؒ، مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ اور مادرزاد ولی سید اصغر حسینؒ۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے حضرات اپنی مثال آپ تھے، ان کی زندگیاں سراپا دین و علم تھیں، یہ لوگ اخلاقِ نبوی ﷺ کے مجسم نمونے اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سوانحِ مقدسہ کی چلتی پھرتی تصویریں تھیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تعلیم و تربیت کے صدقے ایسے لوگ آخر کیوں نہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے، جبکہ فقیہِ عصر قطبِ عالم مولانا گنگوہی قدس سرہٗ آپ کو ''علم کا کٹھلا'' قرار دیتے۔

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۶۶)

صدیقی نسبت:

لیکن ان سب حضرات میں سے استاذ العرب والعجم، مہاجرِ مدینہ، وارث علوم قاسمی شیخ الاسلام السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو حضرۃ شیخ الہندؒ سے وہی نسبت ہے، جو (بلا تشبیہ) خلیفۂ بلا فصل، مزاج شناسِ نبوت، جانشینِ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام الاوّلین والآخرین خاتم النبیین سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یہ رائے ہے آپ کے ایک ہم عصر و رفیقِ درس حضرت میاں اصغر حسین قدس اللہ سرہٗ کی، جس کا اظہار انہوں نے ''حیاتِ شیخ الہندؒ'' میں کیا ہے۔

میاں اصغر حسین کا اعترافِ عظمت :

حضرت میاں صاحبؒ کوئی معمولی انسان نہ تھے، وہ ایک مادر زاد ولی، علوم واخلاقِ نبوت کے پیکر اور سلاسلِ اربعہ کے سلوک وتصوف کی عملی تفسیر تھے۔ ساتھ ہی وہ شیخ مدنیؒ کے رفیقِ درس وہم عصر بھی تھے۔ "معاصرانہ چشمک" کی حقیقت سے آگاہ دنیا ایک کی رائے دوسرے کے متعلق پڑھ کر جہاں اہل حق کی بے غرضی اور اعترافِ حق کی قائل ہو جائے گی، وہاں دنیا یہ بھی تسلیم کرے گی کہ کسی کی واقعی خوبیوں کا اعتراف بڑے لوگوں کا کام ہے۔ میاں صاحب نے اپنے ساتھی کی "معراج" کا بڑی سادگی اور خلوص کے ساتھ اعتراف واظہار فرمایا ہے اور بلاشبہ یہ ایک اتنی وقیع رائے ہے کہ اس کے بعد مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں۔

اگر میاں صاحبؒ کے اس مختصر ارشاد کا سرسری تجزیہ کیا جائے، تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ شیخ الہندؒ وشیخ الاسلامؒ میں واقعی وہی نسبت ہے، جو پیغمبر وجانشینِ پیغمبر میں !

سیرتِ صدیق رضؓ کی روشنیاں :

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دعویٰ نبوت ورسالت کے ابتدائی مرحلوں میں بغیر کسی تحقیق وتفحص کے آپ کو نبی برحق تسلیم کیا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجھہ بچہ تھے اور آپؐ کی تربیت میں تھے۔ جناب زیدؓ علیہ الرضوان غلام تھے، اور آپؐ کے جود وکرم کا مورد! سیدتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا، واقعۂ تجارت سے متاثر ہو کر آپؐ کے حبالۂ عقد میں آئی تھیں اور اب اس واقعہ کو پندرہ (۱۵) سال بیت چکے تھے۔ بیوی کی حیثیت سے انہوں نے آپؐ کو بڑے قریب سے دیکھا تھا، پھر ان کے لئے سب سے بڑی شہادت جناب ورقہ بن نوفل کی تھی، جنہوں نے کتب سماوی کی روشنی میں آپؐ کے نبی ورسول ہونے کی تصدیق کر کے جناب حضرت خدیجہؓ کے لئے سامانِ اطمینان فراہم کیا، لیکن جناب صدیق اکبرؓ کسی طرح آپ کے زیر اثر نہ تھے، صاحبِ ثروت اور متمول انسان تھے، معاشرہ ان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ رفاقت وخلّت کا ثبوت البتہ موجود ہے، ایسے میں بلاچون وچرا آپؐ کو نبی برحق تسلیم کر لینا دراصل ازل سے مقرر شدہ لقب گرامی صدیق اکبر کا اپنے کو اہل ثابت کرنا نہیں تو اور کیا تھا؟

سفرِ معراج کے بعد آپؓ ہی کی ذاتِ گرامی تھی جس نے تفصیلات دشمن کی زبان سے سن کر آمنّا وصدقّنا...... کہا اور یوں دشمن کے منہ پر زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ اس کے بعد دیکھیں، جان سپاری

اور سرفروشی کے باب میں جو سعادتیں ''صدیق'' کو میسر آئیں، وہ کسی دوسرے کا مقدر کہاں؟ حلقۂ کفر کے نرغہ سے **اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ**، (کیا تم لوگ ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے) کہہ کر آپ کو کافروں سے چھڑانا، لیکن خود تختہ مشق بن جانا اور ذرا سے ہوش کے بعد آپ کو دیکھے بغیر دودھ پینے سے انکار کر دینا محض ایک واقعہ ہے، نہ معلوم اس قسم کے کتنے واقعات سے سیرتِ صدیق جگمگا رہی ہے۔

ہجرت کی رات اور پھر غارِ ثور میں قربانی کا جو ریکارڈ آپؓ نے قائم کیا، چراغِ رُخِ زیبا لے کر اس کی مثال تلاش کرو۔

سب کچھ محبوب کے قدموں میں نچھاور کر دیا :

اپنی محبوب بیٹی پیغمبر ﷺ کے حبالۂ عقد میں دے کر خاندانی تعلقات قائم کرنا اور محبوبِ خدا کے قلبی سکون کا سامان مہیا کرنے کی سعادت کس کو نصیب ہوئی؟ مال خرچ کرنے کا وقت آیا تو کون تھا جس نے اہل خانہ کیلئے خدا اور اس کے رسول کے نامِ پاک کی عظمت و برکت چھوڑ کر سب کچھ محبوب کے قدموں پر نچھاور کر دیا؟ ۹ ھ میں پیغمبرِ خدا نے ہزاروں پروانگانِ شمع رسالت کی موجودگی میں حج جیسے اہم ترین دینی و ملی فریضہ کی سربراہی کیلئے صدیق اکبرؓ کو ہی چنا اور حیاتِ مستعار کے آخری لمحات میں امامتِ صغریٰ (نماز) کیلئے جس قدسی الاصل کو مصلیٰ پر کھڑا کر کے بالواسطہ اس کی امامتِ کبریٰ (خلافت) کا اعلان کیا تو وہ بھی صدیق اکبرؓ ہی تھے اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو عائشہ طاہرہؓ کے حجرہ میں محبوب کے قدموں سے سر ملا کر ابدی نیند سو کر رہتی دنیا تک باہمی انس و محبت اور نسبتِ باطنی کی سعادت اُنہیں نصیب ہوتی ہے .... ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

سیرتِ صدیق کی ان سرسری جھلکیوں کے بعد محمد کریم علیہ الصلوۃ و التسلیم کے دو غلاموں اور سیدنا صدیق علیہ الرضوان کے دو خادموں کی سیرت پر اچٹتی سی نظر ڈالو، شیخ الہندؒ و شیخ الاسلامؒ کے تعلقات میں ایک طرف بزرگانہ شفقت اور اعتماد کا لامتناہی سلسلہ ہے، تو دوسری طرف سرفروشی و امتثالِ امر کے نہ مٹنے والے نقوش ہیں، وہاں نبوت و صداقت کا معاملہ ہے، ایک خاتم النبیین ہے، تو دوسرا افضل الصحابہ، یہاں استاذ و شاگرد اور خادم و مخدوم کا تعلق ہے، محمد عربی ﷺ اور محمود حسنؒ میں وہی فرق ہے،

جو نبی اور اُمتی میں ہوتا ہے اور صدیق و حسین احمد میں وہی فرق ہے، جو صحابی و غیر صحابی میں لابدی ہے، لیکن سنن نبویہ اور عظمتِ صدیق کے پاسبانوں نے باہمی نسبت و تعلق کی جو روایات چھوڑیں، ان پر جی جان سے مر مٹنا ہی سعادت ازلی کی دلیل ہے۔

شیخ الہندؒ کے گھر کا فرد :

ان ارشادات کے بعد حضرت میاں اصغر حسینؒ کی رائے کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں۔ تو یہ تو میرے دل میں ہے، والی بات بن جائے گی۔ ذرا اندازہ فرمائیں حسین احمدؒ کو بچپن میں ہی مادرِ علمی دیو بند پہنچا دیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس وقت صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہونے کے علاوہ مجموعی طور پر تعلیمی اُمور کی نگرانی کے تنِ تنہا ذمہ دار ہیں ایسے میں چھوٹی کتابیں اور وہ بھی صرف ایک طالب علم کو پڑھانا سمجھ آنے والی بات نہیں، لیکن مادرِ علمی کے در و دیوار گواہ ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ہزار مصروفیتوں کے علی الرغم اس گوہرِ نایاب اور آبگینۂ صافی کو ابتداء ہی سے اپنی تربیت میں لے لیا۔ بسم اللہ خود کرائی، صرف میر جیسی چھوٹی کتابیں خود پڑھائیں۔ حضرت مدنیؒ کو سب سے زیادہ عرصہ آپ ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقعہ ملا۔ صرف و نحو اور منطق و فلسفہ سے لے کر حدیث و تفسیر تک ہر فن کی چھوٹی بڑی متعدد کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں، استاد نے گھر کا فرد بنایا اور حسین احمدؒ نے کمالِ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے استاذ کے بیت الخلاء تک کی صفائی کی۔

گنگوہیؒ اور امداد اللٰہی نسبتیں :

تعلیم سے فراغت کے بعد نسبتِ باطنی کیلئے خادم عرض کرتا ہے، تو مخدوم قصداً گنگوہ کا حکم دیتے ہیں تو بلا چون و چرا اس رشکِ جنت کی طرف چل دیتے ہیں۔ حضرت قطب گنگوہؒ نے جس اعزاز سے آپ کو خلافت دی، وہ بقول مولانا عاشق الٰہی مرحوم (سیاسی مخالف بھی ہیں) کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ (تذکرۃ الرشید)

پھر یہ سعادت بھی تو آپ ہی کے مقدر میں تھی کہ خانقاہ گنگوہ کے علاوہ ساقی گنگوہ کے حکم سے ہی امداد اللٰہی گھاٹ پر آپ پہنچتے ہیں اور وہاں بھی جامہائے عشق و محبت سے سیرابی حاصل کرتے ہیں اور جب یہ دونوں ساقی (حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ) دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو مالٹا کی تنہائیوں میں نسبتِ اکابرؒ کو پختہ تر کرنے کا موقعہ پھر شیخ الہندؒ کے قدموں میں ملتا ہے۔

مولانا نجم الدین اصلاحیؒ کا تجزیہ :

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر جامع مکاتیب مولانا نجم الدین اصلاحیؒ کا یہ تجزیہ کتنا درست ہے کہ :

''حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی ذات حکمتِ قاسمی، زہدِ گنگوہیؒ، فراستِ محمودیؒ اور امدادِ الٰہی عرفان کا وہ سنگھم تھی جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کی پوری تاریخ کو زندہ کیے ہوئے تھی''۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۴۳)

آپ کا قیام مدینہ میں بھی حضرت شیخ الہندؒ کے اشارۂ ابرو کے پیشِ نظر رہا، اس دوران ایک طرف آپ صاحبِ قبرِ انور، قاسم علوم ومعارف سلام اللہ وصلاتہ علیہ کی زیارت سے بار بار مشرف ہوکر علوم وآگہی کی وہ منزلیں طے کرتے ہیں کہ باید وشاید (تفصیل نقشِ حیات میں ہے)

حسین احمد تنہا سب کا جواب دیتے ہیں :

تو دوسری طرف اسی محبوبِ خدا کی نگاہِ کرم گستر کے زیرِ نگرانی رہ کر قرآن وسنت کے علوم و معارف چاردانگ عالم میں پھیلاتے ہیں، جیسا کہ عرض کیا یہ قیام حضرت شیخ الہندؒ کے اشارۂ ابرو کا نتیجہ تھا۔ دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ دیوبند میں عصر کے بعد کی مجلس میں اساتذہ وطلبہ کی موجودگی میں حضرت الامام السید محمد انور شاہؒ استاذِ مکرم سے عرض کرتے ہیں کہ سید حسین احمد کو یہاں بلالیں، وہ دیوبند کے اہل ہیں اور دیوبند کو ان کی ضرورت ہے، وہاں کسی اور صاحب کو متعین فرمادیں۔ حضرت الاستاذ قدرے سکوت کے بعد فرماتے ہیں :

''محمد انور! تم جانتے ہو، حسین احمد وہاں بہت اہم اُمور انجام دے رہے ہیں، حجاز کے مشہور مشہور شافعی مالکی اور حنبلی علماء شریکِ درس ہوتے ہیں۔ محض مسلکِ حنفی پر اعتراض کرنے کے لئے حسین احمد تنہا سب کا جواب دیتے ہیں، اور کسی کے بس کا نہیں جو اتنا کام انجام دے سکے، انہیں وہیں رہنے دو''۔

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵۳) (روایت حضرت مولانا محمد جلیل)

حضرت مدنیؒ کی جانشینی کے اشارے :

حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ بہت کچھ بتا رہے ہیں اور یہ بھی اندازہ فرمائیں کہ حضرت الامام

سید محمد انور شاہؒ جن کے علم و فضل کی ایک دنیا معترف ہے، وہ کس طرح مقامِ مدنیؒ کا اعتراف کرتے ہیں اور حضرت استاذ کیا جواب دیتے ہیں، سید کاشمیریؒ کا سوال اور استاذ مکرم کا جواب یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حضرتؒ کا قیام مدینہ طیبہ کس کے اشارۂ ابرو کا صدقہ تھا؟ اور شیخ مدنیؒ قیام بطحاء کے دوران جب دیوبند آ کر حلقۂ درس میں بیٹھتے ہیں تو استاذِ مکرم کی کیا حالت تھی، اس کا حال بھی حضرت

میاں صاحبؒ کی زبانی سنیں :

''اس سال حضرتؒ نے درسِ حدیث میں خلافِ عادت علوم و حقائق بیان فرمائے جو آپ کے (سید مدنیؒ کے) مستقبل کی درخشانی کی تمہید اور جانشینی کے اشارے تھے''۔

(الجمعیۃ ص ۳۴)

کہاں کہاں حسین احمدؒ کی برابری کرو گے :

اسی دوران ایک دن حضرت مدنیؒ استاذ مکرم کے پاؤں دبا رہے تھے کہ میاں صاحب بھی حصولِ سعادت کی غرض سے شریک ہو گئے اور مسرت و انبساط کے عالم میں کہنے لگے، آج ہم برابر ہو گئے۔ اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے جو کچھ فرمایا اس کو حضرت میاں صاحبؒ سے سماعت فرمائیں :

''بھائی تم کہاں کہاں ان کی پیروی و برابری کرو گے''۔

معنی خیز اشارۂ خیر و برکت :

ان لفظوں پر میاں صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں اور حضرت مدنیؒ کی خوش بختی و سعادت مندی پر رشک کریں :

''اس وقت تو یہ ایک معمولی فقرہ سمجھا گیا، لیکن مولانا مدنیؒ کا قیام مدینہ منورہ، پھر اپنی بیش قیمت آزادی کو قربان کر کے خوشی سے نظر بندی میں حضرتؒ کی معیت اختیار کرنا، تمام سفر خصوصاً زندانِ قاہرہ اور اسیریِ مالٹا میں جاں نثاری اور خدمت کرنا، کلمۃ الحق کے اعلان پر زندانِ کراچی میں اسیر ہونا...... بتلا رہا ہے کہ یہ ایک پُر مغز کلام ہے اور مولانا کی آئندہ شاندار دینی و قومی زندگی کے لئے ایک معنی خیز اشارۂ خیر و برکت تھا''۔

(حیات شیخ الہند ۹۹-۱۹۸)

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے :

حضرت الاستاذ کا مختصر جملہ اور میاں صاحبؒ کے نوٹس کئی دفتروں پر بھاری ہیں اور ان کے بین السطور بہت کچھ پڑھا اور دیکھا جا سکتا ہے۔ مقامِ مدنیؒ کی رفعت کی اور کیا دلیل ہوگی؟ بلاشبہ جاں نثاری و جاں سپاری اور ایثار و قربانی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہوسکتی کہ بغیر وارنٹ ہنسی خوشی خدمتِ استاذ کے جذبہ سے سوئے زنداں جانا اور ساڑھے چار سال (۲/۱-۴) کا عرصہ پریشان کن سردی میں ساتھ دینا اور وہ بھی اس طرح کہ گرم پانی کے میسر نہ ہونے پر شیخ کی علالت کے پیش نظر پانی کا لوٹا اپنے پیٹ سے لگا کر بیٹھ جانا اور اوپر کمبل لے لینا۔ کون سا شاگرد اور خادم ہے، جو بھرپور جوانی کے ساڑھے چار سال (۲/۱-۴) اس طرح گزارے اور یہ بھی تو ہے کہ ایسے عالم میں حضرت الاستاذ جب سحر کو اُٹھ کر اس گرم پانی کے ساتھ وضو کرتے ہوں گے، جس میں حسین احمد کی حرارتِ جسمانی وافر مقدار میں شامل تھی، تو ان کے دل سے عزیز شاگرد کے لئے خیر و برکت کے کیا کیا کلمات زبان کے راستے عرشِ الٰہی تک نہ پہنچتے ہوں گے؟ ؎ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

استاد کی دعاؤں کے ثمرات :

محمد عربی ﷺ وضو کے لئے پانی کا لوٹا دیکھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے دستِ سوال دراز کر دیں تو وہ امام المفسرین بن جائیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سنتِ یوسفی و محمدی کے دوران ساڑھے چار سال (۲/۱-۴) شاگردِ عزیز کی خدمت سے متمتع ہو، شاگرد کے لئے خدا سے کچھ نہ مانگا ہوگا؟

مانگا اور وہ کچھ مانگا جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ زندگی اور زندگی کے بعد حسین احمد کو جو عزت ملی، وہ استاد کے مانگنے کا ہی نتیجہ ہے۔

رمضان میں شیخ الہندؒ کو قرآن سُنایا :

اسی مالٹا میں استاذ ترجمہ قرآن کی خدمت میں مشغول ہیں اور حسین احمد رفیق و معین ہیں اور رمضان آتا ہے تو استاذ مکرم کے نحیف و نزار جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگتے ہیں، شاگردِ عزیز تاڑ جاتا ہے کہ دیوبند میں حفاظ کے حلقے تھے، یہاں ایک بھی حافظ نہیں، استاذِ مکرم کو قلق ہے اور یہ آنسو اسی قلق کی ظاہری صورت ہیں۔

سعادت مند شاگرد آگے بیٹھ کر عرض کرتا ہے کہ حضرت! آپ دعا فرمائیں، کوشش میں کروں گا، اللہ نے چاہا تو ختم قرآن کے نہ ہونے کا شکوہ نہیں رہے گا۔ استاذ کی باچھیں کھل جاتی ہیں، وہ دستِ سوال دراز کرتا ہے، نہ معلوم اس وقت اس نے اپنے ربّ سے کیا مانگا، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ غرّۂ رمضان آیا تو پریشانی تھی اور شوال کا ہلال اُفق عالم پر چمکا تو حسین احمد مکمل قرآن سنا چکا تھا (تفصیلی واقعہ اور اصلِ حقیقت اسی کتاب میں بیان ہو چکی ہے)

داستانِ سرفروشی و جاں سپاری کو نامکمل و تشنہ چھوڑ دیں کہ اسے مکمل کرنا میرے بس کا نہیں، اب آئیں اور دیکھیں کہ آقا کو اپنے خادم پر کتنا اعتماد ہے اور خادم اپنے مخدوم کے لبوں کی جنبش پر کس طرح آمادۂ عمل ہیں۔

یہ سعادتیں حضرت مدنیؒ کا مقدر تھیں:

اسارتِ مالٹا کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کلکتہ میں دار العلوم قائم کرتے ہیں، خواہش یہ ہے کہ صدارت حضرت شیخ الہندؒ قبول فرمالیں۔ مقاصدِ ملّی کی خاطر شیخ الہندؒ کو انکار نہیں، لیکن علالت و نقاہت مانع ہے، نتیجۃً اسی محبوب شاگرد کو اشارہ ہوتا ہے، وہ تیار ہو جاتے ہیں، بقول حکیم عبدالجلیل مرحوم استاذِ مکرم شاگردِ عزیز کو رخصت کرنے لگے تو غایتِ ضعف کے سبب اُٹھ نہ سکے، لیٹے لیٹے حضرت مدنیؒ کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑا سر پر رکھا، چوما، آنکھوں سے لگایا، سارے بدن پر پھیرا۔

(الجمعیۃ ص ۲۶)

بتلائیں دنیا میں کسی استاذ نے شاگرد کے ساتھ شفقت و کرم کا یہ معاملہ کیا؟ ہاں اصل قصہ یہ ہے کہ ایسا شاگرد بھی تو کسی کو نہیں ملا، یہ سعادتیں حضرت مدنیؒ کا مقدر تھیں، مولانا مدنیؒ اشکبار آنکھوں سے رخصت ہو گئے، استاذِ مکرم کی حالت کا احساس ایک طرف' امتثالِ امر کا معاملہ دوسری طرف، چلے تو گئے کہ حکمِ آقا تھا، لیکن کلکتہ پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آخری لمحات کی خدمت سے محروم ہو گئے۔ آخری زیارت نصیب نہ ہوئی، جنازہ مقدر میں نہ تھا، لیکن کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملا کہ حسین احمد نے استاذ کا آخری حکم ٹالا! شاید اس لئے قدرت کو حسین احمد پر پیار آ گیا اور اسے ہمیشہ کے لئے پہلوئے محمود میں لٹا دیا۔

حضرت شیخ الہندؒ سے اسی نسبت و تعلق کا تو ہی صدقہ تھا کہ قاسمی و رشیدی موجہائے رحمت

سے سیراب ہونے والے سبھی اکابر واصاغر آپ کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے، چند شہادتیں ملاحظہ فرمائیں :

شیخ الہندؒ کے چہیتے :

شارح ابی داؤد مولانا خلیل احمد قدس سرہٗ سبق پڑھا رہے تھے، حضرت مدنیؒ گئے تو قرأت کرنے والے صاحب سے کتاب لے کر خود قرأت شروع کر دی، حضرتؒ دیکھ کر مسکرا دیئے۔ (تذکرۃ الخلیل) اور بقول مولانا مفتی محمود احمد (مہو چھاونی) حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے شاگردِ رشید مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے حلقۂ درس میں شیخ مدنیؒ پہنچے، تو بلا تکلف سوالات شروع کر دئے۔ حضرت امروہیؒ نے بے ساختہ اور پیار بھرے لہجے میں فرمایا :

"یہ مولوی محمود حسن (حضرت شیخ الہندؒ) کے یہاں بگڑا ہوا ہے"۔ (الجمعیۃ ص ۱۱۸)

دارالعلوم دیوبند کی علمی ترقی کی ضمانت :

اور حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے صاحبزادے الحافظ محمد احمدؒ کی سنیں، ۱۳۲۶ھ کے اجلاس دارالعلوم میں مدرسہ کی علمی ترقی زیرِ غور تھی۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے فرمایا :

"مولوی محمد انور شاہؒ، مولوی محمد سہولؒ، مولوی حسین احمدؒ اور مولوی عبد الصمد کرت پوریؒ یہاں جمع ہو جائیں، تو مدرسہ کی علمی ترقی اعلیٰ پیمانہ پر ہو"۔

(الجمعیۃ ص: ۶۸ روایت مولانا محمد قاسم بجنوری)

آخر قدرت نے حافظ صاحبؒ کی خواہش پوری فرمائی۔ سبھی حضرات قدرت کے مقرر کردہ ٹائم ٹیبل کے وقت مدرسہ میں آئے اور علم و عرفان کو اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ بالخصوص شیخ مدنیؒ کا ۳۰......۳۵ سالہ دور علمی، مالی اور انتظامی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے پچھلے تین ادوار میں جتنے طلباء نے اس مادرِ علمی سے فیض حاصل کیا، اس سے کہیں زیادہ حضرات نے صرف آپ کے دور میں اپنی علمی پیاس بجھائی۔

مولانا محمد الیاسؒ کی شہادت :

"حضرت مولانا محمد الیاس مرحوم (بانی تبلیغی جماعت) نے فرمایا، ان کی سیاست میری سمجھ میں آ جاتی تو پیچھے پیچھے دوڑا پھرتا، تاہم عند اللہ ان کے مقام سے واقف ہوں، ان سے "سیاست میں اختلاف" کر کے دوزخ کی آگ خریدنا نہیں چاہتا"۔

(روایت مولوی سعید میاں صاحب انصاری سہارنپوری ص: ۱۵۲)

اور شرعی دلائل کے پیش نظر آپ کے سیاسی مسلک سے اختلاف رکھنے کے باوصف حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ :

''مولانا مدنیؒ کی مخالفت کرنے والوں کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے''۔

(روایت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ ص ۳۲)

شریعت وطریقت کا سب سے بڑا عالم :

یاد رہے کہ اختلاف ومخالفت میں فرق ہے۔ حضرت تھانویؒ کو حضرت مدنیؒ سے اختلاف تھا، جس کی پشت پر دلائل تھے، مخالفت نہ تھی، مخالفت کا رنگ دیکھنا ہو تو خوارج وشیعہ کی صحابہ دشمنی دیکھیں۔ اختلاف کو دیکھنا ہو تو سیدنا علی ومعاویہ علیہما الرضوان یا ائمہ مجتہدین کے اختلاف سامنے رکھیں اور مسلم کے شارح علامہ عثمانیؒ، حضرت مدنیؒ کے سب سے بڑے سیاسی حریف لیکن (للہ فی اللہ یہ کہ دنیوی مقاصد کے پیش نظر) فرماتے ہیں :

''بھائیو ! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسطِ ارض پر شریعت و طریقت وحقیقت کا حضرت مولانا مدنیؒ سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں''۔

(روایت حضرت الشیخ السید محمد یوسف بنوریؒ: ص ۲۸)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں :

''انہوں نے ملک کی جو خدمتیں کی ہیں ان کی بڑی قدرو قیمت ہے اور وہ اس قدر شاندار ہیں کہ ہم انہیں فراموش نہیں کر سکتے ......ان کی ذات محترم تھی ان کا انتقال قومی نقصان ہے''...... (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

اکابرین اُمت کی گواہیاں :

ان سرسری اور بے ربط واقعات کے بعد اس دعویٰ کے ثبوت میں کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین تھے، تاہم اکابرینِ ملت، اساطینِ اُمت اور ہم عصر حضرات کی کچھ شہادتیں، جن میں جانشینِ شیخ الہندؒ کی صراحت ہے، ملاحظہ فرمائیں :

میرے استاذ کے جانشین :

۱- ہمارے ایک بزرگ بحمدہٖ بقیدِ حیات ہیں، فرماتے ہیں کہ مولانا مدنیؒ تھانہ بھون تشریف

لائے۔ حضرت تھانویؒ کا نظام العمل سامنے تھا۔ اسکی رو سے ملنے کا وقت نہ تھا، آپ مسجد میں لیٹ گئے، لیکن حکیم الامت قدس سرہٗ کو پتہ چلا، بھاگم بھاگ تشریف لائے، فرمایا آپ نے کیا غضب کیا، فرمایا آنے کا وقت نہ تھا، حضرت تھانویؒ نے فرمایا وقت کی قیودات دوسروں کے لئے ہیں، آپ کیلئے نہیں، چنانچہ ہمراہ لے گئے، اصرار سے اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا ...... "بھائی! آپ تو میرے استاد کے جانشین ہیں" ...... مزید یہ کہ ایک تھان ململ کا منگوا کر نذر کیا، حضرت شیخ الاسلامؒ نے احتراماً سر پر رکھا، چوما اور فرمایا حضرتؒ! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ولائتی مال کا بائیکاٹ کر رکھا ہے، اتنا ہی فرمایا ئے تھے کہ مولانا تھانویؒ نے وہ واپس لے کر گاڑھے کا تھان بڑے گھر سے منگوا کر نذر کیا۔ باہمی احترام کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو سکتی ہے۔ نیز جانشینِ شیخ الہندؒ کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا؟

۲- حضرت شیخ الہندؒ کے خادمِ خصوصی، رفیق مالٹا، مولانا عزیر گلؒ نے اپنے تعزیتی پیغام میں آپ کو "جانشینِ شیخ الہندؒ" لکھا۔ (ص۱۱۰)

۳- حضرت العلامہ الشیخ عثمانیؒ اپنے ایک خط میں آپ کو لکھتے ہیں (حضرت مدنیؒ کے خط کا جواب لکھتے ہوئے) "سچ تو یہ ہے کہ یہ مکتوب میرے نزدیک جناب محترم کی سیادت وشرافت اور جانشینیٔ استاذِ مرحوم کا مرقع ہے، آپ کے بزرگانہ اخلاق سے ہم نیاز مند یہی توقع رکھتے ہیں، **فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء و وفقنا و ایاکم لما یحبّ و یرضٰی**۔ (انوارِ عثمانی ص۴۹)

۴- خان عبدالغفار خاں صاحب جنہیں حضرت شیخ الہندؒ سے باقاعدہ بیعت کا شرف حاصل ہے اور جو بقول حضرت مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے خصوصی تعلق والے تھے۔ (نقشِ حیات) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسہ تعزیت میں تشریف لائے اور فرمایا:

> "حضرت شیخ الاسلام کے سانحۂ ارتحال سے ہندوستان ایک عظیم شخصیت سے محروم ہو گیا اور ہم سے حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین جدا ہو گئے"۔ (ص۱۰۹)

۵- مولانا خورشید عالم نگینوی فرماتے ہیں کہ:

> "حضرت شیخ الہندؒ کے فراق سے مرجھائے ہوئے دلوں نے آپ کو جانشین شیخ الہندؒ کہہ کر اور سمجھ کر تازگی حاصل کی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرتؒ کی وفات کے بعد جب آپ کلکتہ سے دیوبند تشریف لائے، تو خلافت کمیٹی نے تعزیتی جلسہ میں آپ کو بطورِ جانشینِ شیخ الہندؒ متعارف کرایا"۔ (ص۹۲)

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو :

۶- حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردِ رشید مولانا محمد سہول بھاگلپوری نے فرمایا، آپ جانشین شیخ الہندؒ ہیں۔ حضرت مدنیؒ نے جواباً فرمایا: معلوم نہیں آپ مجھے کیوں جانشین کہتے ہیں، مجھ سے ہر حیثیت سے بڑے شاہ صاحب (کشمیریؒ) اور مفتی صاحب (مفتی کفایت اللہؒ) ہیں، ان کو جانشین کہنا چاہئے، مولانا نے فرمایا :

''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو، مسلمان آپؒ کو حضرتؒ کا جانشین کہتے ہیں، لہٰذا آپ ہی جانشین ہیں''۔ (ص:۳۱، روایت مولانا محمد عثمان صاحب پھلواری شریف)

قصہ تو وہی ہے کہ پروردگارِ عالم نے اس اعزاز کا آپ کیلئے فیصلہ کر دیا، بات ملائکہ کی وساطت سے انسانی قلوب تک پہنچی، مولانا محمد سہولؒ نے اسی کی ترجمانی فرمائی۔

۷- مولانا مفتی محمود احمد موچھاؤنی نے بھی اسی انداز کی بات ارشاد فرمائی کہ :

''حضرت شیخ الہندؒ کے انتقال کے وقت سے ہی جانشین شیخ الہندؒ کے لقب کے نقارۂ خدا سے آوازہ بلند ہوا اور سب ائمۂ وقت نے عملاً اس کا اعتراف فرمایا''۔ (ص ۱۱۸)

۸- امیر امان اللہ خان مرحوم والیٔ افغانستان نے ایک خاص انداز کی بات فرمائی، جس کے راوی حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں :

''شیخ الہندؒ ایک نور تھے تو شیخ الاسلامؒ اس نور کی ایک ضیا اور چمک!'' (ص ۱۴)

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کا قولِ فیصل :

۹- اور خود قاری صاحبؒ نے اپنے حکیمانہ انداز سے آپ کی جانشینیٔ شیخ الہندؒ پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ نیز آپ کے سیاسی کام کی نوعیت کو بڑے پیارے انداز سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔

''۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم کی ابتدائی کڑی حضرت نانوتویؒ کی ذات تھی جس سے اس نئے دور کا آغاز ہوا، درمیانی کڑی حضرت شیخ الہندؒ تھے، جنہوں نے اسے شباب تک پہنچایا اور آخری کڑی حضرت شیخ الاسلامؒ تھے، جنہوں نے اسے انتہا کو پہنچایا اور اس طرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک سو برس کے عرصہ میں اس تحریک کا ایک دور مکمل ہو کر ختم ہو گیا...... آپ اس سلسلے میں (سیاسی رہنمائی اور انقلابی قیادت) حجۃ الاسلام حضرت

نانوتویؒ کے تاریخی سیاسی فلسفہ اور حکمت کے امین اور اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے جوشِ عمل کے علمبردار تھے، جس سے آپ کو پوری قوم نے جانشینِ شیخ الہندؒ تسلیم کیا اور آخر کار جانشینِ شیخ الہندؒ کے لقب سے یاد کئے جانے لگے......
بہر حال حضرت شیخ الاسلامؒ کی مساعی کا مرکز ملک کی آزادی، ایشیا کی آزادی، مشرق کی آزادی اور آخر کار انسانیت و اخلاق کی آزادی تھی۔ یہ نظریہ ان کا عقیدہ تھا، جو انہیں وراثت میں ان کے شیوخ سے ہاتھ آیا تھا اور وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ مغرب کی ان مادی طاقتوں کی برقراری کی صورت میں اخلاقی قوتیں اور انسانیت کی جوہری قدریں کبھی نہیں اُبھر سکتیں۔ (ص ۱۴،۱۳) ....

وطن کے نام آیا ہے اُنہی کا عزمِ فولادی
حسین احمدؒ کے قدموں کا تصدق ہے یہ آزادی

تحریکِ شاہ ولی اللہؒ کی آخری کڑی :

حضرت قاری صاحبؒ نے آپ کو شیخ الہندؒ کے ساتھ حکمت قاسمی کا امین بھی قرار دیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتویؒ بلکہ آپ سے بھی پہلے حکیم الامت حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے جس تحریک کی بنیاد ڈالی تھی، اس کی آخری کڑی آپ تھے اور اس طرح حضرت شیخ الہندؒ کے بالخصوص اور باقی اکابر کے بالعموم جانشین آپ تھے۔

علامہ انور صابری نے کتنے پتے کی بات کہی ہے ....

ولی اللہ نے لکھا تھا حرفِ اوّلین جس کا
مکمل ہوگئی وہ حریّت کی داستاں تجھ پر

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ بعض عجیب مناسبتیں بھی آپ کو نصیب ہوئیں، مثلاً حضرت قاسم العلومؒ نے آخری وقت پھلوں کی خواہش ظاہر کی تو لکھنؤ سے خربوزے منگوائے گئے، آپ نے آخری وقت سردے کی خواہش ظاہر فرمائی، نیز یہ کہ دونوں بزرگوں کا انتقال جمادی الآخر کے مہینہ میں جمعرات کے دن ظہر کی نماز کے بعد ہوا۔ ان کے علاوہ حکمتِ قاسمی کا امین اور شیخ الہندؒ کے جوشِ عمل کا علمبردار ہونے کا ہی یہ ثمرہ ہے کہ دیوبند کے اس رشک جناں خطہ (مقبرۂ قاسمی) میں آپ کو اپنے دونوں شیوخ (شیخ اور شیخ الشیخ) کے ساتھ دائمی آرام کا موقعہ نصیب ہوا۔

شعراء کا اعتراف :

چند شعراء کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں، یہاں بھی جانشینی والی بات مختلف زاویوں سے کہی گئی ہے۔علامہ انور صابری صاحبؒ فرماتے ہیں .... ؎

شریکِ سلسلۂ کارِ خدمتِ محمودؒ
انیسِ خلوتِ زندان کلفت و آلام

بسمل ٹونکی فرماتے ہیں (تاریخ ہائے وفات سمیت) .... ؎

پر تو مولانا گنگوہی فقید و پیشوائے
نقشِ شیخ الہند محمود حسن زیب ارم

مولانا احمد اللہ استاذ حدیث راندھیر کے دلی جذبات ملاحظہ فرمائیں ...... ؎

جانشینِ شیخ ہند وہ مردِ میداں اب کہاں
وہ سیاست کا نگیں وہ ماہِ تاباں اب کہاں
اس زمانے کا غزالی فضلِ یزداں اب کہاں
قاسم و محمود کا وہ رازِ پنہاں اب کہاں

حکیم دانش دہلوی کا قولِ حق .... ؎

وہ جس کو شیخِ محمود الحسن کا جانشیں کہیے
بزرگانِ سلف کی یادگارِ آخریں کہیے

جناب خان عبدالجلیل، وہ ایازِ شمع محمود حسن سے شیخ الہندؒ و شیخ الاسلامؒ کے تعلقات واضح کرتے ہیں اور ایک صاحب نے یوں گرہ لگائی .... ؎

وہ جس کی ذات امداد و رشیدی فیض کا سنگھم
وہ جس کے روپ میں محمود و قاسم بے نقاب آیا
ملائے ہند کے بچھڑے ہوؤں کو جس کے نغموں نے
جو شیخ الہند محمود الحسنؒ کے ہمرکاب آیا

شیخ الہندؒ کے مشن پر مرمٹنا ہے :

حرفِ آخر ! کراچی جیل سے رہائی کے بعد بنگال کونسل کے ایک ممبر نے

چالیس ہزار روپیہ نقد اور پانچ سو روپیہ ماہانہ کی نوکری بطورِ پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی کی پیش کش کی، حضرتؒ نے پوچھا کام کیا ہوگا؟ اس نے کہا کچھ نہیں، بس تحریکات میں حصہ نہ لیں، خاموش رہیں، آپؒ نے فرمایا:

''جس راستہ پر حضرت شیخ الہندؒ لگا گئے، اس سے ہٹ نہیں سکتا''۔ (ص ۱۵۴)

اس کے ساتھ ہی جانشینِ پیغمبرؐ سیدنا صدیق اکبرؓ کی سیرت کا وہ واقعہ دیکھیں کہ حضور علیہ السلام لشکرِ اُسامہؓ کی روانگی کا اہتمام فرماتے ہیں، لیکن آپ ﷺ کا سانحۂ ارتحال پیش آتا ہے۔ صدیق اکبرؓ خلافت سنبھالنے کے بعد پہلا کام یہی کرتے ہیں کہ اس لشکر کا اہتمام فرماتے ہیں، بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر صحابہؓ اس لشکر کی روانگی کو ملتوی کرنے یا کم از کم قائدِ لشکر تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، لیکن معلوم ہے کہ جانشینِ رسول ﷺ نے کیا فرمایا؟ جس کام کو کرنے کا ارادہ میرے پیغمبر ﷺ نے کیا، اس کے ملتوی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ لشکر بھیجا اور تھوڑی دیر ساتھ چل کر ہدایات دیں۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت میاں صاحبؒ کی رائے ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ دیں کہ جانشینیٔ شیخ الہندؒ کا حق سید حسین احمدؒ نے ادا کیا یا نہیں .... ؟؟؟

(ماہنامہ الحق مارچ ۱۹۷۴ء)

سیرت وکردار، اخلاص وللّٰہیّت، جودوسخا

بے نیازی واستغناء اور جامعیّت

دین اسلام میں اخلاص کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جو خالص اس کی ذات کیلئے ہو۔ بعض اوقات الفاظ کثرتِ استعمال سے اپنی قیمت اور وزن کھو دیتے ہیں۔ اخلاص بھی انہی لفظوں میں سے ہے۔ ہر آدمی کو ہم مخلص کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقام تو اونچا مقام ہے۔ معراجِ زندگی ہے اور نبوت کا پرتو ہے۔

ہمارے اکابرؒ میں جوہرِ اخلاص اور سیرت و کردار کی صداقتیں بہت نمایاں تھا خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تو پیکرِ اخلاص تھے اور اخلاص، جودوسخا، توکّل اور فقروغربت کی دولت سے اور بادہ عشق سے مخمور تھے۔

سیرت واخلاص کے خصائص وکمالات کا مجموعہ :

جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری تحریر فرماتے ہیں :

علم وعمل کی دنیا میں عظیم الشان شخصیات کے ناموں کے ساتھ مختلف خصائص وکمالات کی تصویریں ذہن کے پردے پر نمایاں ہوتی ہیں، لیکن شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا نام زبان پر آتا ہے تو ایک کامل درجے کی اسلامی زندگی اپنے ذہن وفکر، علم وعمل اور اخلاق وسیرت کے تمام خصائص

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات وکمالات اور محاسن ومحامد کے ساتھ تصور میں اُبھرتی اور ذہن کے پردوں پر نقش ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسلامی زندگی کیا ہوتی ہے؟ تو میں پورے یقین اور قلب کے کامل اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حسین احمد مدنیؒ کی زندگی کو دیکھ لیجئے، اگر چہ یہ ایک قطعی اور آخری جواب ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ اس جواب کو عملی جواب تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اُن حضرات کا قلب اس جواب سے مطمئن نہیں ہوسکتا، جنہوں نے اپنی دور افتادگی وعدمِ مطالعہ کی وجہ سے یا قریب ہو کر بھی اپنی غفلت کی وجہ سے، یا اس وجہ سے کہ کسی خاص ذوق ومسلک کے شغف وانہماک، یا بعض تعصّبات نے ان کی نظروں کے آگے پردے ڈال دیے تھے اور وہ حسین احمدؒ کے فکر کی رفعتوں، سیرت کی دل ربائیوں اور علم وعمل کی جامعیتِ کبریٰ کو محسوس نہ کر سکے تھے اور ان کے مقام کی بلندیوں کا اندازہ نہ لگا سکے تھے۔(ایک سیاسی مطالعہ)

جلسہ نہ یہاں ہوا نہ وہاں:

حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ، حضرت مدنیؒ اور مولانا الیاسؒ کے اخلاص کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ کھتولی میں تبلیغی اجتماع تھا۔ہم لوگ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ہمرکابی میں کھتولی پہنچے۔ریل سے اتر کر معلوم ہوا کہ ہاتھی وغیرہ آئے ہیں۔اور اسٹیشن سے جلوس کی شکل میں جانا ہوگا۔ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ تبلیغی اصول کے خلاف ہے۔جلوس سے انکار کر دیا اور ایک معمولی یکہ پر بیٹھ کر قیام گاہ پہنچ گئے۔جلسہ کی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔اچانک معلوم ہوا کہ اس وقت کانگرس کا بھی جلسہ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں، اس کی مخالفت میں یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تقریر بند کردی اور فرمایا: شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں سب چل کر ان کی تقریر سنیں، یہ فرما کر اپنے جلسے کو ختم کر دیا اور اس مقام پر پہنچے جہاں کانگرس کا جلسہ ہو رہا تھا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس وقت تبلیغی جلسہ ہے اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ تقریر فرما رہے ہیں، تو اپنی تقریر ختم کردی اور لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہو گئے۔جلسہ نہ یہاں ہوا نہ وہاں۔دونوں بزرگ چل بسے، مگر آنے والی نسلوں کے لئے اپنے خلوص اور للّٰہیت کی ایک مثال قائم کر گئے۔(شیخ الاسلام نمبر ۴۶)

حضرت مدنیؒ کے یہاں دکھلاوا، نام ونمود ریا، اور شہرت کا کوئی تصور نہ تھا۔وہ فرمایا کرتے ہم

جس کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی جانتا ہے، نام بھی اور انعام بھی۔

یتیموں کی سرپرستی اور صلہ رحمی :

حضرت مولانا فرید الوحیدیؒ راوی ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ "یتیموں اور بیواؤں کی عموماً امداد فرماتے تھے، ایسے بھی متعدد افراد میری نظر میں ہیں جنہیں بے روزگاری اور بے کاری کے دور میں مستقل امداد دیتے رہے۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم کی قید نہ تھی۔ دوسری اقوام کے مجبورو مستحق افراد کی بھی کار برآری فرماتے تھے۔ اعزاو اقرباء میں جو لوگ مفلوک الحال ہوتے ان کی امداد باضابطگی سے فرماتے۔ عید و بقرِ عید کے موقع پر آبائی وطن ٹانڈہ ہوتے تو نماز سے پہلے اعزا کے گھروں میں خود تشریف لے جاتے اور عیدی تقسیم فرمایا کرتے۔

میرے والد اسیر مالٹا مولانا وحید احمد مدنی مرحوم حضرت کے بڑے بھائی مولانا صدیق احمدؒ کے لڑکے تھے مگر بڑے بھائی کی حیات ہی میں بھتیجے کی پرورش ونگہداشت اپنے ذمہ لے لی تھی۔ مالٹا میں نظر بند ہوئے تو یہ بھتیجا بھی وہاں ہمرکاب رہا۔ مدینہ طیبہ سے ہندوستان منتقل ہوئے تو بھی یہ برادرزادہ آغوش شفقت سے جدا نہ ہوا۔ تعلیم وتربیت اور شادی وغیرہ سب کچھ اپنے تکفل میں کیا کم وبیش پچیس ہزار کے صرف سے ان کے لئے عالی شان مکان تعمیر کرایا اور جب موصوف عین عالمِ شباب میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم تین بھائیوں اور دو بہنوں کے حصے میں یتیمی آئی تو حضرتؒ نے اس طرح ہمارے سروں پر ہاتھ رکھا اور دلوں سے احساس یتیمی دور فرمایا کہ ۵ دسمبر ۵۷ء کی منحوس دوپہر تک ہمیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ ہمارے سروں پر باپ کا سایہ نہیں ہے۔ بچپن میں تو عام طور پر لوگ یہاں تک کہ بعض باشندگانِ دیوبند بھی مجھے حضرتؒ ہی کا فرزند سمجھتے رہے۔ ہمارے بچپن کے زمانے میں گھر میں چھوٹی سی سائیکل آئی تو مجھے اور عم گرامی صاحبزادہ اسعد کو اس میں برابر شریک بنایا۔ سواری کی تربیت کے لئے گھوڑا منگوایا تو ہم دونوں کے لئے ایک ایک دن مقرر فرما دیا۔ بڑے ذوق وشوق سے ہماری شادیاں کیں۔۔ غرضیکہ اس دورِ نفسا نفسی میں جبکہ حقیقی پوتوں کے ساتھ پر خلوص مہر ومحبت عنقا ہے۔ بھتیجے اور اس کی اولاد کے ساتھ غیر معمولی مہر ومحبت کے برتاؤ کی مثال بھی شاید مشکل سے نظر آئے۔

مستحقین کی خبر گیری :

سخاوت ایک ایسا وصف اور جذبہ ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔ محمد عربی ﷺ اور صحابہ کرامؓ

نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو ہمیشہ سعادت سمجھا۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ کی سخاوت تو ضرب المثل بن چکی ہے حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؒ لکھتے ہیں :

''حضرت مدنیؒ جب تک زندہ رہے سخاوت کا دریا بہتا رہا اور فیاضی کا سمندر موجزن رہا۔ حضرت کا محبوب مشغلہ ہی یہی تھا کہ دولت کو اللہ کے راستے میں لٹایا جائے اور نادار لوگوں کی ضروریات پوری کی جائیں''۔

طلباء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی کہ حضرت مدنیؒ جس کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ میرے ہی کمرے میں ایک صاحب رہتے تھے جو کہ کافیہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ اصولاً انہیں مدرسہ سے کھانا نہیں ملتا تھا۔ ایک دن میں پوچھ بیٹھا کہ: جناب! آپ کا کام کیسے چلتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''حضرتِ شیخ'' انتظام فرمادیتے ہیں۔

ایک مرتبہ راقم الحروف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ دیگر حاضرین بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ عرضیاں پیش کی جارہی تھیں کہ ایک طالب علم نے بھی عرضی پیش کی۔ حضرتؒ نے اسے غور سے پڑھا اس کے بعد دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر تک سفر کا کرایہ کتنا ہے؟ اس نے عرض کیا: پندرہ روپے! آپ نے دریافت فرمایا: کچھ روپے تمہارے پاس ہیں یا بالکل نہیں ہیں؟ اس نے کہا:۔ سات روپے ہیں! یہ سن کر آپ نے جیب سے آٹھ روپے نکالے اور اس کو عنایت فرمائے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سال بھر میں اس قسم کے کئی واقعات متعدد بار پیش آتے ہیں۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۳۲)

خود مقروض تھے لیکن دوسرے مقروض کا قرض ادا کردیا :

اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا آسان راستہ یہی ہے۔ کہ مخلوق خدا کی خدمت کی جائے۔ ان کے دُکھ درد میں شرکت کی جائے۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کی جائے۔

اگر ربِّ ذوالجلال نے توفیق دی ہے تو مقروض لوگوں کے قرضے ادا کرنے میں ان سے تعاون کیا جائے۔ حضرت مدنیؒ خود فقیر و درویش انسان تھے لیکن مخلوق خدا کی دادرسی کرنا ان کا محبوب عمل تھا۔ وہ اپنے نادار اور غریب دوستوں کی مدد کرتے۔ ان کا قرض ادا کرتے۔ اس وصف کی وجہ سے ان کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

غالباً ۲۲ء کی بات ہے احقر نے اپنے دوست سے قرض مانگا۔ انہوں نے احقر کو قرض دیا لیکن صورت حال کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ حضرتؒ کو اس سلسلے میں سفارش فرمانی پڑی۔ احقر کی طرف سے وقت پر ادائیگی نہ ہوسکی تو انھوں نے حضرتؒ سے شکایت کی۔ حضرتؒ نے وہ رقم اپنی جیب سے ادا فرمائی

اور احقر کو محض اطلاع دیدی۔ حضرتؒ نے وہ رقم نہ وصول کرنے کی نیت سے ادا فرمائی تھی اور نہ آج تک میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرتؒ کی وہ ادا فرمودہ رقم مجھے ادا کرنی ہے۔ کیونکہ وہ بزرگانہ عطیہ تھا اور یہاں ایسے عطیات کی وصولی کے لئے پس و پیش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ احقر کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں حضرتؒ خود مقروض تھے۔ اس قسم کے نہ معلوم کتنے خدام اور وابستگان ہوں گے جن کا بار حضرتؒ نے برداشت کیا اور خدا ہی جانتا ہے کہ ان ہزاروں خدام پر کتنے بے شمار احسانات حضرتؒ کے ہوں گے۔ **جزاہ اللّٰہ عنا احسن ما یجازی بہ عبادہ المقربین ۔**

میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا :

اتنی سخاوت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ حضرت مدنیؒ مالدار، رئیس، متمول اور تونگر تھے۔ خود فقر و غربت اور فاقہ مستی کا شکار رہتے اور اس میں لذت محسوس ہوتی "**الفقر فخری**" کی سنت پر ہمیشہ عمل رہا۔

حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ کا بیان ہے کہ : مدینہ منورہ والے حضرتؒ کی اتنی عزت کرتے تھے کہ دوسرے کسی عالم کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا لیکن شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ رمضان شریف میں روزہ پر روزہ رکھتے اور کسی کو خبر نہ ہوتی مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے شوق ہوا کہ آج استاد محترم حضرت مدنیؒ کے ساتھ افطار و سحر کا پروگرام رکھا جائے چنانچہ کھانا پکوا کر حرم شریف لایا اور انتظار کرتا رہا کہ اب حضرتؒ کے گھر سے بھی کھانا آئے گا۔ مغرب کا وقت آگیا لیکن کھانا نہ آیا۔ میں نے دستر خوان بچھایا اور حضرتؒ والا سے عرض کیا کہ تشریف لائیں۔ جواب میں حضور والا نے فرمایا کہ آپ کھانا کھائیں میں روزہ کھجور سے افطار کروں گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ ! میں تو اس شوق میں حاضر ہوا ہوں۔ کہ کھانا حضور کے ساتھ کھاؤں آپ روزہ کھجور سے افطار کر لیجئے اور میں بھی کھجور ہی سے روزہ افطار کروں گا مگر کھانے میں میرے ساتھ شرکت فرمائیں۔ چنانچہ حضرتِ والاؒ نے میری ضد پوری فرمائی اور کچھ تھوڑا سا کھانا کھا کر نماز میں شریک ہو گئے۔ اس نماز کے سلسلے کو حضرتؒ نے عشاء تک جاری رکھا۔ تراویح شروع ہو گئی۔ ختم تراویح کے بعد میں نے پھر اصرار کیا تو انتہائی لاپروائی سے فرمایا کہ سحر میں دیکھا جائے گا۔ حضرت والاؒ سحر تک عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ میں سو گیا اور حضرتؒ نے مجھے وقت پر جگا کر انتہائی استغناء کے ساتھ فرمایا کہ تم کھالو۔ اس وقت میں نے سوال کیا کہ حضرتؒ بات کیا ہے، آنجناب کے گھر سے نہ افطار میں کھانا آیا اور نہ اس وقت سحر کے لئے کوئی خبر آئی ؟؟

حضرتؒ نے بات ٹالنے کی بہت کوشش کی اور گفتگو کا رخ اِدھر اُدھر پھیرنا چاہا لیکن میرا اصرار بڑھتا ہی رہا۔ حضرت والاؒ ہنستے جاتے تھے اور مختلف طریقوں سے میرا اصرار ختم کرنا چاہتے تھے مگر جب میں نے مجبور کر دیا تو اتنا فرمایا کہ شاید آج گھر میں نہیں تھا بہر حال میں نے زبردستی حضرت والاؒ کو کھانے میں شرکت پر تیار کر لیا کھانا کھاتے ہوئے فرمایا کہ عبدالحق! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کبھی تو پوری ہونی چاہئے! اس کے بعد نہایت بزرگانہ انداز میں اور انتہائی لجاجت کے لہجے میں فرمایا کہ میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا: (بارہا آدھ پاؤ مسور کی دال پکا کر سب گھر والوں نے تھوڑی تھوڑی پی کر یا تربوز کے چھلکے سڑک پر سے اٹھا کر دھو کر شب میں پکا کر اس کا پانی پی کر گذر کیا ہے)

درسِ حدیث کے ساتھ نقلِ کتب اور دوکانداری :

حاملینِ علوم نبوت سے جن کی مساعی سے جہالت اور بربریت کا دور لد گیا۔ دنیا امن کا گہوارہ بنی، یہ حضرات کون تھے؟ سرمایہ دار، جاگیردار، کارخانے دار، بینک بیلنس والے، کوٹھیوں اور بنگلوں والے حکمران تھے۔ وزیر تھے۔ نہیں ہرگز نہیں یہ نادار مفلس مزدور کار اور اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کمانے والے تھے۔ یہ جوتیاں گانٹھتے، کپڑے بنتے، کدالیں چلاتے، سڑکیں کھودتے، کھیتی باڑی کرتے اور اپنے عمل وکردار سے اسلام کی شمع روشن رکھتے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بھی تاریخ علم کے آسمانِ عظمت کے آفتاب و ماہتاب تھے لیکن ہاتھ سے کام اور کسب حلال کو اصل سرمایہ افتخار سمجھا۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے والد ماجدؒ کے پاس صرف چھ سو روپے کا سرمایہ تھا۔ گھر والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ یہ سرمایہ اگر یوں ہی بیٹھے بیٹھے کھاتے رہے تو بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ مناسب ہے کہ اس رقم سے کوئی کاروبار کیا جائے۔ اس تجویز کو سب نے تسلیم کیا اور باب الرحمت و باب السلام کے درمیان ایک دکان کرایہ پر لے کر پرچون کا سامان رکھا گیا اور کھجوروں کی فروخت بھی شروع کی گئی۔ آپ ایک وقت اگر درسِ حدیث دیتے تو دوسرے اوقات میں خرید و فروخت فرماتے اور جب یہ محدود تجارت بھی تنگی معیشت کو دور نہ کر سکی تو آپ نے اجرت پر کتابوں کے نقل کا کام شروع کیا۔

محاصرۂ طائف کی فاقہ مستیاں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ طائف میں دو ماہ بیس یوم محصور رہے۔ اس مدت میں آپ حضرات کو ناقابلِ بیان مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ مجاہدین کے

پاس سامان خورد ونوش ختم ہو گیا۔ پانی بھی ملنا مشکل ہو گیا اور تمام شہر بلبلا اٹھا مگر ان اللہ والوں نے غریب الوطن اور مفلوک الحال ہونے کے باوجود کبھی کسی سے سوال تو کجا اظہار پریشانی بھی نہ کیا۔ ایک طرف فاقوں پر فاقے بیت رہے تھے۔ دوسری طرف اللہ والوں کی یہ ٹولی عبادات اور روحانی ترقی میں مصروف تھی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ عبادات سے فراغت کے اوقات میں حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں مصروف رہتے جو پہلے ہی سے بہت ضعیف تھے اور موجودہ مصائب نیز فاقوں سے ضعف میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ اپنی پوری جماعت کے لئے خورد ونوش کا انتظام فرماتے اور جو کچھ روکھا سوکھا میسر آتا، اسے دستر خوان پر رکھ دیتے اور جب تمام حضرات کھانے میں مصروف ہوتے تو خود کسی بہانہ سے پہلے ہی دستر خوان سے اٹھ جاتے یا اس قدر آہستہ کھاتے کہ کھانے اور نہ کھانے میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ یہ سب ایثار اس لئے تھا کہ استادِ محترم اور دیگر رفقا بھوکے نہ رہ جائیں۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ دستر خوان بچھانے کے بعد فرمادیا کہ آپ حضرات کھانا کھائیں کیونکہ میں کھا چکا ہوں۔ شاید ایک آدھ لقمہ کوئی چیز کھالیتے ہوں گے۔ مختصر یہ کہ آپ کے اس طرز عمل سے کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ آواز سے نقاہت محسوس ہوتی تھی ایک روز دوپہر کے کھانے کے وقت ایک آدھ لقمہ کھانے کے بعد جب یہ کہہ کر اٹھنا چاہا کہ میں کھا چکا ہوں تو حضرت شیخ الہندؒ اس قدر ناراض ہوئے کہ غصہ سے کانپنے لگے۔ حضرت مدنی ؒ یہ دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھوں میں آنسو آگئے کیونکہ استادمحترم کی ناراضگی ناقابل برداشت تھی۔ استادمحترم نے بھی معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے غصہ ختم کردیا اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ : حسین احمد! تم اپنے اوپر ظلم کرتے ہو اور ہمیں ظالم بناتے ہو۔

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے دیگر رفقاء سے فرمایا کہ وہ حضرتؒ کی نگرانی رکھیں اور ہمارے بغیر انہیں کھانا کھانے کا موقع نہ دیں۔

فاقوں میں روحانی لذت ہوتی ہے :

مولانا عبدالحق مدنی ؒ راوی ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے ایک مرتبہ میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ: طائف کی محصوری کے زمانہ میں جب تک رمضان شریف رہا ہماری فاقہ کشی کی خبر کسی کو نہ ہوئی۔ جب عید آگئی تو فکر ہوئی کہ اب لوگوں کو ہماری حالت معلوم ہو جائے گی۔ چند ہی دن کے بعد مذکورہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ ایک ہندوستانی تاجر آئے اور کئی گھنٹہ حضرت شیخ الہند ؒ کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ کھانے کا وقت آیا اور گذر گیا۔ میں انتہائی مضطرب تھا اور سوچتا تھا کہ کہیں سے کوئی چیز

دستیاب ہو جائے تو کم از کم تاجر موصوف کے سامنے ماحضر پیش کروں مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ ہم اپنی بات چھپا نہ سکیں۔ تاجر سمجھدار تھے، اس وقت تو وہ چلے گئے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد کچھ چاول لے کر تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند ؒ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کئے آپ نے ان چاولوں کو قبول فرمالیا اور اس طرح ہماری فاقہ کشی کا راز فاش ہوگیا۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ؒ نے دریافت کیا کہ حضرت! ان فاقوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا تو برا حال ہو جاتا ہوگا؟؟ ہنس کر فرمایا فاقوں سے برا حال نہیں ہوتا۔ فاقوں سے روحانی لذت حاصل ہوتی ہے اور روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(تذکرہ شیخ مدنی)

خودداری واستغناء :

فقر وغربت کے باوجود استغناء کا یہ عالم تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ ایک مرتبہ بہت زیادہ مقروض بھی تھے چند دوستوں نے حیدرآباد دکن میں نواب فخریار جنگ معتمد محکمہ فنانس اور چند بااختیار حکام سے درخواست کر کے پانچ ہزار روپیہ حضرت ؒ کے لئے منظور کرایا۔ شرط یہ تھی کہ حضرت مدنی ؒ خود رقم لینے کے لئے جائیں گے۔ جب حضرت مدنی ؒ کو یہ بات معلوم ہوئی فرمایا: مجھے ایسی ذلت کے ساتھ پانچ ہزار نہیں پانچ کروڑ بھی منظور نہیں۔ آپ کی ساری زندگی صبر ورضا اور توکل کی آئینہ دار تھی۔

اصول کی پابندی :

مولانا عبدالحق مدنی ؒ کا بیان ہے کہ میرے والد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب ؒ کی یہ خواہش تھی کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ میری تعلیم کے لئے مکان پر تشریف لایا کریں اور حسب خواہش ماہوار رقم مقرر کر دی جائے گی۔ والد صاحب نے بیحد اصرار کیا لیکن حضرت شیخ ؒ کسی طرح راضی نہ ہوئے اور والد صاحب سے فرمایا کہ عبدالحق کو حرم شریف بھیجو! میں بلا معاوضہ اور حسبۃً للہ پڑھا دوں گا۔ طرفین سے اپنی اپنی بات پر اصرار ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ والد صاحب ؒ نے حضرت ؒ کی خودداری واستغناء اور پابندی اصول کے سامنے سپر ڈالدی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اس دور کی بات ہے جس زمانہ میں حضرت شیخ ؒ کا پورا خاندان جو کہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ تین پاؤ ابالی ہوئی مسور کے پانی پر گذارا کیا کرتا تھا۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

صبر وقناعت :

حاجی احمد حسین لاہر پوری ؒ کہتے ہیں۔ برطانوی حکومت کے ایماء پر ڈھاکہ یونیورسٹی سے

شعبۂ دینیات کے لئے حضرتؒ مبلغ پانچ سو روپے ماہوار پر بلائے گئے، مگر حضرتؒ نے انکار کردیا، پھر حکومتِ مصر کی جانب سے جامع ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ کے لئے مبلغ ایک ہزار پانچ سو روپے ماہوار ،مکان وموٹر بذمہ حکومت۔ سال میں ایک بار ہندوستان کی آمد ورفت کے کرائے کے وعدے پر حضرتؒ کو دعوت دی گئی۔ اگر چہ اس زمانہ میں حضرت کو ڈیڑھ سو روپے ماہوار سے زیادہ نہ ملتے تھے، لیکن حضرت نے وہاں تشریف لے جانے سے قطعاً انکار فرمادیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ۷۶)

خدا کی ذات پر اعتماد :

مولانا عبدالحمید الاعظمی لکھتے ہیں۔ حضرتؒ کے ساتھ افطار کرتے وقت اگر کوئی کھانے پینے کی چیز اٹھا کر رکھ دی جاتی کہ مغرب کے بعد اطمینان سے کھائی جائے گی تو حضرتؒ خفا ہو کر فرماتے :

"آخر یہ کیا بری عادت ہے کہ اصحابِ مائدہ کی طرح ذخیرہ کرتے ہو، جس خدا نے مغرب سے قبل یہ نعمت دی ہے وہی خدا کیا مغرب کے بعد نہیں دے سکتا۔ بالآخر جب تک وہ چیز دوسرے افراد خصوصاً بچوں کو کھلا نہ دیتے آپ کو چین نہ آتا"۔

(شیخ الاسلام نمبر ۱۵۹)

خدا پر بھروسہ رکھو وہی پورا کرنے والا ہے :

حضرت مولانا رشید الوحیدؒ بیان کرتے ہیں :

۳ دسمبر ۵۷ء کو مرض میں کافی تخفیف محسوس ہوئی۔ آپؒ نے صبح کے وقت قاری اصغر علی صاحبؒ کے کمرے میں جانے کا ارادہ کیا (موصوفؒ حضرتؒ کے خصوصی معتمد اور خانگی اخراجات نیز بہت سے دیگر امور کے منتظم تھے۔ حضرتؒ شروع مہینے میں روپے عنایت فرمادیتے اور وہ علی الحساب خرچ فرمایا کرتے ، آپ کے ارادہ کو دیکھ کر ہم نے عرض کیا کہ حضرت کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ خود قاری صاحب ہی کو بلائے لیتے ہیں۔ جب قاری صاحب تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا، کیا حساب مکمل کرلیا؟ قاری صاحب نے فرمایا: جی ہاں! (ہر ماہ تقریباً ہزار ڈیڑھ ہزار کا حساب عام بات تھی) حضرتؒ نے بہت معمولی رقم عنایت فرمائی جو مشکل سے ایک دوکاندار کے حساب کو کافی ہوسکتی تھی، رقم دیکھ کر قاری صاحب نے فرمایا: اس میں کیا ہوگا؟ حضرتؒ نے بڑے اطمینان اور انتہائی استغناء سے جواب دیا کہ :

"لے جاؤ! خدا پر بھروسہ رکھو! وہی پورا کرنے والا ہے"۔

قاری صاحب اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ پھر حضرتؒ کو کچھ خیال آیا تو مجھ سے فرمایا کہ :

''دیکھو! شیروانی میں سے بٹوا لے آوٗ! میں نے بٹوا پیش کیا تو اس کو بالکل خالی کرلیا۔ شاید بیس پچیس روپے نکلے ہونگے مجھ سے فرمایا کہ لے جا! قاری صاحب کو دے آ۔ میں نے قاری صاحب کو جا کر دیدیئے۔ اس وقت اگر حضرتؒ سے کوئی چند آنے مانگ لیتا تو ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے چند آنے بھی نہ ملتے مگر اس قسم کی باتوں کا احساس ہم جیسے مادی اسباب پر سہارا رکھنے والوں کو ہوتا ہے۔ لیکن اس اللہ کے ولی کی نگاہ میں مادی وسائل ہیچ تھے اور توکل واستغناء ہی آپ کا طرہٗ امتیاز تھا''۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۱۷)

تمہیں غیروں سے کب فرصت :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اپنی حاجت کے لئے کبھی کسی سے سوال نہ فرماتے۔ اگرچہ لوگ اس بات کے خواہاں رہتے تھے کہ حضرتؒ ان سے کوئی خدمت لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ مہابیر تیاگی (سابق وزیر دفاع ہند) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رخصت ہوتے وقت کہا: حضور! میری خواہش ہے کہ آپ مجھ سے کوئی خدمت لیں۔ حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا :

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو بس ہو چکا ملنا، نہ تم خالی نہ ہم خالی

(انفاس قدسیہ)

بادشاہ اور فقیر میں جوڑ نہیں :

مفتی عزیز الرحمان بجنوری راوی ہیں۔ غالباً فروری ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے کہ اسنا (تحصیل غازی آباد) میں جلسہ تھا۔ حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے۔ راقم الحروف ساتھ تھا۔ دہلی کے ایک صاحب نے عرض کیا کہ: حضور! یہاں سے فارغ ہوکر دہلی تشریف لے چلئے حضرتؒ نے فرمایا : کیوں؟ انہوں نے کہا : صدر جمہوریہ کے یہاں چلنا ہے، حضرت نے فرمایا کہ :

''مجھے کیا ضرورت ہے کہ وہاں جاؤں۔ وہ بادشاہ ہیں میں فقیر، میرا ان کا کیا جوڑ؟ اب وہ پہلے کے راجندر پرشاد نہیں ہیں۔ اب تو وہ بادشاہ ہیں''۔

توکل کے خلاف کیا تھا اس لئے چوری ہوئی :

ایک سال قاری اصغر علی صاحبؒ نے بقر عید کے اخراجات کی غرض سے تقریباً تین سو روپے پس انداز کئے تھے۔ اتفاق سے کوئی چور روپے کی صندوقچی اٹھا کر لے گیا۔ حضرت کو معلوم ہوا فرمایا کہ :

''قاری صاحب! آپ نے توکل کے خلاف کیا تھا اسی لئے تو چوری ہوئی''۔

(انفاس قدسیہ)

سلاطین کے دربار سے مجھے کیا واسطہ ؟

حاجی احمد حسین لاھر پوری کہتے ہیں۔ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء ماہِ جون میں حضرتؒ بسلسلۂ حج وزیارتِ حرمین شریفین کیلئے تشریف لے گئے۔ میں وسط جولائی کو آخری جہاز سے روانہ ہوا، بمبئی میں ایک شناسا سے معلوم ہوا کہ ملکِ حجاز نے حضرتؒ کو آپ کی پوری جماعت کے ساتھ ریاض مدعو کیا ہے ساتھ ہی یہ بات بھی کانوں تک پہنچی کہ حضرتؒ نے جلالۃ الملک کی دعوت کو قبول فرمالیا ہے۔ مجھے مسرت ہوئی کہ میں بھی حضرتؒ کے ہمراہ ریاض جاؤں گا۔ مکہ مکرمہ میں جب حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی تمنا کا اظہار کیا آپ نے حیرت سے فرمایا کہ :

''مجھے سلاطین کے دربار کی حاضری سے کیا واسطہ؟ میں ایک گوشہ نشین فقیر ہوں، سلاطین وامراء سے تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ میری اس گفتگو کے بعد ایک صاحب نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے اس قسم کی تحریک ضرور ہوئی تھی مگر حضرتؒ اس کے لئے تیار نہ ہوئے''۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۳۵)

جامع مذہب وسیاست :

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں :

حضرت شیخ الاسلامؒ کی ایک خوبی علم وعمل، دین وسیاست، تصور وحقیقت، روز وشب کے معمولات اور ملّی وقومی تقاضوں، واجباتِ دنیا وفکرِ آخرت کا حسین امتزاج وتوازن اور کمالِ جامعیّت ہے۔

ہماری تاریخ بڑے بڑے اصحابِ علم سے، عظیم مدبّروں اور مفکّروں سے، نہایت ذہین افراد سے، ملک وقوم کے بڑے بڑے خدمت گزاروں، نہایت دینداروں، شریف دنیا پرستوں سے، عدیم المثال شاعروں سے، سراپا عمل مجاہدوں سے، شب زندہ دار زاہدوں اور عابدوں اور اپنے علم وعمل سے یا اپنے ذہن کی فکر پیمائیوں اور تخیل آفرینیوں سے ایک دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والوں سے

کبھی خالی نہیں رہی، لیکن شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے توازن و جامعیت کی شخصیت کی دید کے لئے چشمِ نرگس کو صدیوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ علم وعمل کی جامعیت کی مثال تھے۔ وہ عالم تھے، مگر صرف فکر وفلسفہ کی گتھیاں ہی نہیں سلجھاتے رہے، عملی زندگی کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا۔ زندگی کے میدان میں ان کی شخصیت سراپا عمل نظر آتی ہے، لیکن علم وفکر کی دنیا سے ان کا رشتہ اس وقت بھی قائم ہوتا تھا۔ دین کے واجبات اور سیاست کے فرائض میں ایک ایسا حسین توازن پیدا کیا تھا کہ خالص سیاسی ہنگاموں اور ہجومِ افکار واعمال میں بھی فرائض وسنن تو کیا مستحبات بھی نہ چھوٹتے تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی تصوّف وحقیقت کا مجمع البحرین تھی۔ روز وشب کے معمولات میں ''فی اللیل رھبانٌ و فی النھار فرسان'' کی مثال تھے حضرتؒ دین وسیاست کی تفریق کے قائل نہ تھے، لیکن آپ کے متوازن فکر اور جامع سیرت کا کمال یہ تھا کہ قوم اور ملت کا ہر تقاضا اور ہر کام اپنے وقت پر اور اپنے دائرے میں صحیح طور پر انجام پاتا۔

•

وہ انسان جو اپنا جی جان اور خاندان کنبہ رکھتا ہے، ان کے واجبات اور ذمہ داریوں سے کیوں کر چھٹکارا پا سکتا ہے، بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کی زندگی کی ضروریات واحتیاجات بعض اوقات انسان کو فکرِ آخرت سے غافل بھی کر دیتی ہیں لیکن ٹھیک اسی طرح آخرت کی فکر اور عبادت وریاضت کا ذوق وانہماک بھی دنیاوی واجبات وفرائض میں غفلت اور کوتاہی کا موجب ہوتا ہے۔ جامِ شریعت اور سندانِ عشق سے کھیلنا اور دونوں کے حدود برقرار رکھنا، ہر مدعیِ اتباعِ شریعت اور حقوق عباد و دنیا کے فہم وادراک کا ذوق رکھنے والے کے لئے ممکن نہیں رہتا، لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ کے لئے جام و سندان کا یہ ملاپ محض ایک کھیل تھا۔ حضرتؒ کا کمال یہ تھا کہ وہ ایک کامل درجے کی دینی واسلامی زندگی اور اس کے تمام ظاہری وباطنی لوازم کے ساتھ سیاست کے بحرِ مواج میں تختہ بندی کا عزم لے کر اُترے تھے اور اس کے پانی کی ایک چھینٹ سے اسلامی شرعی زندگی کو آلودہ اور دامن تر کیے بغیر وہ زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ (ایک سیاسی مطالعہ)

حضرت مدنیؒ جود وسخا، توکل واستغناء، زہد وتقوی، ورعفو ودرگزر، علم وعمل، مذہب و سیاست...... الغرض ہر میدان میں ایک ممتاز بلند اور نمایاں مقام رکھتے تھے وہ ہر میدان میں رہرو نہیں رہبر تھے۔ ایسے باامتیاز رہبر کے اسوہ عمل کو اپنے لیے شمع راہ بنانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

اندازِ تدریس، درسِ حدیث سے عشق وانہماک، طلبہ پر شفقت ومحبت، محدثانہ جلالتِ قدر اور بعض درسی افادات

دنیا میں سب سے زیادہ معزز، مکرم، مشرف اور افضل منصب تدریس کا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے دُکاندار، زمیندار، ملازم، ڈاکٹر، انجنیئر، خطیب، ادیب، مصنف اور سکالر بنا کر بھیجا گیا ہے، بلکہ فرمایا مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ معلّم ہونا ایک بہت بڑی نعمت، عزت، سعادت اور شرافت ہے۔ معاشرے میں معلّم کا کردار ایک اچھے مالی کے کردار کی طرح ہے، جس طرح باغ میں پودوں کی مناسب افزائش مالی کی بھرپور توجہ کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس طرح بچوں کی تعلیم اور تربیت بھی معلّم کی بھرپور توجہ کے بغیر نہیں ہو سکتی ....

شیخ مکتب ہے اِک عمارت گر
اس کی صُنعت ہے روحِ انسانی

ہمارے اکابرؒ کی ایک بڑی تعداد نے بحیثیت معلّم اسلامی معاشرے پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی بہت بڑے عالم اور قابلِ رشک و لائقِ تقلید مدرس تھے۔ خصوصاً اللہ نے علمِ حدیث میں وہ امتیازی مقام عطا فرمایا تھا، جو شاید کسی کو نصیب

ہو .... ے

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

جامعیّتِ علوم وفنون :

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں :

حضرت مدنیؒ ایک بلند پایہ عالمِ دین تھے۔ وہ اپنے دَور کے بے مثال محدّث تھے۔ درس و تدریس اور تحقیقِ حدیث میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ تدریسِ حدیث میں ان کا ایک خاص اسلوب تھا، جس نے انہیں اقران و امثال میں امتیاز بخشا تھا۔ وہ بہت بڑے فقیہ تھے اور انہیں نہ صرف فقہ کے مسائل از بر تھے، بلکہ فقہ وحدیث میں ان کا درجہ ایک محقق اور مجتہد کا تھا۔ وہ مفسر بھی تھے اور نہ صرف حروف وسواد کی رہنمائی میں بلکہ معانی کی گہرائی میں اُتر کر قرآن کے بصائر وحکم اور مسائل و احکام کی تشریح وتفسیر فرماتے تھے۔ وہ ایک زاہدِ شب زندہ دار بزرگ اور اپنے وقت کے ایک عظیم الشان شیخِ طریقت تھے، انہیں انسان کے امراضِ نفس وقلب کا پتا چلانے میں حذاقت کا کمال حاصل تھا۔ معالجۂ نفس وطبائع اور اصلاح تزکیہ میں انہیں یدِ طولیٰ (یا طوبیٰ) ملا تھا۔ تاریخِ عالم میں ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور تاریخِ معاشیاتِ ہند کے وہ ایک عظیم اسکالر تھے۔ وہ ایک بلند پایہ مصنف تھے اور افکار کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دینے اور اندازِ فکر بدل دینے والے اپنے عہد کے بے مثال خطیب بھی تھے۔ جنگِ آزادی میں انہوں نے اپنے جسم وجان اور وقت و مال کی بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ وہ ایک صاحبِ عزیمت شخص تھے۔ ان کی زندگی میں بے شمار مواقع ایسے آئے تھے، جب وہ رخصت سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے، لیکن ان کی بلند ہمتی نے رخصت کی پناہ گاہوں کی پستیوں اور ذلتوں کی طرف کبھی نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ عزائم وقت میں ان کے ذوقِ فکر وعمل کا پایہ ہمیشہ بلند رہا۔ ذوقِ میز بانی سے انہیں حصۂ وافر ملا تھا۔ وہ اپنے دَور کے علماء وامراء اور صوفیہ ومشائخ میں سب سے بڑے مہمان نواز تھے۔ عرب کے حسنِ طبیعت اور عجم کے سوز دروں سے ان کی طبیعت کا خمیر اُٹھا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے یہ تمام وہ کمالات ہیں جو حضرتؒ کی صحت وقربت رکھنے والا ہر شخص محسوس ومعلوم کر لیتا تھا اور آج بھی حضرتؒ کی زندگی کے مطالعے سے بہ آسانی ان خصائص و کمالات کا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔ (ایک سیاسی مطالعہ)

حجازِ مقدس میں درس وتدریس :

مولانا عبدالرشید ارشد نے لکھا ہے :

تکمیلِ علوم کے ساتھ ہی آپ نے مدینہ منورہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ شوال ۱۳۱۸ھ تک آپ کا درس امتیازی حیثیت سے، لیکن ابتدائی پیمانہ پر رہا۔ ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور ماہِ محرم میں ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ واپس حاضری ہوئی۔ اس کے بعد آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع ہوگیا اور طلبا کا ایک جم غفیر آپ کے گرد جمع ہوگیا۔ اہلِ علم میں حسد اور رقابت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ خصوصاً مدینہ منورہ میں کوئی ہندی نژاد عالم کا حلقۂ درس وسیع ہوجائے تو اس پر اہلِ عرب کی رقابت قدرتی طور پر زیادہ ہوتا تھی۔ چنانچہ آپ کی طرف آنکھیں اُٹھنے لگیں، ان کا خیال تھا، ایک عجمی عالم زیادہ دیر تک ہماری تنقید وجرح کا مقابلہ نہیں کر سکے گا، مگر ایک ذہین وفطین استاد جس نے شیخ الہندؒ اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ جیسے کامل الفن اور وحیدانِ عصر سے استفادہ کیا ہو، وہ کسی سے کب مات کھا سکتا تھا۔ علماء کے حسد ورقابت اور تنقید وجرح کے باوجود حضرتؒ کے حلقۂ درس میں توسیع ہوگئی اور اس قدر توسیع ہوئی کہ مشرقِ وسطیٰ، افریقہ، چین، جزائر، مشرقِ الہند تک کے تشنگانِ علم آپ کی طرف کھنچے کھنچے چلے آنے لگے اور آپ کے زیرِ درس درسیاتِ ہند کے علاوہ مدینہ منورہ، مصر، استنبول کی کتابیں رہیں۔

قدرت نے آپ کو دماغ وذکاوت کا وہ اعلیٰ درجہ عطا فرمایا تھا کہ جس کی نظیر خود آپ ہی تھے۔ نیز آپ کوئی سبق بغیر مطالعہ کے نہ پڑھاتے تھے۔ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں صرف ۳ گھنٹے آرام کرتے اور بقیہ درس ومطالعہ، نیز ذکر واوراد میں گزارتے۔ آپ دورانِ درس اپنے سامنے کتاب کبھی نہ رکھتے تھے، بلکہ طالب علم کی قرأۃ کے بعد مسائل پر تقریر فرماتے۔ حالانکہ علمائے مدینہ نہ صرف کتاب کو دورانِ درس سامنے رکھتے، بلکہ اس کی شرح بھی ہاتھ میں لے کر پڑھاتے تھے اور تقریر کے وقت عبارت شرح یا حاشیہ کی سناتے تھے، مگر حضرتؒ سب زبانی کرتے تھے۔

اس طرح آپ نے روزانہ چودہ پندرہ اسباق کا درس دیا، جس میں کتب عالیہ حدیث وتفسیر، عقائد واُصول بھی شامل تھیں۔ ان وجوہ کی بناء پر آپ کی پورے حجاز میں علمی دھاک بیٹھ گئی اور یہ صرف مطالعہ ومحنت کی بنا پر نہ تھا، بلکہ ساتھ ساتھ مجاہدہ وریاضت اور ذکر وشغل بھی جاری تھا اور فحوائے "من عمل بما علم علمهٗ الله بما لایعلم" (جو پڑھے پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ خاص

سے ایسے علوم عطا فرماتا ہے جو کسی سے پڑھنے میں نہیں آتے) آپ کو علم لدنی عطا ہوا تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ :

"منزل رابغ کی شب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی ، یہ سب سے پہلی زیارت آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پاؤں میں گر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! جو کتابیں پڑھ چکا ہوں، وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ، ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ میں نکال سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تجھ کو دیا۔ ع
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحری خیزی" ....

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ !

حق تعالیٰ نے آپ کو حجاز میں وہ عزت اور جاہت عطا فرمائی، جو ہندی علماء کو تو کیا یمنی، شامی، مدنی علماء کو بھی حاصل نہیں تھی اور آپ کی شہرت عرب سے تجاوز کر کے دیگر ممالک تک پہنچ چکی تھی اور آپ کو ۲۴ سال کی عمر میں شیخ العرب والعجم کے معزز القاب کے ساتھ سرفراز کیا گیا اور ان اطراف میں آپ ان القاب کے ساتھ مشہور و معروف ہو گئے ۔ (بیس بڑے مسلمان)

عرب کے چند ممتاز شاگرد :

آپ کے شاگردوں میں سے بہت سے تعلیم و تدریس قضا اور انتظامی محکموں کے بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئے۔ چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں :

☆ مولانا عبدالحفیظ کردی جو مدینہ منورہ میں محکمہ کبریٰ (ہائی کمانڈ) کے رکن تھے۔
☆ مولانا احمد بساطی جو مدینہ طیّبہ میں نائب قاضی رہے۔
☆ محمود عبدالجواد مدینہ میونسپلٹی کے چیئرمین۔
☆ مشہور الجزائری عالم و مجاہد شیخ بشیر ابراہیمی۔ (بیس بڑے مسلمان)

مخدومِ جہاں خادم بنے ہوئے ہیں :

طالبانِ علوم نبوت سے بہت شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے

اسارتِ کراچی کے زمانہ میں مشہور لیڈر مولانا محمد علی جوہرؒ تفسیر قرآن پڑھتے تھے اور آپ کا بے حد احترام کرتے۔ حضرت مدنیؒ میں طلبہ پر جو فطری شفقت تھی، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے :

''مولانا محمد علی جوہرؒ کو کثرتِ بول کا عارضہ تھا، جس کی بنا پر آپ نے پیشاب کے لئے برتن اپنے کمرے ہی میں رکھوالیا تھا۔ یہ برتن اکثر و بیشتر پیشاب سے بھرا رہتا تھا، لیکن مولانا محمد علی جوہرؒ جب علی الصباح بیدار ہوتے تو وہ برتن پیشاب سے خالی اور دُھلا ہوا صاف ستھرا نظر آتا۔ کافی عرصہ تک یہ معمّہ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اتفاق سے ایک رات عین اس وقت آنکھ کُھل گئی، جب کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اس برتن کو صاف کرنے کی غرض سے لئے جا رہے تھے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مخدومِ جہاں خادم بنے ہوئے ہیں''۔ (انفاس قدسیہ بحوالہ مدینہ وقومی آواز)

ہجومِ کاروافکار اور شاندار محققانہ درسِ حدیث :

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ فرماتے ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کتنی محنت اور جدوجہد سے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ اس کو وہی حضرات اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں، جو میدانِ تعلیم کے شہسوار اور منزل تحقیق وتلاش کے شناسا ہیں۔

''مجھے تو اپنے زمانۂ تعلیم میں برابر حیرت رہی کہ حضرتؒ مطالعہ کس وقت کر لیتے ہیں۔ باہر مہمانوں کا ہجوم، درجنوں خطوط کے روزانہ جوابات، بیعت ہونے والوں کو تلقین اور اَسفار کا اہتمام اور اس کے ساتھ ساتھ اتنا شاندار محققانہ درس، یہ سب کثرتِ ذکر، اتباعِ سنت اور بزرگوں کی توجہات کی برکات تھیں کہ حیرت انگیز طریقہ پر اُمورِ مہمہ کو روزانہ پوری قوت اور شوکت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ درسِ حدیث میں قرآن کے معانی بھی حل ہوتے تھے۔ سیرتِ نبویؐ کے گوشے بھی نمایاں ہوتے تھے۔ فقہ کے مسائل بھی سمجھائے جاتے تھے۔ معانی وبیان سے بھی آگاہ اور اَسماء الرجال اور علم لغت سے بھی شناسا کیا جاتا تھا۔ تاریخ وجغرافیہ سے بھی تعلق پیدا کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ دارین کے فوائد مرتب ہوتے تھے اور یہیں سے تزکیۂ نفس اور احسان وتصوف کی بھی لگن پیدا ہو جاتی تھی''۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۰)

حضرت مدنیؒ سے اللہ نے علمِ حدیث میں خصوصاً وہ عظیم خدمت لی جس کو برسوں تک بطورِ

مثال یادر کھا جائے گا۔حدیث آپ کا اُوڑھنا بچھونا تھی۔

درسِ حدیث کے لئے تکالیف کا تحمّل :

حضرت مولانا فضل الکریم صاحبؒ راوی ہیں :

شدید گرمیوں کا زمانہ ہے۔ دوپہر کے بارہ بج چکے ہیں اور حضرتِ شیخؒ پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود دارالحدیث سے سبق پڑھا کر مکان پیدل واپس تشریف لے جارہے ہیں۔ چھتری پیش کی جاتی ہے، تو اس کو لینے سے انکار فرمادیتے ہیں۔ بارش کے زمانہ میں راستہ کیچڑ آلود ہوتا، آسمان سے ترشح ہو رہا ہے، لیکن حضرتؒ دارالحدیث کی طرف جارہے ہیں، کپڑے پر کیچڑ پڑ رہی ہے۔ اس کی جانب کوئی توجہ نہیں، ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں چھتری ہے۔ کس کی ہمت ہے کہ چھتری پکڑ سکے، سواری پیش کی جاتی ہے، تو اس سے بھی انکار فرمادیتے ہیں۔ ناصر تانگہ والا تانگہ لے کر کھڑا ہے! طلبہ گذارش کر رہے ہیں کہ راستہ کیچڑ آلود ہے، تانگہ پر تشریف رکھئے، مگر سنئے حضرتؒ کیا جواب دیتے ہیں' فرماتے ہیں کیچڑ سے ہم پیدا ہوئے، اگر اسی میں جاملیں تو کیا ڈر ہے۔ ایک دن ناصر تانگہ والے کی برکت لینے کی تمنا اور طلبا کے اصرار کو دیکھتے ہوئے مان گئے، لیکن دوسرے دن کہیں جانا تھا، ناصر تانگہ والا حاضر ہوا، تو اس کے تانگہ پر اس وقت سوار ہوئے جبکہ یہ شرط تسلیم کرالی کہ وہ درسگاہ تک لے جانے کے لئے آئندہ کبھی نہ آئے گا۔ آخر جب کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تو ایک دن مکان سے درسگاہ تک (جس کا فاصلہ تین چار سو قدم کے درمیان ہے) تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں شمالی گیٹ پر ضعف کی وجہ سے دربانِ دارالعلوم کی نشست گاہ پر بیٹھ گئے۔ اسی واقعہ کے بعد ایکسرے کی غرض سے سہارنپور تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لانے کے بعد طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! کچھ دنوں کے لئے سبق موقوف فرمادیں تو آپ نے جواب دیا کہ :

> ''لڑکوں کو شرارت سوجھتی رہتی ہے۔ یہ نہ پڑھنے کا بہانہ ہے، مجھے تو سبق پڑھانے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی، البتہ آنے جانے میں ذرا تکلیف ہوتی ہے''۔

راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرتؒ! سواری کا انتظام قبول فرمایئے، تو فرمایا: ''ہاں یہاں تک آنے جانے کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام کرلو''۔ یہ وہ دن تھا، جس روز سِول سرجن نے انتہائی تاکید کی تھی کہ رات کو درس نہ دیا جائے۔ حضرت شیخؒ نے ڈاکٹر کا مشورہ قبول تو فرمایا، مگر وہ اس طرح کہ بجائے شب کے نمازِ عصر کے بعد سلسلۂ درس شروع فرمادیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۴)

اہلیہ کی تدفین سے فراغت کے بعد درسِ بخاری :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ اکثر کوشش فرماتے کہ سبق کا ناغہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے آپ کے آفتابِ علم کی ضیا پاشیوں سے لاکھوں طالبانِ علومِ حدیث کے قلوب منور رہوئے ...... ؎

داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے
گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

مولوی حکیم ضیاء الدین صاحب (ہر دوئی) بیان کرتے ہیں کہ جب صاحبزادہ مولانا سید اسعد صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا، تو بعد فراغت تدفین حضرت ؒ کے آستانہ پر کُل اساتذہ اور عمائدین مجتمع ہوئے ۔ حضرت ؒ نے کچھ دیر کے بعد دارالحدیث کا رُخ فرمایا۔ مجمع میں ہلچل پڑ گئی۔ تمام حضرات نے سمجھایا کہ حضرت ؒ اس وقت درس ملتوی فرما دیجئے ، صدمہ بالکل تازہ ہے اور اس سے دل و دماغ کا متاثر ہونا قدرتی امر ہے، مگر حضرت ؒ نے دارالحدیث میں پہنچ کر بخاری شریف کا درس شروع فرما دیا۔ صدر مہتمم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ نے جب کر دوبارہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ، لیکن صرف یہ جواب تھا کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر اطمینانِ قلب اور کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے؟ (شیخ الاسلام نمبر ص ۵۷)

زندگی کے آخری اسباق :

مولانا افضال الحق قاسمی رقمطراز ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ ۲۸ / محرم الحرام ۷۷ ۱۳ ھ کو بخاری شریف جلد اوّل کا سبق پڑھا کر اُٹھے تو فرمایا :

تم لوگ سبق میں سوتے ہو اور میری ٹانگیں سوتی ہیں ۔ اسی دن سے حضرت ؒ کی نقل و حرکت مکان تک محدود ہو کر رہ گئی اور طلباءِ درس کو پھر آپ کے فیض سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ اس (مرض وفات کے) سال حضرت ؒ نے کل تریسٹھ سبق پڑھائے ۔ بخاری شریف جلد اول میں ایک چلّہ یعنی چالیس یوم پورے ہو گئے تھے اور بخاری شریف جلد ثانی کے تئیس (۲۳) اسباق پڑھائے تھے ۔ حضرت ؒ کی زندگی کے یہ آخری اسباق تھے ۔ حضرت کے خلفِ اکبر مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہٗ کی جانفشانی اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کے حُسنِ انتظام سے شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کی سینتیس (۳۷) درسی تقاریر ریکارڈ کر لی گئیں ۔ جو آنے والے طلبہ کے لئے انشاء اللہ یادگار علمی سرمایہ ثابت ہوں گی ۔

کثرتِ درود اور دیوبندی :

درسِ بخاری شریف میں ارشاد فرمایا کہ

"اہل بدعت دیوبندیوں کو کافر اور دشمنِ رسول سمجھتے ہیں، حالانکہ جتنا درود دیوبندی پڑھتے ہیں، کوئی دوسرا نہیں پڑھتا۔ مثلاً اس دارالحدیث میں تقریباً دو ڈھائی سو طلباء شریکِ درس ہیں اور صبح سے شام تک یہاں درسِ حدیث ہوتا ہے اور ہر حدیث میں تقریباً دو تین جگہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا ہے، جس پر حاضرین درود شریف پڑھتے ہیں اگر تمام اوقات کے درود شریف کو شمار کیا جائے تو تعداد حیرت انگیز حد تک پہنچ جائے گی اور یہی سلسلہ تقریباً بارہ مہینے جاری رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے تمام خطوں سے زیادہ یہاں درود شریف پڑھا جاتا ہے"۔ (انفاس قدسیہ)

بعض جنات بھی حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے :

حضرت مولانا شرافت علی لکھتے ہیں :

مجھے حضرت مدنیؒ کے زیرِ سایہ تقریباً چار سال رہنے کا شرف نصیب ہوا، جس میں دورۂ حدیث کا بھی ایک سال شامل ہے۔ ایک مرتبہ دورانِ درسِ حدیث حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک سال میں سلہٹ پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک لڑکا ہے، جو اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس لڑکے کے والد عامل تھے، جو تسخیر جنات وغیرہ کا کام کرتے تھے۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ اس قسم کے عاملین سے جنات دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں، لیکن خلافِ معمول ان کے بچے کو جنات نے والد کی زندگی ہی میں اپنی تحویل اور تربیت میں لے لیا تھا اور جنات اس کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے تھے۔ یہ ایک دبلا پتلا اور نحیف ولاغر بچہ تھا، جب اسکول کے بچے اس سے تازہ مٹھائی یا بے موسم پھل کا مطالبہ کرتے تو وہ دام ایک رومال میں باندھ کر انار کے درخت میں لٹکا دیتا، جو اسکول کے احاطہ ہی میں ایک طرف واقع تھا، تھوڑی دیر کے بعد جب رومال کو اتار کر کھولتے تو اس میں سے مطلوبہ مٹھائی یا پھل برآمد ہوتا تھا۔ مقامی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اس لڑکے سے اس کے اسکول کے ساتھی اس طرح کی تفریح کیا کرتے ہیں۔

میرے سلہٹ پہنچنے کے بعد جب اس سے میرا ذکر کیا گیا، تو اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اگر اپنے موکل سے ملاؤ تو ہم تم سے ملاقات کریں۔ لڑکا اس پر آمادہ ہو گیا اور

غالباً مغرب کے بعد کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ میں مولانا جلیل احمد صاحب اور بعض مقامی حضرات کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ جنوب رویہ ایک دالان کے دروں پر چادر تان دی گئی تھی، جس طرح کہ عورتوں کیلئے پردہ کیا جاتا ہے۔ اندرون پردہ قریب ہی ایک تخت بچھا ہوا تھا اور اس پر لیمپ روشن تھا۔ پردہ کے باہر ہم لوگوں کی نشست کے لئے کچھ فاصلے پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔ لڑکے نے تخت پر بیٹھ کر ایک رکوع تلاوت کیا اور اس کے بعد روشنی دھیمی ہو گئی، لیکن پھر بھی پسِ پردہ لڑکا بیٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک دراز قد سایہ سا لڑکے کی جانب بڑھتا ہوا نظر آیا اور سلام کر کے لڑکے کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سلام کی کیفیت بھی عجیب تھی، جس کو الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک جھنجھناتی ہوئی جھرجھری باریک اور تیز آواز جس میں مجھ سے خطاب تھا (یعنی السلام علیکم یا مولانا کہہ کر مجھے مخاطب کیا) کچھ دیر تأمل کے بعد میں نے کہا کہ ہم لوگ آپ کو بے حجاب دیکھنا چاہتے ہیں، آپ سامنے بے حجاب تشریف لائیے۔ مگر وہ اپنے اسی جناتی لہجہ میں بولے کہ یہ چیز ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہم بغیر کسی آڑ کے سامنے آنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ انہوں نے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا! آپ نے وقت موعود میں دیر کر دی، جس کا میں نے اعتراف کیا اور معذرت کی۔ بولے ایک مرتبہ ہم دیوبند گئے تھے۔ یہ مولانا جلیل احمد صاحب قدوری پڑھا رہے تھے اور ہمارے بعض ساتھی آپ کے شاگرد بھی ہیں۔

سب باتوں کے بعد میں نے کہا کہ گورنمنٹ برطانیہ سے ہماری لڑائی ہو رہی ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں اور وہ ہمیں غلام رکھنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارا یہ مطالبہ حق ہے اور ان کا ہمارے اوپر تسلط ناجائز اور ظلم ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ ...... جواب دیا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔

پھر وہ اجازت طلب کر کے حسبِ سابق سلام کرتے ہوئے اسی طرح رخصت ہو گئے۔ ہمیں صرف آدمی کی شکل کی پرچھائیں معلوم ہوئی اور کچھ نہیں۔ ہم نے سلام کا جواب دیا۔ لڑکے نے لیمپ کی بتی ابھاری، دالان روشن ہو گیا اور ہم وہاں سے چلے آئے۔ (انفاسِ قدسیہ)

ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے درسِ حدیث میں اگلی صفوں کو خالی کرایا گیا اور طلبہ کو پیچھے بٹھا دیا گیا۔ دورانِ درس طلبہ بار بار اور بہ اصرار تقاضا کرنے لگے کہ ایسا کیوں کیا گیا، تو حضرت مدنی نے ایک مرتبہ جب اصرار بڑھا تو راز اُگل دیا اور یہ شعر پڑھا ......

ہیں سامنے بیٹھے میرے طفلانِ پری رو
اور بیچ میں بیٹھا ہے میرے دل کا کھلونا

اس سے سامعین کو اندازہ ہو گیا کہ پہلی صفیں جنات کے لئے خالی کرادی گئیں تھیں۔

درسِ حدیث کی خصوصیات :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے کئی سال تک مسجد نبوی میں درسِ حدیث دیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں علماء کی کثرت ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ میں حضرت مدنی ؒ کا طرزِ تدریس امعان وتعمق کا ہی ہوا کرتا تھا اور دارالعلوم دیوبند میں جب صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی مسند سنبھالی تو ابتدا میں چھ ماہ تک بطریقِ امعان وتعمق حدیث کا درس دیا کرتے تھے، پھر سال کے آخری تین چار مہینوں میں بحث وحل کے طرز پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ محدثین کے ہاں سماع کے دو طریقے رائج ہیں۔ سماع عن الشیخ اور قرأۃ علی الشیخ۔ حضرت مدنی ؒ کے ہاں دونوں طریقے رائج تھے۔ سال کی ابتدا میں عموماً شاگردوں میں سے کوئی شاگرد حدیث پڑھتا اور حضرت مدنی ؒ حدیث کی تشریح فرمادیا کرتے اور سال کے آخر میں حضرت مدنی ؒ خود قرأتِ حدیث کرتے اور شاگرد سنتے رہتے۔ ذیل میں حضرت مدنی ؒ کے درسِ حدیث کی خصوصیات اور جھلکیوں کا نمونہ پیشِ خدمت ہے۔

۱) حضرت مدنی ؒ کی تقریر بہت صاف اور اس کی رفتار بہت آہستہ ہوتی تھی۔ ایک ایک کلمہ اور ہر کلمہ کا ایک ایک حرف نہایت متین آواز میں زبان مبارک سے نکلتا اور سننے والے کو مطمئن کر دیتا۔ مشکل مقامات کو سادہ مثالوں سے حل کرتے۔ اس لئے ذہین طلبہ تو مستفید ہوتے۔ غبی طلبا بھی اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہو جاتے۔

۲) جب کسی مسئلہ میں حدیث کی توجیہہ بیان کرتے اور توجیہات متعدد ہوتیں، تو ان کو شمار کر کے بیان فرماتے۔

۳) سال کے ابتدا میں صحیح بخاری و جامع ترمذی میں سے ہر ایک کتاب کو شروع کرتے وقت مصنفِ کتاب تک اپنی سند بیان کر دیتے۔ اس سند کے تین حصے تھے۔ حضرت مدنی ؒ سے شاہ محمد اسحاق ؒ تک، شاہ محمد اسحاق ؒ سے شیخ عمر بن طبرزد بغدادی ؒ تک، عمر بن طبرزد ؒ سے امامِ ترمذی ؒ تک۔

۴) حضرت مدنی ؒ اپنی تصنیف ''نقشِ حیات'' میں لکھتے ہیں۔ میں نے اپنی ہمیشہ سے یہ عادت رکھی تھی کہ جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آئے تو علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ و السلام یا علیہ السلام

کہوں۔ اگر کسی صحابی کا نام تنہا آئے تو رضی اللہ عنہ کہوں، اگر سندِ حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آئے تو رضی اللہ عنہ و عنھم کہوں، اگر ائمہ مذاہب اور علماء اولیاء سلف کا نام تنہا آئے تو رحمۃ اللہ علیہ اور چند کا نام آئے' رحمھم اللہ کہوں، خواہ وہ اپنے مذہب کے ہوں یا شافعی، مالکی حنبلی وغیرہ کے ہوں، بشرطیکہ اہل سنت والجماعت ہوں۔ دورانِ درسِ حدیث تصوف کے بہت سے مسائل کو بھی بیان فرماتے تھے۔

مذہبِ حنفی کی تائید :

مولانا قاسم علی بجنوری الجمعیہ شیخ الاسلام نمبر میں حضرت مدنی ؒ کے درسِ حدیث کی علمی خصوصیات کے متعلق لکھتے ہیں :

حضرت مدنی ؒ قرأتِ حدیث مع اسنادِ حدیث کے متعلق تحقیق فرماتے۔ رواۃ پر فن اَسماء الرجال کی حیثیت سے بحث فرماتے اور جرح وتعدیل فرماتے۔ مناسب مواقع پر اَسماء الرجال کی حیثیت سے بحث فرماتے۔ صحابہ کرامؓ میں سے جب کسی صحابی کا ذکر آتا تو ان کی خصوصیات ذکر فرماتے۔ اس کے بعد متنِ حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھاتے کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ حدیث میں جو مشکل الفاظ آتے تھے، اس کی لغوی تحقیق فرماتے۔ حدیث کے مراتب صحیح حسن وغیرہ بیان فرماتے۔ حدیث پر کوئی اعتراض وارد ہوتا تو اس اعتراض کو بوضاحت بیان فرماتے اور اس کے چند قوی جوابات جو مستند ہوں بیان فرماتے۔ اگر کوئی حدیث اختلافی مسئلہ سے متعلق آتی تو تفہیم حدیث کے بعد اختلافِ ائمہ بیان فرماتے اور پھر ہر امام کے جُملہ دلائل بالتفصیل بیان فرماتے اور سب سے آخر میں مذہبِ حنفیہ کو حدیث سے مطابق فرماتے تھے۔ اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ حنفی مذہب احادیث نبوی کے بالکل مطابق ہے۔

طلبہ کی ناز برداریاں :

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی ؒ اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

حضرت مدنی ؒ یوں تو سب ہی کے لئے ہمہ وقت سراپا شفقت ورحمت تھے، لیکن دورانِ درس یہ صفت اپنے منتہٰی کو پہنچی ہوئی نظر آتی تھی۔ طلبہ کے لئے ان کے ہر جا و بے جا سوالات نیز تک اور بے تک کے اعتراضات کے جوابات نہایت انبساط اور خندہ پیشانی کے ساتھ دیتے اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی کی خوش نصیب سے مزاح بھی فرمالیتے۔ خاص طور پر رات کے وقت سبق پڑھاتے ہوئے یہ وصف اتنا بڑھ جاتا کہ تھوڑے وقفہ کے بعد مجلسِ درس قہقہہ زار بن جاتی۔ خاص طور پر جب کسی طالب علم کے بارہ

میں حضرت ؒ کو مطلع کیا جاتا یا وہ خود دیکھ لیتے کہ فلاں اونگھ یا سو رہا ہے، تو حضرتؒ نہایت ظریفانہ انداز میں بآواز بلند اس طالب علم کا نام لے کر مخاطب فرماتے اور حکم دیتے کہ اٹھئے جایئے وضو کیجئے، اگر کوئی گہری نیند میں ہوتا تو اسے صدر النائمین جیسے القاب سے یاد کیا جاتا۔

طلبہ کو بھی اپنے شیخ اور ان کے درسِ حدیث سے عشق تھا :

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مدنیؒ دور دراز کے پُر مشقت سفر سے تھکے ہارے واپس آتے اور تھوڑی دیر بھی آرام کئے بغیر دار العلوم آجاتے۔ گھنٹہ بجتا، طلبا جمع ہو جاتے اور سبق شروع ہو جاتا۔ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کس مٹی کے بنے ہوئے تھے، جو گرمیوں کے دنوں کی لو اور جُھلسا دینے والی دھوپ کے بعد آنے والی راتوں کی ٹھنڈی ہواؤں کو نظر انداز کر کے اور جاڑوں کے گرم گرم لحافوں کو چھوڑ کر آنکھیں ملتے اور نیند کو بھگاتے ہوئے گھنٹے کی آواز سنتے ہی شیخؒ کے درس میں حاضر ہو جاتے تھے۔ شیخ تو اپنے احساس فرض و ذمہ داری سے مجبور ہو کر اپنے آرام کو تجتے تھے، لیکن ان کے شاگردوں کے دل میں کونسا جذبہ کار فرما تھا کہ وہ اپنے شیخ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی کچی نیندوں سے جاگ کر دوڑتے بھاگتے درس گاہ میں پہنچ جاتے تھے۔ ایسا ہونا بلکہ بار بار ہونا کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ ان کو اپنی میٹھی نیند سے زیادہ اپنے شیخ کی زیارت ان کی مصاحبت اور درس میں شرکت محبوب تھی۔

سبق بند کرو، میں بھوکا ہوں :

ایک روز دن کے بارہ بج چکے تھے اور حضرتؒ کی تقریر جاری تھی۔ طلبہ گوش برآواز تھے اور حضرتؒ بھی پورے انہماک کے ساتھ حدیث پر کلام فرما رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں جوں جوں آگے بڑھ رہی تھیں، ہمارے ایک طالقانی (تہران کے چھوٹے قصبے کا نام ہے) ساتھی کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی، لیکن ہم میں سے کسی کو اس کا احساس نہ تھا، جب ایک حدیث پر کلام ختم کرنے کے بعد حضرتؒ نے تلاوتِ حدیث کرنے والے طالب علم کو آگے پڑھنے کا حکم دیا تو طالقانی ساتھی نے اپنی گرج دار آواز میں شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، سبق بند کرو۔ شیخ کے ساتھ تمام طلباء کی نگاہیں بھی طالقانی کے چہرے پر جم گئیں۔ ایک طرف طلبا کے چہروں پر طالقانی کی اس گستاخی اور حد سے بڑھی ہوئی جرأت پر ناگواری کے اثرات نمایاں تھے، تو دوسری طرف شیخ الاسلامؒ کا چہرہ ہر قسم کی ناگواری و گرانی کے تاثر سے پاک، شیخ نے مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں طالقانی سے سوال کیا، سبق کیوں بند کروں۔ طالقانی نے جواب دیا۔ میں بھوکا ہوں۔ حضرتؒ نے اپنی مسکراہٹ کچھ اور گہری کرتے ہوئے فرمایا، میں

بوڑھا آدمی ہو کر بھوکا بیٹھا پڑھا رہا ہوں، تم جوان ہو کر بھوکے نہیں پڑھ سکتے۔

طلبہ نادم و شرمسار مگر شیخ کے لحاظ میں طالقانی کو روک بھی نہیں سکتے تھے۔ طالقانی کو بھی حالِ دل سُنانے کا بہترین موقع ملا تھا، وہ طلبہ کی برہمی کو خاطر میں لا کر شیخ کی عنایتوں سے اپنے کو محروم کیوں کرتا۔ طالقانی نے شیخ کے جواب میں کہا، تم صبح اچھا اچھا ناشتہ کر کے گھر سے آتا ہے، ہم صبح سے بھوکا پڑھتا ہے۔ طالقانی کا جواب سُن کر شیخ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کتاب بند ہوگئی اور سبق ختم ہونے کا اعلان کیا گیا۔ پھر شیخ اپنے اس طالقانی طالب علم کو مدنی منزل لے گئے۔ اس کو اپنی خصوصی نگرانی میں کھانا کھلایا اور تاکید کے ساتھ یہ حکم فرمایا کہ کل صبح سے تم صبح کا ناشتہ میرے ساتھ کرو گے۔

(حیات کارنامے ص۴۴۰)

حدیثِ یار کا تکرار :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے دارالعلوم دیوبند میں صحیح بخاری اور سنن ترمذی کا درس تیئس (۲۳) سال تک دیا۔ آپ سے بطورِ شاگرد کے سماعِ حدیث کرنے والوں کی تعداد ۴۴۸۳ ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے پہلے آپ نے سلہٹ میں چھ سال تک درسِ حدیث دیا۔ اس سے پہلے مدینہ منورہ میں تقریباً ۱۲ سال تک درسِ حدیث دیتے رہے۔ گویا ۵۰ سال تک حدیث پڑھائی .... ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الّا حدیثِ یار کہ تکرا مے کنیم

حدیث میں آپ سے نسبت رکھنے والے تلامذہ کی تعداد چھ ہزار تک ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے درسی افادات میں سے دو حدیثوں کی تشریح نذرِ قائین ہے تاکہ درسِ مدنی ؒ کے چند نمونے قارئین کے سامنے آجائیں، ورنہ .... ؎

وہ عمر بھر کے لئے اتنا کام چھوڑ گئے
بیاض دہر پہ بس اپنا نام چھوڑ گئے

حدیث بدأ الاسلام غریباً کی تشریح :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ فرماتے ہیں، ہماری اردو زبان میں غریب کا ترجمہ مسکین و غریب کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ شخص غریب ہے، جس کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ مگر عربی زبان میں یہ معنی نہیں

ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے مردوں میں سے ابوبکر صدیقؓ، جو مکہ معظّمہ میں بڑے تاجروں اور مالداروں میں سے تھے۔ غریب عربی میں اوپرے شخص کو کہا جاتا ہے، یعنی وہ شخص جو کہ مشہور اور معروف نہ ہو، لوگ عام طور پر اس کو جانتے اور پہچانتے نہ ہوں۔ خواہ مالدار ہو یا مسکین و نادار۔ اس وجہ سے مسافر کو غریب کہتے ہیں کیونکہ پردیسی ہونے کی وجہ سے لوگوں کی پہچان میں نہیں آتا، جو چیز نادر الوقوع ہوتی ہے، اس کو بھی غریب کہتے ہیں، کیونکہ قلیل الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ مشہور و معروف نہیں ہوتی۔ اس میں غرابت وندرت آجاتی ہے۔ لوگ اس سے مانوس نہیں ہوتے۔

نیز اس حدیث میں اسلام کو ذوالحال قرار دیا گیا ہے، جو مجموعہ احکام عقائد و اقرار و اعمال سے عبارت ہے، یعنی دینِ اسلام غریب تھا نہ کہ اہل اسلام، اگر اہل اسلام کی غربت مراد ہوتی، جیسا کہ اردو والے اور آپ کے لوگ یہاں کہتے ہیں، تو جانب ذوالحال میں لفظ اہل کہا جاتا یا المسلون کہا جاتا اور حالت حال میں غربا کہا جاتا۔ غرض کہ اس توجیہ پر لفظِ غریب کے معنی اوپرے اور غیر مانوس و بے گانہ کے ہوں گے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ غریب بمعنی تنہا، قلیل اور اکیلے کے ہیں۔ مجمع البحار ج ۳ ص ۱۱ میں ہے۔ ان الاسلام بدأ غریبا ای کان فی اوّل مرة کوحیده اهل عنده لقلة المسلمین و سیعود ای یقلون فی آخر الزمان فطوبیٰ ای الجنة للغربا ای للمسلمین فی اوّله و آخره لصبرهم علیٰ اذی الکفار ولزومهم الاسلام۔

اس توجیہ پر حال تشبیہ بلیغ کی صورت میں واقع ہوگا۔ بخلاف توجیہ اوّل کے وہاں حالت حقیقی تھی۔ بعض حضرات نے غریب کی توجیہ نزاع قبائل کے ساتھ کی ہے، یعنی ہر قبیلہ کے اکادکا لوگ۔ بعض نے غریب سے مہاجر مراد لیا ہے، یعنی ایمان کی ابتدا مہاجرین سے ہوئی اور آخر میں بھی انہیں میں لوٹ آئے گا، جبکہ ایمان تمام دنیا سے سمٹ کر مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں قرار پکڑے گا۔

خلق اللّٰہ آدم علیٰ صورته کا معنیٰ :

ارشاد فرمایا: یہ روایت بہت قوی ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہئے اور وہ لفظ آدم ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدمؑ کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ایسا نہیں ہوا، جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے، تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے، مگر حضرت آدمؑ کی خلقت دفعی ہے۔ اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے، اگر چہ یہ طریقۂ عربیہ کے خلاف ہے، تاہم کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ **الّا تفعلوہ تکن فی الارض فتنۃ و فساد کبیر** اور **تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا** ۔ ضمیر تسبحوہ بعد مذکور کی طرف راجع ہے۔ البتہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ باری عز اسمہ صورت وشکل سے منزہ ہے...... **لیس کمثلہ شی** ۔ ذی صورت کے لئے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بشکل شی محیط ہے وہ محاط نہیں ہوسکتا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے، جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کے لئے کہا جاتا ہے۔ **صورۃ المسئلۃ کذا او کذا ای صفتھا کذا و کذا** ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور حضرت آدمؑ کو اپنی تمام صفاتِ کمالیہ میں سے حصہ دیا۔ ان کے **ظلال و عکوس بتمامھا** اس میں رکھ دیے اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں؛ جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے، اس طرح آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عزہ اسمہ بنائے گئے۔ اس لئے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہوئے، کسی کا نائب وہی شخص ہوسکتا ہے جو کہ منیب کے صفات خاصہ کا کم وبیش حامل ہو، آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع و چراغ ہوسکتے ہیں، شجر حجر نہیں ہوسکتے۔

(مکتوبات ص ۱۷۴)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے درسِ حدیث اور احادیث کی تشریحات کو اگر لکھا جائے تو الگ کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ ان دو احادیث کی تشریح سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علمِ حدیث اور اس کے حقائق، دقائق اور معارف سے آپ کو کس قدر گہری نسبت تھی۔

بخاری شریف متناً وسنداً یاد تھی :

میرے مربی و شیخ محدثِ کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا بیان ہے کہ استاذ المکرّم شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ایک مرتبہ بخاری پڑھا رہے تھے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ دارالحدیث میں تشریف لا کر طلباء کے ساتھ شیخ کے پسِ پشت بیٹھ گئے۔ حضرت مدنیؒ اس وقت بخاری کی عبارت خود بھی پڑھ رہے تھے اور اس پر بحث بھی کر رہے تھے اور ان کے پاس بجائے بخاری کے قسطلانی کی باریک حروف کا نسخہ تھا جو آسانی سے نظر نہیں آتا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے سبق پڑھا کر جب فارغ ہوئے، حضرت لاہوریؒ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا، آپ محسوس نہ کریں دارالحدیث میں آپ کی آمد مجھے محسوس نہ ہوسکی۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے سبق پڑھانے کے دوران نیند آ گئی تو

اس واقعہ سے ہم نے اندازہ لگایا کہ غالباً شیخ مدنیؒ کو بخاری متناً وسنداً یاد ہے، اگرچہ آپ نے خود کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ (حقائق السنن ج ا ص ۳۴۲)

حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے، مجھے اپنے استاذ شیخ مدنیؒ کا اندازِ تدریس بے حد پسند تھا۔ حدیث کا جو فیض اور افادہ ہمارے شیخ مدنیؒ کے ذریعہ ہوا، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ فرمایا کرتے، میں نے علماء کی زیارتیں کی ہیں، کئی مدرسین علماء کے حلقۂ درس میں شمولیت اور رشتہ تلمذ کی سعادتیں نصیب ہوئی ہیں، مگر جو امتیازی صفات حضرت مدنیؒ میں دیکھے، وہ کہیں دوسری جگہ نظر نہ آئے ....

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

اب نہ کہیں نگاہ ہے اور نہ کوئی نگاہ میں۔ حدیث کی اشاعت تدریس اور خدمت کے سلسلہ میں حضرت مدنیؒ کی مساعی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

☆ ☆ ☆

خوفِ خدا، تقویٰ، ایثار و توکّل، اعلیٰ اخلاق اقدار، خدمتِ خلق اور مہمان نوازی

تقویٰ کے معنی ہیں نافرمانی، بغاوت، معصیت، سرکشی اور تمرد کے تقاضے کے باوجود ربِّ ذوالجلال کے ڈر اور خوف سے گناہوں کو ترک کر دینا۔ نفسِ امارہ انسان کا دشمن ہے۔ جب اس کو اپنی غذا (معصیت، نافرمانی اور بغاوت) نہیں ملتی تو تڑپتا ہے۔ اس کے تڑپنے پر نفس مطمئنہ خوش ہوتا ہے۔ یہاں سے تقویٰ پروان چڑھتا ہے۔ تمام فرشتے معصوم ہیں لیکن متقی نہیں کیونکہ متقی وہ ہے جس کو گناہ کا تقاضا ہو اور وہ اس کو روکے اور فرشتوں میں بُری خواہش ہے ہی نہیں۔ فرشتے جانتے ہی نہیں کہ گناہ کس چیز کا نام ہے؟ یہی وجہ ہے کہ انبیاء ورسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلۃ الذہب میں فرشتوں کا ذکر نہیں۔ فرشتے نبی بن کر نہیں آتے کیونکہ ان میں تقاضائے بشریت کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ انسان جب خواہشات، نفسانیت اور سِفلی جذبات سے مغلوب ہو کر بھی گناہ نہیں کرتا تو اس پر انعامات کا حق دار ٹھہرتا ہے۔ قیامت کے دن متقی ربِّ ذوالجلال کی بارگاہِ قدس میں عرض کرے گا۔ بارِ الہا! .... ے

میں نے لیا ہے داغِ دل، کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

ہمارے اکابر کو جو عظمتیں، رفعتیں اور عزتیں ملیں وہ تقویٰ کی برکات ہیں، انہوں نے رب کو راضی کرنے کیلئے دنیاوی خواہشات، سہولیات اور اپنی آسائشیں قربان کر دیں۔

توڑ ڈالے مہ و خورشید ہزاروں ہم نے
تب کہیں جاکے دکھایا رُخِ زیبا مجھ کو

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کو اللہ نے علمی عظمتوں، تدریسی رفعتوں اور سیاسی کمالات کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور دیانت کی لازوال دولت سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔

اعلیٰ اِنسانی اقدار و اخلاق :

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ حضرت مدنی ؒ کے ''اعلیٰ اِنسانی اقدار و اخلاق'' پر تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

''شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے فضل و کمال، مرتبہ و مقام پر گفتگو تو وہ کرے، جو خود بھی کچھ ہو، مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولاناؒ کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمتِ خلق کا عشق ہے۔ کہتا ہوں اور گویا خانہ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں، بہترین رفیقِ سفر ہیں، مہمان ہوں، تو آپ کی میزبانی میں اپنے معمولات کو ترک کر دیں گے۔ روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرضدار ہو جائیں گے، لیکن آپ کی حاجت ضرور کہیں سے پوری کر دیں گے۔ خدانخواستہ بیمار پڑ جایئے تو تیمارداری میں دن رات ایک کر دیں گے، نوکری کی ضرورت پیش آئے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو، کسی امتحان میں بیٹھ جایئے تو سفارشناسوں میں اور عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے، نہ اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا، جس طرح بھی ہوگا، آپ کا کام نکالنے پر تُل جائیں گے۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں، اپنے خوردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں، حالیؔ کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں'' ....

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

(بیس بڑے مسلمان)

مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا :

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے ''نقوش وتأثرات'' میں کیا خوب لکھا ہے :

'' مخدوم خادم بنا ہوا تھا اور جس کا منصب آمر ہونے کو تھا، وہ فخر ومسرت اپنی ماموریت میں محسوس کرر ہا تھا۔ دیو بند جائیے تو مولاناؒ سٹیشن پر پیشوائی کیلئے موجود، چلنے لگیں تو سٹیشن تک مشایعت پر آمادہ، کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو خود لوٹا لئے ہاتھ دھلانے کو کھڑے، پانی مانگیے تو گلاس لیے حاضر، سفر میں ساتھ ہوتو تانگہ کا کرایہ اپنے پاس سے دے دیں، ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر لے آئیں، ہوٹل میں کھائیں تو بل وہ خود ادا کریں، آپؒ کا ہاتھ اپنی جیب میں ہاتھ ٹٹولتا ہی رہ جائے۔ بستر بھی وہ کھول کر بچھا دیں، غرض یہ کہ مالی اور بدنی چھوٹی بڑی خدمت کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی تھیں، ان سب میں آپ کو پیش پیش دیکھا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے شعر کہا تو تھا، اپنے شیخ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرنگی محلی کے حق میں، مگر صادق مولانا مدنیؒ پر بھی لفظ بہ لفظ آرہا تھا ...... ؎

ان کا کرم ہے ان کی کرامت ہے ورنہ یاں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی !

آپؒ کے لوٹے میں پانی لے آئیں۔ آپؒ کا سامان اپنے ہاتھ سے اُٹھانے لگیں، تین دن قیام دیو بند میں، روایتین مشاہدہ بن کررہیں، اور شنیدہ دیدہ میں تبدیل ہوگئیں، تکلفات اور خاطر میں، مہمان نوازیاں کھانے پر کھانے، چائے پر چائے، دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو، جو مولاناؒ کو دوسروں کا کام کرنے میں آتا تھا''۔

مشتبہ گوشت سے پرہیز :

جزیرۂ مالٹا میں بہت سے مسلمان قیدی تھے، ان میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور کئی دوسرے علماء بھی تھے۔ قیدیوں کو جو گوشت دیا جاتا تھا اس کے بارے میں یہ

بات تقریباً یقینی سی تھی۔ کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں ہے۔ یہ گوشت آسٹریلیا اور دیگر ممالک سے درآمد کیا جاتا تھا۔ اور برف خانوں میں اس کے ذخائر برسوں سے محفوظ تھے، چونکہ اس کے بارے تقریباً یہ بات یقینی تھی کہ اہلِ اسلام کا ذبیحہ نہیں ہے۔ اس لئے حضرت شیخ الہند ؒ وحضرت مدنی ؒ نے تمام دیگر رفقاء کے ساتھ اس کے کھانے سے کلیتہً پرہیز فرمایا۔ ترکی اور شامی علماء اس گوشت کو بڑے اطمینان سے استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ حکامِ جیل نہ تو اس گوشت کو واپس لیتے تھے۔ اور نہ حلال گوشت کے انتظام پر آمادہ ہوتے، چنانچہ بعض علماء نے کہا کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ جائز ہے، اور بعض نے اپنے عمل کی یوں تاویل کی کہ ہم مضطر ہیں، اسلئے یہ گوشت ہمارے لئے حلال ہے۔ مگر اہل اللہ کی یہ جماعت اپنے فیصلہ پر قائم رہی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ سے بعض علماء نے بحث کی اور آپ نے ان کو بہت تشفی بخش جواب دیا لیکن پھر بھی وہ گوشت کی لذّت سے دستبردار ہونے کے لئے آسانی سے تیار نہ ہوئے۔

عیسائیوں کو جسم پر تسلط ہے دل پر نہیں :

بلکہ بعض حضرات نے یہ کہہ دیا کہ ہم لوگ نصاریٰ کے قیدی ہیں۔ عیسائی افسران کو اگر یہ بات معلوم ہوئی تو معلوم نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ یہ سن کر شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نہایت برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ :

"ان عیسائیوں کو ہمارے جسموں پر قابو ہے، وہ ہمیں اذیتیں دے سکتے ہیں، تختۂ دار پر چڑھا سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے قلوب کو پروردگار کی اطاعت سے نہیں پھیر سکتے"۔

اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب رجوع کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی جس میں اس ذبیحہ کی حرمت کو واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔ جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

ذبیحہ کی صحت کیلئے دو شرطیں :

آپ نے فرمایا کہ :

"ہر حلال جانور کے ذبیحہ کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں، اول تو یہ کہ شرعی ذبح ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت اسم الٰہی ذکر کیا جائے۔ البتہ اگر ذبح کرنے والا مسلم ہے اور وہ اتفاقاً ذبح کرتے وقت تسمیہ (اللہ کا نام لینا) بھول گیا تو حسب

ارشادِ نبویؐ ایسا جانور حلال ہے۔ الغرض جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں۔ وہاں مذکورہ شرائط کا فقدان ہوتا ہے۔ عموماً بڑے شہروں میں مشین سے ذبیحہ ہوتا ہے''۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دلائل مسکت اور تشفی بخش تھے، لیکن بعض حضرات نے یہ نکتہ اٹھایا کہ جب کسی چیز کی طہارت ونجاست کے دونوں پہلو متصوّر ہوں تو جب تک ایک پہلو کے بارے میں ظنِ غالب اور یقین حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، اس پر حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ ذبح کا حکم اس سے مختلف ہے۔

اللہ نے بہتری کی صورت پیدا کر دی :

چنانچہ رفتہ رفتہ بہت سے قیدیوں نے یہ حرام گوشت کھانا چھوڑ دیا اور بغیر گوشت کے ہی گذارا کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اصحابِ تقویٰ کے لئے ایک دوسری صورت پیدا فرمادی۔ ہوا یہ کہ مولانا وحید احمد صاحبؒ چونکہ ترکی اور انگریزی زبان سے بخوبی واقف تھے، اس لئے رفتہ رفتہ افسران سے آپ کی بے تکلفی ہوگئی اور آپ نے ان کے تعلقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کی کوشش کی کہ باہر سے مرغی، کبوتر، مچھلی وغیرہ منگانے کی اجازت دیدی جائے۔ مگر افسران نے بتایا کہ قلعہ میں کوئی جانور ذبح نہیں کیا جاسکتا آپ باہر سے ذبح کرا کے آلائش دور کرنے کے بعد اندر منگا سکتے ہیں۔ مولانا وحید احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم تو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے کھانا چاہتے ہیں۔ چونکہ محافظین اور افسران قانونی پہلو سے مجبور تھے، اس لئے انھوں نے انکار کر دیا مگر مولانا وحید احمد صاحبؒ بھی اپنی دھن کے پکے تھے۔ اپنے موقف پر جم گئے اور دفترِ انتظامات کو لکھا کہ ہم چونکہ مسلمان ہیں اور ہم مذہبی پہلو سے مجبور ہیں۔ لہٰذا گوشت ہم صرف اس شرط پر کھا سکتے ہیں۔ جبکہ ہمیں زندہ جانور دیا جائے اور خود ذبح کریں، اس کے بغیر ہمارے لئے کسی قسم کے گوشت کا استعمال ناممکن ہے۔ اگر چہ اس بات کا سلسلہ طویل ہوگیا۔ لیکن انجام کار خصوصی طور پر آپ حضرات کو اجازت مل گئی۔ صرف اتنی قید تھی کہ جانور محافظین کے سامنے ذبح کیا جائے۔ اور صفائی کی پوری رعایت کی جائے! یہ شرط قبول کر لی گئی اور باہر سے جانور منگا کر ذبح کرنے لگے۔ بہت سے لوگ جو تاویلیں کر کے حرام گوشت کھا رہے تھے۔ وہ ان حضرات کے استقلال اور کمالِ تقویٰ سے نہایت متاثر ہوئے۔

اضطرار کی تعیین :

اتفاقاً ایک روز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی خدمت میں ایک عالم صاحب تشریف لائے۔ یہ حضرت خود کو مضطر کہہ کر عرصہ سے فریبِ نفس میں مبتلا تھے۔ اور اس حرام گوشت کے جواز کے قائل تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے جب موصوف کو دیکھتے ہی فرمایا:۔ آیئے مضطر صاحب! تو وہ بہت محجوب ہوئے اور پُر معذرت انداز میں کہنے لگے کہ حضرت! صرف میں ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا تھے آپ نے فرمایا :

''بیشک قرآن کریم نے مضطر کے لئے خنزیر تک کی اجازت دی ہے لیکن مضطر کا صحیح مفہوم سمجھو! مضطر وہ ہے جس کا فاقوں سے یہ حال ہو گیا ہو کہ موت کا ظنِ غالب پیدا ہو جائے اور کھانے کے لئے کوئی بھی حلال چیز کسی طرح میسر نہ ہو اُس وقت صرف اتنی مقدار میں حرام شئی کھانا جائز ہے۔ جتنی مقدار سے زندگی محفوظ ہو جائے''۔

شرائطِ ملازمت کی تجدید :

دارالعلوم دیوبند کی صدارت کے لئے خداوند عالم کے فضل و کرم نے ہمیشہ ایسے بزرگوں کو منتخب فرمایا ہے۔ جو علم و فن کے تبحر کے ساتھ زہد و تقویٰ سے بھی مزین رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری (قدس اللہ اسرارھم) کے سینے دریائے علم کے سرچشمے تھے، تو اُن کے مبارک قلوب تجلیاتِ الٰہیہ کے عرشِ معلّٰی اور فیوض و برکات کے منبع ثابت ہوئے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ کے بعد ۱۳۴۶ھ میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی صدارت پیش کی گئی جس کو آپ نے مصالحِ مدرسہ کے پیش نظر منظور فرمالیا۔ لیکن مسلمانوں کی ہمہ جہت مذہبی و سیاسی خدمات کا جذبہ جو آپ کی رگ و پے میں نفوذ کئے ہوئے تھا، اُس نے اجازت نہیں دی کہ عام مدرسین کی طرح آپ ملازمت اختیار کر کے محصور ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے اہتمام سے کچھ شرطیں طے کر لیں جن کے دائرے میں آپ کو سیاسی جدوجہد کے لئے آزادی حاصل تھی اور مہینہ میں ایک ہفتہ آپ کو اختیار تھا کہ اس سلسلہ میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اس کے لئے کسی مزید رخصت اور اجازت کی ضرورت نہ تھی، لیکن جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی وفات ہوئی اور منصبِ اہتمام پر مولانا قاری محمد طیّب صاحب

فائز ہوئے تو آپ کا یہ کمالِ تقویٰ تھا کہ آپ نے ارکانِ شوریٰ سے سابقہ شرائط کی دوبارہ تجدید کی اگر چہ کچھ عرصہ کے بعد اراکین شوریٰ کی جانب سے ہر ماہ ایک ہفتہ کی بلا وضع تنخواہ رخصت سے بلا وضع کی قید حذف کردی گئی اور تمام اساتذہ کی طرح آپ کو بھی وضع تنخواہ کے ساتھ رخصت ملنے لگی۔
(تذکرہ شیخ مدنیؒ ۷۲)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ فقر و غربت کے باوجود ایک خوددار اور غیور انسان تھے وہ اس شعر کا مصداق تھے ....

کمال تشنگی میں جگر کا خون پی لے
کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہ کر

زُہد، استغناء، توکل، پرہیز گاری اور حزم و احتیاط آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ دینی اور دنیاوی امور میں تقویٰ ملحوظِ خاطر رکھنا رضائے الٰہی کے حصول کا زینہ اور ذریعہ ہے۔ حضرت مدنیؒ عبادت سے زیادہ معاملات و معاشرت میں متقی تھے۔ خصوصاً مدارس، مساجد اور دینی تنظیموں کے مالی امور میں احتیاط کا مظاہرہ فرماتے۔ فتویٰ کی ہزار راہیں ہوتیں، مگر تقویٰ کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا۔ اور دنیا و دولت کی قیمت آپ کے ہاں مور و مگس سے زیادہ نہیں تھی ....

جا اے خیال غیر ! کہ فرصت نہیں یہاں
ہیں جلوۂ نگاہِ یار کی مہمانیوں میں ہم

حضرتؒ خود مصارف ادا فرماتے تھے :

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کہتے ہیں :

اگر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی دفتر میں تشریف آوری اپنے کسی بھی کام سے ہوتی تو یہ گوارا نہیں تھا۔ کہ چائے یا کھانے کا انتظام دفتر کی جانب سے ہو اس لئے یہ ظاہر کرنا پڑتا تھا کہ یہ انتظام فلاں خادم نے اپنے پاس سے کیا ہے، ورنہ حضرتؒ خود مصارف ادا فرماتے۔ اب چند سال سے دہلی کے مشہور صاحبِ خیر جناب حاجی محمد یٰسین صاحب گزک والے نے یہ انتظام بڑے اصرار و التجا سے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ جب تشریف آوری کے بارے میں معلوم ہوتا مولانا وحید الدّین صاحب قاسمی حاجی صاحب کو اطلاع کر دیتے اور حاجی صاحب بڑے شوق سے عین سعادت سمجھ کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے اور کھلا کر خوش ہوتے تھے۔ (جزاھم اللہ)۔

لیٹر پیڈ ایک عام چیز ہے۔ بارہا درخواست کی گئی کہ حضرت! جمعیۃ علماء ہند کا لیٹر پیڈ استعمال فرمائیں! بحیثیت صدر آپ کو اس کا حق حاصل ہے اور یہی بات موزوں بھی ہے، مگر بہت ہی کم ایسا ہوا کہ جمعیۃ علماء کی ضرورت سے بھی آپ نے جمعیۃ علماء کا لیٹر پیڈ استعمال فرمایا ہو، ورنہ اپنے لیٹر پیڈ پر جو اعلیٰ قسم کے کاغذ سے علیحدہ تیار کرایا جاتا تھا اور جس کے مصارف حضرتؒ خود ادا فرمایا کرتے تھے، اسی پر خطوط تحریر فرماتے، اور خود جمعیۃ علماء سے متعلق اُمور بھی اسی اپنے کاغذ پر ارقام فرماتے تھے اور اس بات کا تو کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ کہ جمعیۃ علماء کے کسی کاغذ کو اپنی ذاتی ضرورت کے لئے استعمال فرمائیں۔

غالباً ۱۹۳۶ء کا تذکرہ ہے۔ مراد آباد میں مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہوا۔ بحیثیت ناظم جمعیۃ علماء مراد آباد خدمتِ استقبال احقر ہی کے ذمہ تھی۔ حضرتؒ کا قیام حسبِ دستور محلّہ بغیہ میں ہوا۔ مجلس عاملہ کا اجلاس دوسرے مقام پر تھا۔ حضرتؒ قیام گاہ سے بذریعہ تانگا اجلاس میں تشریف لائے۔ چونکہ ایسے موقعوں پر آمد و رفت کے مصارف کی ادائیگی کو منتظمین کا فرض سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے احقر نے تانگہ کا کرایہ ادا کرنا چاہا لیکن حضرتؒ نے سختی سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ وہاں میرا قیام اپنی ذاتی رائے کی بنا پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں کسی خرچ کا بار جماعت کے مالیہ پر نہیں پڑ سکتا۔ اس کے بعد مجھ ناکارہ کو ہدایت فرمائی کہ جماعتی اور غیر جماعتی خرچ میں ہمیشہ امتیاز رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے ورنہ درحقیقت بہت مشکل کام ہے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۳۰۶)

صرف ایامِ درس کی تنخواہ :

حضرت مولانا رشید الدین صاحبؒ لکھتے ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ایامِ درس کے علاوہ دوسرے دنوں کی تنخواہ لینا ہرگز گوارا نہ فرماتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ کے سلسلے میں سفر کرنا پڑا مگر سوائے ایامِ تدریس کے ایک پیسہ بھی کسی دن کا معاوضہ نہیں لیا۔ حضرت مدنیؒ نے ایام مرض میں ایک ماہ کی استحقاقی رخصت سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا، اور نہ دوسری چھٹیاں لیں، جن کا آپ کو قانوناً حق تھا۔ یہاں تک کہ ان ایام کی تنخواہ جو ایک ہزار روپے سے کچھ زیادہ ہوتی تھی۔ جب اہلِ مدرسہ نے آپؒ کی خدمت میں بھیجی تو آپؒ نے یہ کہہ کر واپس فرمادی کہ :

''جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی؟؟ حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند گھر میں تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ حضرت کا کمالِ زہد و تقویٰ

اس بات کو گوارا نہ کرتا تھا۔ کہ آپ ایام مرض کی تنخواہ قبول فرمائیں۔ لیکن اس میں شرعاً کوئی سقم نہیں بلکہ (سلسلہ مرض رعایتی قوانین کے لحاظ سے) حق ہے۔ لہٰذا اگر آپ قبول فرمائیں تو وہ رقم آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ مگر خالہ صاحبہ (یعنی اہلیہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ) نے فرمایا کہ جس چیز کو حضرتؒ نے پسند نہیں فرمایا۔ میں اس کو کیسے پسند کر سکتی ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ! بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے"۔

(شیخ الاسلام نمبر ۳۱۰۰)

حزم واحتیاط اور تقویٰ وفتوی :

حضرت مولانا حمد اللہ سرحدیؒ رقم طراز ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اور دفتر جمعیۃ علماء ہند میں قیام فرما تھے۔ نمازِ عصر کا وقت آیا تو خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھا دیں۔ حضرتؒ نماز کے لئے جب کمرے سے باہر تشریف لائے۔ اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی۔ تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرف مخاطب ہو کر پُر مسرّت لہجہ میں فرمایا کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا: یہ ناظم اعلیٰ صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپ کے خادم چودھری عبد الرحمٰن کی عقیدت ہے، جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں۔ انہوں نے ہی اس وقت (فروخت کی) چٹائیاں بچھا دی ہیں! حضرتؒ نے جوں ہی یہ بات سنی آپؒ کے چہرے کا رنگ فوراً بدل گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ گئے فرمایا :

"ان چٹائیوں کو اٹھا دو! خدام نے عرض کیا کہ: عبد الرحمٰن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں۔ فرمایا: نہیں! وہ ان کو غیر مستعمل اور نئی بتا کر فروخت کرے گا۔ حالانکہ استعمال میں آچکی ہوں گی لہذا یہ کب درست ہوگا۔ چنانچہ چٹائیاں اٹھا دی گئیں اور دفتر کی چٹائیوں پر نماز ادا کی گئی"۔ (شیخ الاسلام نمبر ۳۰۵)

کفایت شعاری اور واجبی خرچ پر اکتفاء :

قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے میرے دیرینہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مگر

ملاقات کا اتفاق کم ہوتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں سیوہارہ میں عظیم الشان جلسہ ہوا میں اس کا ناظم تھا۔ ہندوستان کے مشہور ہندو و مسلمان لیڈروں اور علماء نے اس میں شرکت کی۔ میں نے تمام مدعوین کو سیکنڈ کلاس کا کرایہ ایک خادم کا کرایہ اور کچھ زائد خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اس زمانہ میں کلکتہ میں مقیم تھے۔ ان کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور بحساب بالا منی آرڈر بھیج دیا گیا تھا۔ کلکتہ سے سیوہارہ تک میل ٹرین کا چھبیس (۲۶) گھنٹہ کا سفر ہے۔ مولانا بہ نفسِ نفیس تشریف لائے۔ کوئی خادم وغیرہ ساتھ نہ تھا۔ کیمپ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ ناظم صاحب کا دفتر کہاں ہے؟ میرے پاس دفتر تشریف لائے اور سلام و مصافحہ کے بعد میز پر ایک پرچہ اور کچھ روپے رکھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے۔ پرچہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے تھرڈ کلاس میں سفر کیا ہے اور ناشتہ وغیرہ میں صرف سات آنے خرچ کیے ہیں۔ اجلاس میں شریک ہونے والے کسی بھی لیڈر یا عالم نے ایسی کفایت شعاری کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ جب واپسی کا وقت آیا تو ممبران جلسہ نے طے کیا کہ حضرت مدنیؒ کو سو (۱۰۰) روپے رخصتانہ میں پیش کئے جائیں اور جب میں نے مذکورہ قرارداد کے مطابق رقم پیش کی۔ مولانا نے فرمایا کہ جو پرچہ میں نے آپ کو دیا تھا کیا وہ گم ہو گیا؟؟ میں نے کہا کہ موجود ہے، شاملِ حساب ہے! تو فرمایا کہ کیا آپ نے اسے دیکھا نہیں؟ میں نے کہا کہ اس کو میں نے دیکھا ہے اور رجسٹر حساب میں اسے درج کرایا ہے! فرمایا:۔ بس مجھے اسی قدر دیدیجئے! میں نے عرض کیا کہ کمیٹی نے جو کچھ تجویز کیا ہے۔ میں اُسے پیش کر رہا ہوں اور آپ کو بھی کمیٹی کی تجویز کو قبول کرنا چاہئے! فرمایا:۔ کمیٹی میں کتنے ممبر ہیں؟ میں نے کہا: ہم سات آدمی ہیں۔ فرمایا اس جلسہ پر جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ وہ آپ ہی صاحبوں کا ہے یا عام چندہ سے ہے؟ میں نے کہا: عام چندہ ہے! فرمایا: پھر آپ کو اس طرح صرف کرنے کا حق نہیں ہے! میں نے کہا کہ پبلک نے ہمیں اختیار دیا ہے۔ کہنے لگے کہ :

پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ حضرات کفایت شعاری کے ساتھ واجبی طور پر خرچ کریں گے۔ لہٰذا آپ اس بیدردی کے ساتھ خرچ کرنے کے مختار و مجاز نہیں ہیں۔ میں نے کچھ اور کج بحثی کرنی چاہی، مگر حضرتؒ نے (فیصلہ کن انداز میں) فرمادیا کہ میں اس سے زیادہ نہیں لوں گا۔

ارسال کردہ رقم کا حساب :

آپ کو پہلی مرتبہ باڑھ (ضلع پٹنہ) مدعو کیا گیا تو سفر خرچ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیا گیا۔ یہ کافی

متمول مسلمانوں کی آبادی ہے۔ جلسہ کے بعد جب واپسی کا وقت آیا لوگوں نے ایک بڑی رقم پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا: ٹھہریئے! لوگوں نے سمجھا کہ حضرتؒ نے رقم کو کم خیال کرتے ہوئے ایسا فرمایا ہے۔ تو فوراً اس میں اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن اسی اثناء میں حضرتؒ نے بیگ سے کچھ روپے اور حساب کا کاغذ نکال کر دیا اور فرمایا: آپ نے جو روپے بھیجے تھے، اس کا حساب یہ ہے اور اتنے روپے اس میں سے بچ گئے ہیں، لوگوں نے بیحد اصرار کیا کہ حضرتؒ! بچی ہوئی رقم کو واپس نہ فرمائیں۔ اور جو روپے پیش کئے جا رہے ہیں ان کو قبول فرما لیں۔ مگر حضرتؒ نے صاف انکار فرما دیا۔ (تذکرہ شیخ مدنی ۱۷)

غیر محرم سے نظریں بچانے کا اہتمام :

مولانا فرید الوحیدیؒ کہتے ہیں: گھر میں ہر طبقہ کی خواتین ہر قسم کی درخواستیں اور اپنی پریشانیاں گوش گذار کرنے کیلئے حاضر ہوتی تھیں۔ حضرت مدنیؒ عموماً اہل خانہ کے واسطے سے درخواستیں سنتے اور جوابات، دعائیں، مشورے اور تعویذات مرحمت فرماتے اور براہ راست بھی پند و نصائح اور مشوروں سے مستفید فرماتے۔ خواتین کو بیعت کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک لمبا کپڑا عمامہ وغیرہ کا ایک سرا خود پکڑتے اور دوسرا سرا پس پردہ خواتین پکڑتیں، پھر کلماتِ بیعت تلقین فرماتے۔ گاؤں کی خواتین کبھی کبھی اہل خانہ کی نظر بچائے ہوئے مطالعہ گاہ تک پہنچ جاتیں اور سامنے کھڑی ہو جاتیں ایسی صورت میں حضرت مدنیؒ بہت پریشان اور سراسیمہ ہو کر اپنا رخ دوسری جانب پھیر لیتے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۳۱)

مہمان نوازی :

مہمان نوازی سارے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، مگر ابراہیم علیہ السلام کا وصفِ خاص تھا۔ ان کا طبعی جذبہ تھا کہ کوئی مہمان آئے اور اس کو کھانا کھلائیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بھی طبعی طور پر مہمان نواز تھے۔ ان پر یہ وصف غالب تھا۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ سارا گھر مہمان کے حوالے کر دیں۔ حضرتؒ کا طبعی جذبہ تھا کہ مہمان کی جتنی خدمت ہو سکے کی جائے۔ اس حوالے سے کئی واقعات موجود ہیں۔ بطور نمونہ چند واقعات نذر قارئین ہیں۔

نجی معاملات، دفتر، کتب خانہ اور خانقاہ :

حضرت مولانا فرید الوحیدیؒ اپنے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

مطالعہ کے لئے کوئی مخصوص کمرہ یا لائبریری نہ تھی، ایک بڑے کمرے کا درمیانی حصہ کتابوں کی الماریوں سے گھر کر خود بخود الگ سا ہو گیا تھا۔ اس میں ایک چٹائی پر ہرن چیتل یا پہاڑی بکرے کی کھال بچھی ہوئی تھی اور چمڑے کا ایک گاؤ تکیہ سہارے کے لئے رکھا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور یا تاڑ یا ناریل کی چھال بھری ہوئی تھی۔ چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر ہوتے تھے اور سامنے کاغذات کا ایک انبار ہوتا تھا جو درخواستوں، خطوط، مضامین اور دارالعلوم کی فائلوں اور دیگر یادداشتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس چٹائی کی ایک جانب لکڑی کے تختہ پر ایک اسٹیل کا معمولی سا بکس ہوتا تھا، جس میں چند جوڑے معمولی کھدر کے ہوتے تھے اور اسی بکس کے قریب ایک کھونٹی پر حضرتؒ اپنی شیروانی، عبا اور عمامہ ٹانگ دیا کرتے تھے۔ یہی مطالعہ کا کمرہ حضرتؒ کا عبادت خانہ بھی تھا، تہجد و نوافل یہیں ادا فرماتے اور اسی جگہ ذکر و مراقبہ میں مصروف ہوتے۔ اس مطالعہ گاہ کی ایک جانب حضرتؒ کی چارپائی تھی اور دوسری جانب وضو کی چوکی۔ ہمارے بچپن کے دور میں چارپائی خالی پڑی رہتی تھی۔ اور چٹائی ہی پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ مگر کم و بیش پندرہ برس سے تقریباً تین گھنٹے کے لئے یہ چارپائی استعمال میں آنے لگی تھی مگر چارپائی پر آرام کے یہ تین گھنٹے مسلسل نہ تھے۔ بلکہ دوپہر کے کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ اور رات کو ساڑھے بارہ یا ایک بجے کے بعد تقریباً ڈھائی گھنٹوں پر مشتمل تھے۔ گھر کے افراد میں سے جس کو کچھ عرض کرنا ہوتا وہ مطالعہ گاہ میں حاضر ہوتا اور حضرتؒ ہمیشہ اسے وظیفہ پڑھتے، مطالعہ کرتے یا کچھ تحریر فرماتے ہوئے ملتے بچے تو آواز دے کر اور ''ابا جی یا دادا میاں'' کہہ کر مخاطب کر لیتے تھے مگر ہم لوگ یا حضرت دادی صاحبہ کھڑی رہ کر انتظار کرتیں کہ حضرتؒ متوجہ ہوں تو عرض مدعا کیا جائے عموماً سر اٹھا کر دریافت فرماتے کہ: کیوں آیا ہے؟ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ انتظار بسیار کے بعد ہمیں واپس آنا پڑتا۔ گھر میں بلا ضرورت کسی سے گفتگو نہ فرماتے اور جب گفتگو کرتے بہت ٹھہر ٹھہر کر چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح بولتے جیسے روزمرہ کی زبان آتی ہی نہ ہو۔ بچوں سے البتہ کبھی کبھی خوش طبعی اور مزاح کی گفتگو فرمالیا کرتے تھے۔ جس میں ہم نوجوانوں کو بھی شریک کر لیتے تھے۔

گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ کچھ نہ ہو:

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں گھر کے کسی سامان سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ وقت بے وقت مہمانوں کے ہجوم اور عین وقت پر پندرہ بیس مہمانوں کے لئے کھانا طلب کر لینے کے مسئلے کو جب ریفریجریٹر کے ذریعہ حل کیا گیا تو غالباً مہینوں اس کو دیکھا تک نہیں ایک روز اتفاقاً اس پر نظر پڑ گئی تو دادی

صاحبہ سے دریافت فرمایا کہ: یہ کیسے کھلتا ہے؟ اس میں چیزیں کس طرح تازہ اور بغیر خراب ہوئے رہتی ہیں ؟

"اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ میرے گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو"۔

مرض وصال میں چارپائی پر آرام فرماتے ہوئے ہر کھانے اور چائے کے وقت عم گرامی مولانا اسعد صاحب کو تاکید فرماتے اور دادی صاحبہ سے دریافت فرماتے کہ مہمانوں نے کھانا کھالیا؟ چائے پی لی ؟

چونکہ کھانا وناشتہ مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے اور یہی بات آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔اس لئے ایامِ مرض میں بھی سب کے منع کرنے کے باوجود جب تک سکت رہی بہ ہزار وقت کھانے کے وقت مہمان خانے برابر تشریف لاتے رہے۔

ایثار وفیاضی اور مہمان نوازی :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں :

ناظرین نے ایثار وفیاضی کے بہت سے نمونے دیکھے ہوں گے۔خود اس عاجز نے بھی دیکھے ہیں،لیکن حضرت مدنیؒ کی ذات میں اس کا جو نمونہ دیکھا اس کی مثالیں تو پچھلی تاریخ کی کتابوں میں بھی بہت کم ہی مل سکیں گی۔

حضرت مدنیؒ کا دولت خانہ ایک ایسا وسیع مسافر خانہ یا مہمان خانہ تھا کہ جن لوگوں کو خود کبھی حضرتؒ کا مہمان بننے کا اتفاق نہیں ہوا، وہ کسی دوسرے سے اس کا حال سن کر صحیح اندازہ نہیں کر سکتے......بیسیوں دفعہ کے اپنے مشاہدے اور تجربہ کی بنا پر میرا محتاط اندازہ ہے کہ برسہا برس سے حضرتؒ کے یہاں مہمانوں کا اوسط چالیس پچاس روزانہ سے کم نہ رہتا تھا،ان میں ایک خاص تعداد تو اہلِ طلب کی ہوتی تھی جو حضرتؒ سے بیعت ہونے کی لئے دور وقریب کے مختلف مقامات سے روزانہ آتے تھے، ان کے علاوہ ایک تعداد ان لوگوں کی ہوتی تھی، جو صرف زیارت وملاقات کے لئے یا کسی معاملہ میں دُعا کی درخواست کے لئے یا اپنی کسی ضرورت میں حضرتؒ کی سفارش حاصل کرنے کے لئے یا ایسے ہی کسی اور کام سے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے،اور ایک دو دن رہ کر واپس چلے جاتے تھے،ان کے علاوہ کچھ حضرات وہ بھی ہوتے تھے، جو ذکر وشغل اور روحانی تربیت کے لئے کئی کئی مہینے حضرتؒ کی

خدمت میں مقیم رہتے تھے۔

جو مہمان کا دل دُکھائے گا، میں اُس کو معاف نہیں کروں گا :

اور میرا خیال ہے کہ مہمانوں کی ان قسموں کے علاوہ کچھ لوگ حضرتؒ کی اس فیاضی اور مہمان نوازی سے بے جا فائدہ اُٹھانے والے بھی ہوتے تھے۔ میں نے واقفین سے سنا ہے کہ قرب و جوار کے دیہات کے بعض لوگ جو بازار، تھانہ یا تحصیل کے اپنے کاموں سے دیوبند آتے تھے، وہ بھی کھانے کے وقت حضرتؒ کے مہمان بن جاتے تھے اور حضرتؒ ان کی اس نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود ان کی مہمان نوازی کرتے تھے، بلکہ خادموں تک کو سخت تاکید تھی کہ اگر کسی کے متعلق ایسا اندازہ ہو تب بھی مہمانوں ہی کی طرح اس کا اکرام کیا جائے۔ مجھے حضرتؒ کے ایک خادم نے خود بتایا کہ ایک دفعہ انہوں نے ایسے ہی ایک صاحب سے کچھ کہہ دیا تو حضرتؒ ان پر سخت غصہ ہوئے اور یہاں تک فرمایا کہ میرے آنے والے کسی بھی مہمان کا جو شخص دل دُکھائے گا، میں اس کو معاف نہیں کرونگا۔

حضرت مدنیؒ کا دستر خوان :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ :

حضرتؒ دونوں وقت مہمانوں کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور سب مہمان وہی کھاتے تھے، جو خود حضرتؒ کھاتے تھے۔ اگر کسی خصوصی مہمان کے اکرام میں کوئی خاص اہتمام اور تکلف کیا جاتا مثلاً پلاؤ پکتا یا ثرید تیار کیا جاتا، یا دیوبند کی مشہور فیرنی آتی تو بلا امتیاز سارے مہمان اس دن وہی کھانا کھاتے اور میرا خیال ہے کہ ہفتے میں ایک دو دفعہ ایسا ضرور ہوتا تھا۔

یہاں اس چیز کا ذکر کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرتؒ کے یہاں روزمرہ کا سادہ کھانا بھی (یعنی روٹی اور آلو یا آلو کی جیسی ترکاری کے ساتھ بڑے گوشت کا شوربہ والا سالن) اس قدر لذیذ اور ذائقہ دار ہوتا تھا کہ میں خود بھی شہادت دے سکتا ہوں اور بہت سے مہمانوں سے بھی میں نے سُنا ہے کہ حضرتؒ کے دستر خوان پر بیٹھ کر سوایا یا ڈیوڑھا کھانا کھایا جاتا ہے اور کبھی نقصان نہیں دیتا، جو لوگ حضرتؒ کے حالات سے کچھ باخبر ہیں اور جنہوں نے حضرتؒ کی عجیب و غریب اور بے مثال مہمان نوازی کا تجربہ کیا ہے، ان کو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ روزمرہ کی اس مہمان نوازی اور اسی طرح کی بعض دوسری لِلّٰہی مدوں میں حضرتؒ کے ہاتھوں سے جو کچھ دوسروں پر خرچ ہوتا تھا، خود اپنی ذات پر اور

اہل وعیال پر اس کا چوتھائی بھی خرچ نہیں ہوتا ہوگا۔

قلب وروح حُبِّ مال سے پاک تھے :

کسی بندے کے ظاہری احوال واعمال سے اس کے اندرونی حال کے بارے میں جہاں تک رائے قائم کرنے کا حق ہے، اس کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شُحّ (بخل) اور حُبِّ مال سے حضرتؒ کے قلب وروح کو ایسا صاف کر دیا تھا کہ شاید اس کے غبار کا کوئی ذرّہ بھی وہاں نہیں رہا تھا اور ان شاء اللہ حضرتؒ اس قرآنی بشارت کے خاص مستحقین میں ہوں گے۔

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (اور اللہ نے اپنے جن بندوں کو شُحّ (بخل) اور حُبِّ مال کی بُری خصلت سے بچایا، وہ یقیناً فلاح پانے والے ہیں) (تحدیث نعمت)

اکرامِ ضیف کا ایک حیرت انگیز واقعہ :

اگر کبھی کوئی شخص مہمان کے ساتھ بد خلقی سے پیش آیا اور آپ کو علم ہوا تو انتہائی غضبناک ہوئے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب تقریباً دو ماہ مقیم رہے نہ نماز پڑھتے نہ حضرتؒ کی مجالس میں شریک ہوتے۔ خادم مہمان خانہ نے ان سے کہا کہ: تم دو مہینے سے مقیم ہو نہ حضرتؒ کے سامنے اپنا مقصد پیش کرتے ہو اور نہ ہی نماز پڑھتے ہو اگر یہاں آنے سے تمہارا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تو جاؤ اپنا گھر بار دیکھو! اتفاق اور شومیٔ قسمت سے جس وقت خادم نے یہ گفتگو کی اس وقت میں بھی وہیں موجود تھا۔ بات رفت وگذشت ہوگئی اور وہ مہمان رخصت ہو گئے۔ ہمارے ذہن سے بھی واقعہ نکل گیا۔ مہینوں کے بعد حضرتؒ کو یہ واقعہ کسی طرح معلوم ہوا، حضرتؒ کی خدمت میں راقم الحروف حاضر ہوا تو آپ مطالعہ میں مصروف تھے۔ جوں ہی مجھ پر نظر پڑی مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا: مہمان سے یہ کس نے کہا کہ چلے جاؤ! مردک، گدھے! تو اسی لئے پیدا ہوا تھا؟؟ یوں عموماً حضرتؒ مجھے مختلف باتوں پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی تنبیہ زبان وبیان کی حد سے گذر کر دست مبارک تک پہنچنے والی ہوتی۔ پہلی ہی نظر اس کا اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔ آج جوں ہی حضرتؒ نے میری جانب نگاہ اٹھائی، مجھے فوراً صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہو گیا اور نہایت صفائی کے ساتھ اپنا بے قصور ہونا ثابت کرنا شروع کر دیا: ''تو وہاں موجود تھا'' تو نے روکا نہیں'' میں نے جُرأت کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ مہمان دو ماہ سے مقیم تھے۔ تارکِ صلوٰۃ تھے۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ صوفی جی کچھ بے جا نہیں کر رہے ہیں۔ فرمایا :

”تارکِ صلوٰۃ ہمارا نہیں خدا کا قصوروار ہے۔اس پر ان کو سمجھانا چاہئے تھا۔اور کوئی مہمان دو ماہ رہے چاہے سو ماہ رہے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ کوئی ٹیڑھی نظر سے دیکھے یہ نہ سمجھنا کہ میں سفر پر رہتا ہوں مجھے علم نہیں ہوتا اگر کسی نے مہانوں کو تکلیف پہنچائی تو میں قیامت کے دن دامن گیر ہوں گا“۔

آپ کی عنایت ہے کہ خدمت کا موقع دیا :

ایک واقعہ جسے میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن بڑے تواتر اور ثقہ حضرات سے سُنا ہے۔یہ ہے کہ ایک رات حضرتؒ بارہ بجے درسِ حدیث سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو مہمان خانے میں ایک بڑے میاں نے آواز دے کر پوچھا کہ کون ہے؟ حضرتؒ نے بجائے اپنا نام بتانے کے بڑی نرمی سے دریافت کیا کہ آپ کو کچھ کام ہے؟ مہمان نے کہا کہ ذرا حقہ بھر دو! تعمیل حکم کے لئے حضرتؒ بڑی آہستگی کے ساتھ چارپائی کی طرف بڑھے۔نصف شب کا وقت اور خواب و بیداری کی کشمکش کا عالم تھا اور مہمان بھی کچھ ضعیف العمر تھے۔حضرتؒ چارپائی کے پاس پہنچے،تو بھی ان صاحب نے منہ سے چادر ہٹانے اور آنکھیں کھول کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی اور لیٹے لیٹے فرمایا کہ میاں! جب چلم بھر رہے ہو تو حقہ بھی تازہ کر لینا نہ جانے کب سے تازہ نہیں ہوا ہے۔ کچھ مزہ نہیں آیا۔حضرتؒ حقہ لے کر زنانخانہ تشریف لائے،اہل خانہ محوِخواب تھے۔خود ہی حقہ تازہ کیا اور انگارے بنا کر چلم بھری،ادھر بڑے میاں نے سوچا کہ آنکھ کُھل گئی تو لگے ہاتھوں پیشاب سے بھی فارغ ہو لیں،چنانچہ وہ پیشاب سے فارغ ہو کر آئے۔ ادھر سے وہ مہمان نواز میزبان حقہ لئے پہنچے جب بڑے میاں نے حضرتؒ کی صورت دیکھی تو نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔لیکن حضرتؒ نے بکمال شفقت وانکساری فرمایا:

”یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے خدمت کا موقع دیا۔ہمارے والد مرحوم حقہ کے بڑے شائق تھے۔اس لئے مجھے تو حقہ بھرنے کی عادت ہے۔اور پھر مہمان کی خدمت میں تو بڑا اشرف وامتیاز ہے“۔(شیخ الاسلام نمبر ۲۲۸ تا ۲۳۰)

مستحقین اور مہمانوں کی خبر گیری :

حضرت مولانا رشید الوحید بیان کرتے ہیں

زمانۂ مرض میں ایک دن کا واقعہ ہے۔ طبیعت کچھ سنبھلی تھی کمرے میں کچھ تحریر فرمارہے تھے۔ میں حاضر ہوا۔ ایک دم نظر اٹھائی جیسے کسی کے منتظر ہوں، فرمایا کہ لے یہ لیجا! اور چار عدد منی آرڈر عنایت فرمائے جو مختلف جگہ جارہے تھے۔ ایک صاحبہ نے اپنی پوری کیفیت اور مفلسی کے ذکر کے بعد لکھا کہ میں مسلم نسواں اسکول میں تعلیم حاصل کررہی ہوں اس ماہ فیس نہ ہونے کی وجہ سے ڈر ہے کہ نام خارج ہوجائے۔ آپ مدد فرمادیں گے۔ تو میں بہت بڑی دشواری سے بچ جاؤں گی۔ حضرتؒ نے ان کو تسلی دی تھی۔ اور فیس مع کچھ زائد رقم روانہ فرمادی۔ ایک صاحبہ نے سردی کے سامان کے لئے مدد طلب کی تھی۔ انہیں مکمل سردی کا سامان تیار کرنے کے لئے خرچ روانہ فرمایا ایک منی آرڈر ان کے نام تھا۔ اس کے علاوہ جو سلسلے مستقل امداد کے تھے۔ بیماری کی شدت کے زمانے میں بھی کبھی فراموش نہ ہوئے۔ بعض اوقات سخت حیرت ہوتی جب پوری غفلت یا کرب و بے چینی کے بعد کچھ ہوش آتا تو فوراً فرماتے مہمانوں نے کھانا کھالیا۔ اسعد کہاں ہے؟ اس سے کہو کہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھائے۔ ان کے آرام کا مکمل خیال رکھے۔ ایک بار مولانا اسعد صاحب کہیں چلے گئے۔ اتفاق سے ایک مہمان کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ فوراً مولانا اسعد صاحب کو بُلوایا اور جب وہ حاضر ہوئے تو سخت غضبناک ہوکر فرمایا کہ: مہمان بھوکے رہیں اور تجھے پتہ نہ چلے۔ حضرتؒ کی اس تنبیہ کے بعد سے کبھی موصوف نے کھانے پر مہمانوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سلیم اللہ جن کے ذمہ مہمانوں کی خدمت اور دیگر خانگی ضروریات کی فراہمی ہے۔ انہوں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ روزانہ صرف آدھ گھنٹہ کے لئے گھر میں پردہ کراکے حاضری کا موقع عنایت فرمایا جائے تاکہ خدمت کی سعادت حاصل کرسکوں۔ حضرتؒ نے نہایت یگانگت اور محبت سے فرمایا کہ:

> ’’بھائی تمہارے لئے یہ بہت کافی ہے۔ کہ تم میرے مہمانوں کی خدمت کرتے رہو۔ سلیم اللہ! مجھ پر تمہارا یہ بڑا احسان ہے۔ کہ میری غیر حاضری میں مہمانوں کا خیال رکھتے ہو، بس تمہیں اور خدمت کی ضرورت نہیں‘‘۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۱۷)

مہمانوں کا انتظار:

دستر خوان پر اگر کوئی مہمان موجود نہ ہوتے۔ تو فوراً دریافت فرماتے، نام تو سب کے کہاں تک یاد رہتے علامات بتا کر دریافت فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً وہ جو سیاہ شیروانی پہنے ہوئے تھے۔ یا وہ جو لاہور سے تشریف لائے ہیں۔‘‘ غیر مسلم مہمان کے لئے اس سے دریافت کرکے سبزی پکواتے یا بازار

سے غیر مسلم کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا منگوا کر اپنے ساتھ شریک کرتے تھے۔ اگر غیر مسلم مہمان گوشت خور ہوتا تو اسی عام دستر خوان پر اور عام برتن میں جس میں سب کھا رہے ہوتے شریک فرماتے تھے۔ کھانا گول دستر خوان پر کھایا جاتا۔ درمیان میں ایک بڑی قاب میں سالن یا طشت میں چاول رکھے جاتے اور اس کے گرد تمام مہمان مع میزبان بیٹھتے۔ دستر خوان پر امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور اس موقع پر وزیر فقیر رئیس و مفلس تاجر و کسان سب دوش بدوش نظر آتے۔ (انفاس قدسیہ)

مہمانوں کی خدمت اور کمالِ وسعت ظرف :

مہمانوں کے لئے نہ کوئی وقت تھا اور نہ قاعدہ جس وقت بھی مہمان آتا گھر میں جو کچھ موجود ہوتا۔ مہمان کے سامنے لا کر رکھ دیا جاتا۔ عالم، جاہل، شہری، دیہاتی غرض کہ ہر قسم کے مہمان آتے۔ آپ نہایت خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتے اور ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک مہمان آیا جس کے کپڑوں سے تعفن کے بھبکے اٹھ رہے تھے اور ان میں بے شمار جوئیں بھی تھیں۔ مہمان خانے میں کوئی بھی اس کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتا لیکن کھانے کے وقت حضرتؒ جب مہمان خانے میں تشریف لائے تو اسے اپنے برابر بٹھا کر کھانا کھلایا اور کھانے کے بعد منہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے اپنا تولیہ عنایت فرمایا۔ قریب بیٹھنے کی وجہ سے حضرتؒ کے کپڑوں پر بھی جوئیں چڑھ گئیں۔ جن کو آپ نے اندر تشریف لے جا کر صاف کر دیا۔ (انفاس قدسیہ)

طعام میں برکتیں اور کرامتیں :

حضرت مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہارویؒ راوی ہیں :

میں نے کئی بار دیکھا کہ بعض لوگ دیوبند اپنے نجی کاموں سے آتے کوئی تحصیل اور منصفی میں اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے، کوئی اپنے کسی عزیز سے ملاقات کی غرض سے مگر قیام شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے یہاں ہوتا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ خود اپنے مہمانوں کو بھی حضرت مدنیؒ کے یہاں پہنچا دیتے۔ برکتِ طعام کی کرامت جیسی میں نے حضرت مدنیؒ کے یہاں دیکھی کسی بزرگ کے یہاں نہیں دیکھی۔ ایک ہی سالن ہوتا تھا۔ ایک تانبے کی بڑی رکابی میں اور روٹیاں ہوتی تھیں۔ جتنے حاضرین بیٹھ جاتے سب سیر ہو جاتے تھے۔ اور کھانا بچ رہتا۔ سب سے پہلے مجھے جب حضرت مدنیؒ کے یہاں مہمان ہونے کا اتفاق ہوا تو کھانے والوں کی تعداد اور کمی طعام کو دیکھتے ہوئے میرے دل

میں خیال پیدا ہوا کہ یہ کھانا تو کافی نہ ہوگا۔ مگر اس میں سے بچ بھی گیا۔ اس امر کا میں نے متعدد بار مشاہدہ کیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۸۳)

بوسیدہ حال لوگوں کا درجہ :

ایک عینی گواہ کا بیان ہے کہ :

ایک مرتبہ کھانے کے موقعہ پر ایک صاحب جو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ دوسرے حضرات کے سفید پوش اور معزز ہونے کی وجہ سے مرعوب ہو کر کھانے کے حلقے سے پیچھے بیٹھ گے۔ حضرتؒ نے دیکھا تو ساتھ کھانے کے لئے فرمایا۔ اتفاق سے وہ ایسے صاحب کے پاس آبیٹھے جو بہت معزز اور سفید پوش تھے۔ موصوف ان کے پاس بیٹھ جانے کی وجہ سے کچھ کبیدہ خاطر سے معلوم ہو رہے تھے۔ یہ محسوس کرتے ہوئے اوّل الذکر مہمان کچھ تکلف اور پریشانی کے ساتھ کھا رہے تھے۔ حضرتؒ نے اس صورتِ حال کا احساس کرتے ہوئے فرمایا کہ اٹھئے! وہ نہ اٹھے تو دوبارہ فرمایا کہ آپ اٹھئے۔ اب وہ اٹھے تو حضرتؒ نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھالیا اور فرمایا کہ اچھی طرح اور اطمینان سے کھائیے! پھر فرمایا کہ کسی کو کیا معلوم ہے کہ ان بوسیدہ حال لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا اونچا درجہ ہوگا۔ یہ سُن کر سفید پوش صاحب پر گھڑوں سے پانی پڑ گیا اور بعد میں ان مفلوک الحال مہمان سے انہوں نے معافی مانگی۔ اس وسعت مہمان نوازی پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ بہت سے ضرورت مندوں، یتیموں اور بیواؤں کی امدادوں کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جب تک حجاز میں رہے۔ حضرتؒ ہمیشہ ان کو پچاس روپیہ ماہوار کے حساب سے ارسال فرماتے رہے۔ جود وعطا کا یہ سلسلہ اس قدر پوشیدہ رہتا تھا کہ بہت سے قریبی حضرات کو بھی اطلاع نہ ہوتی تھی۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۹۲)

اگر مہمانوں کیلئے انتظام ہوسکتا ہے تو میں بھی کھا سکتا ہوں :

حضرت مولانا بشیر احمد فیض آبادی لکھتے ہیں :

ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں شیخ اسلام حضرت مدنیؒ ٹانڈہ میں قیام فرما تھے۔ ناچیز کو متعدد مرتبہ حاضری کا اتفاق ہوا۔ مئی اور جون کا رمضان تھا۔ گرمی شباب پر تھی اور شدید لُو چل رہی تھی۔ روزانہ مہمانوں کی ایک کثیر تعداد کا اوسط تھا۔ اہل خانہ نے آپؒ کے ضعف کے پیش نظر اور موسم کے تقاضے کے بموجب عرض کیا کہ سحر کے وقت آپ کوئی میٹھی چیز تناول فرمالیا کریں۔ یہ سُن کر پیکر

اتباع سنت نے برجستہ فرمایا کہ :

"میرے مہمان روٹی سالن کھائیں اور میں میٹھی چیز استعمال کروں؟ اگر مہمانوں کے لئے انتظام ہوسکتا ہو تو میں کھا سکتا ہوں ورنہ میں تنہا نہیں کھاؤں گا۔ آخر کار اہل خانہ سب کے لئے روزانہ سحر میں میٹھے چاول یا شیر یا سیویوں کا اہتمام کرتے تھے"۔

ساری رات عبا اوڑھ کر گذار دی :

جناب مولانا فیض اللہ صاحب فیض آبادی مجاز حضرت مدنیؒ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں، یہ اس زمانے کا واقعہ ہے، جب کہ موصوف دورۂ حدیث میں تھے اور دارالحدیث کی آمد و رفت کے وقت راستے میں حضرت مدنیؒ کو لالٹین دکھانے پر مامور تھے۔ ان کا بیان ہے کہ درس سے فارغ ہو کر ایک دن حضرتؒ نصفِ شب کے قریب مکان تشریف لائے تو مہمان خانے میں دیکھا کہ ایک صاحب بہت خستہ حال اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ جب سارے مہمان سو رہے ہیں۔ وہ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ مجھ سے یہ فرما کر حضرتؒ خود ہی ان صاحب کی طرف بڑھے اور دریافت کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ انہیں کسی نے دسترخوان سے اٹھا دیا اور ان کے حصّے میں کوئی لحاف وغیرہ بھی نہیں آیا ہے، تو حضرتؒ بے حد متاثر ہوئے۔ بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کس نے یہ حرکت کی ہے؟ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ الغرض حضرتؒ فوراً گھر میں تشریف لے گئے اور خود کھانا لئے ہوئے باہر تشریف لائے اور اس وقت تک باہر بیٹھے رہے جب تک کہ مہمان کھانے سے فارغ نہیں ہوگیا۔ سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔ حضرتؒ اندر تشریف لے گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے۔ اس کو بچھوا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گذاری۔ مولانا فیض اللہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بسترہ لے آؤں اور حضرتؒ آرام فرمائیں، مگر آپ نے کسی طرح یہ بات گوارا نہ فرمائی۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۹۴)

برابری کا برتاؤ کرتے صرف حضرت مدنیؒ کو دیکھا :

سیتا رام جی ہندو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت مدنیؒ کے ساتھ جیل میں کچھ وقت گذرا۔ اپنے چشم دید حالات بیان کرتے ہیں :

"بھائی بھائی برابر ہیں" یہ کہتے ہوئے بہتوں کو سنا ہے لیکن برابری کا برتاؤ کرتے صرف

مولانا مدنی" کو دیکھا ہے۔ کھانا پکاتے وقت باورچی باورچی رہتا تھا۔ آپ کی حیثیت مالک کی ہوتی تھی لیکن کھانا کھاتے وقت باورچی و مالک ایک ہوتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت مدنی" کو صرف ایک پاؤ گوشت ملتا تھا۔ لیکن کھانے کے وقت جو بھی آ کر کھاتے وقت بیٹھ جائے، اس کو حصہ مل جاتا تھا۔ پتہ نہیں تھا کہ جیل میں کب تک رہنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی معمولی قیدی کھانے کے وقت آ گیا تو اس کا کھانا اور اپنا کھانا ملا کر اس کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔ تندرستی گرنے لگی تو میں نے جیل کے ڈاکٹر سے کہا کہ مولانا حسین احمد مدنی" اپنا کھانا تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس لئے تندرستی گرتی جارہی ہے۔ ڈاکٹر نے پہلے تو یہ کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ قاعدہ یہی ہے۔ کہ صرف پاؤ بھر گوشت دیا جائے لیکن جب دوسرے دن آ کر معائنہ کیا تو صحت میں انحطاط دیکھ کر پاؤ بھر گوشت کا اضافہ کر دیا لیکن اسی کے حساب سے حضرت مدنی" کا خرچ بھی بڑھ گیا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ لوگ کھانے میں شریک ہونے لگے۔

میں مسلمان ہو جاؤں گا :

ایک دن ایک قیدی نے حضرت مدنی" کی خدمت میں آ کر فریاد کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور پاس ہی فلاں قیدی بھی تھا۔ اس نے میری اٹھنی چرائی ہے۔ (جیل میں اٹھنی روپے کے برابر تھی) مولانا نے کہا: تو میں کیا کر سکتا ہوں میں بھی تمہاری ہی طرح ایک قیدی ہوں۔ لیکن جب اسے زیادہ رنجیدہ دیکھا تو اپنے پاس سے اٹھنی دے کر رخصت کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے برجستہ عرض کیا کہ اب میں آپ کے ساتھ اس بیرک میں نہ رہوں گا کیونکہ آپ کے اخلاق اس قدر وسیع ہیں کہ اگر میں آپ کے ساتھ کچھ دن اور رہا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس پر حضرت" نے فرمایا کہ: تم تو بہت دن سے مسلمان ہو تم کیا مسلمان ہو گے۔

(شیخ الاسلام نمبر ۱۴۶)

آج پرہیز توڑیں گے :

حضرت مدنی" اپنے کھانے اور مہمانوں کے کھانے کو الگ نہ ہونے دیتے تھے۔ اگر کبھی ناسازی طبع کی بنا پر آپ کے لئے پرہیزی کھانا تیار کیا جاتا، تو اسے بھی آپ مہمانوں کے سالن میں ملا دیتے۔ مئی ۵۷ء میں جب آپ پر لُو کا حملہ ہوا اور کئی دن پرہیزی کھانا کھاتے ہوئے ہو گئے، تو ایک دن فرمایا آج تو پرہیز توڑیں گے، مہمانوں کے ساتھ کھائے ہوئے کئی دن ہو گئے۔ (انفاس قدسیہ)

کیا سب مہمانوں کے لئے انتظام ہو جائیگا :

ایک مرتبہ رمضان شریف میں آپؒ سے عرض کیا گیا کہ آج کل گرمی اور خشکی زیادہ ہے۔ سحری میں کچھ دودھ نوش فرمالیا کریں! آپ نے دریافت کیا کہ کیا سب مہمانوں کے لئے دودھ کا انتظام ہو جائے گا۔

چونکہ ٹانڈہ میں اس قدر زیادہ دودھ کی فراہمی دشوار تھی۔ لہذا یہ طے پایا کہ سحری میں چاول یا کھیر وغیرہ تیار کرادی جائے اور اسی میں دودھ وغیرہ ڈال دیا جایا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرتؒ بھی سحری میں سب کے ساتھ وہی چاول کھیر استعمال فرماتے۔ (انفاس قدسیہ)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ہمیشہ نبوی اخلاق پر عمل پیرا ہونے کی پوری کوشش فرماتے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی حد سے زیادہ مہمان نواز تھے۔ بلکہ مہمان نوازی عرب کا شیوہ تھا۔ حضرت مدنیؒ بھی اخلاق نبوی کا پرتو اور مجسمہ تھے۔

انابت وعبادت ٗنماز سے محبت اور شوقِ تلاوت

ربّ ذوالجلال کے احسانات تمام مخلوقات پر بالعموم اور انسانوں پر بالخصوص بہت زیادہ ہیں، بلکہ اس ذاتِ حقیقی نے انسانوں کو اپنی نعمتوں سے ڈھانپ رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَلَمْ تَرَوْ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۔(سورۃ لقمٰن:۲۰) ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی نعمتوں سے ڈھانک رکھا ہے اور اپنی تمام مخلوقات میں خدا تعالیٰ نے سب سے زیادہ شرافت اور بڑائی انسان کو عطا کی ہے۔

ربِّ ذوالجلال کا منشا یہی ہے کہ انسان ہر وقت میری عبادت کرے، میرا ذکر کرے، ذکر و عبادت میں شب و روز اور صبح و شام کی قید نہیں، طہارت اور غیر طہارت کی قید نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہر لحظہ اللہ کی عبادت میں گذرے .... ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

نماز کا امتیاز واختصاص :

عبادت میں اہم ترین مقام نماز کا ہے .... ؎

عارفی کچھ دل کی خلوت ہی میں ملتا ہے سکوں
جب کبھی دنیا کے ہنگاموں سے گھبراتا ہوں میں

اس لئے شیخ الاسلام حضرت مدنی جیسی کسی عظیم دینی شخصیت کی نماز کا ذکر شاید بہت سے لوگوں کو کچھ عجیب سا معلوم ہوگا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نماز کی حقیقت اگر کسی بندے کو نصیب ہو، تو اس کو بندگی کا کمال نصیب ہو، اسی لئے نماز کو معراج المؤمن کہا گیا ہے اور اسی لئے سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسلامی قلمرو کے تمام عُمّال یعنی صوبوں کے افسرانِ اعلیٰ کے نام بھیجے جانے والے ایک مراسلہ میں سب سے پہلی بات یہ لکھی تھی کہ اِنَّ اَھَمَّ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِیْ اَلصَّلٰوۃ (تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ اہم اور دوسرے سب کاموں سے زیادہ اہتمام کی مستحق میرے نزدیک نماز ہے)

اصل بات یہ ہے کہ نماز صرف ایک دینی عمل ہی نہیں ہے، بلکہ دینی نظام میں اس کا مقام وہ ہے جو انسان کے جسمانی نظام میں اس کے قلب اور روح کا مقام ہے۔ قلب کے بارے میں مشہور حدیث ہے کہ اسی کے صلاح وفساد پر پورے وجودِ انسانی کے صلاح وفساد کا مدار ہے۔ (اذا صلح صلح الجسد کلہ و اذا فسد فسد الجسد کلہ) اسی طرح نماز کے بارے میں بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کو جانچا جائے گا، اگر بندہ کی نماز اچھی نکلی، تو وہ کامیاب وبامراد ہوگا اور وہ ناقص وخراب نکلی تو وہ نامراد اور خسارہ میں رہے گا اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ جس بندے کی نماز ٹھیک نکلے گی، اس کے سارے عمل ٹھیک مانے جائیں گے اور جس کی نماز خراب ہوگی، اس کے سارے عمل خراب قرار دیئے جائیں گے۔ اسی قسم کی روایات کی بنا پر علماء نے یہ کہا ہے کہ نماز کا مقام دینی نظام میں قلب وروح کا مقام ہے۔

نماز کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے یہ دُعا نقل کی گئی ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ... (اے میرے ربّ مجھے ایسا کر دے کہ میں اچھی نماز ادا کرنے والا ہو جاؤں اور میری نسل میں سے بھی)

نماز کی روح :

بہر حال اللہ کے کسی بندے کو نماز کی حقیقت اور اس کی روح کا نصیب ہونا اس کا سب سے بڑا کمال اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے۔

نماز کی روح کیا ہے؟......اس کے جاننے کے لئے امامِ عارف حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ

عبارت پڑھ لیجئے۔ وروح الصلوٰة هى الحضور مع الله والاستشراف للجبروت و تذكر جلال الله مع تعظيم ممزوج محبّة و طمانينة ۔(حجۃ البالغہ ج اص ٦٧) یعنی اللہ کے سامنے حضوری اور سکینت ومحبت آمیز تعظیم کے ساتھ اس کے جلال و جبروت کا تصور اور گہرا دھیان بس یہی نماز کی روح ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے نماز کی جو روح بتائی ہے، وہ بلاشبہ ایک باطنی حال ہے، جس کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا، لیکن جس طرح رنج وغم، فکر والم، مسرت وشادمانی، لذت وسرور وغیرہ قلبی اور باطنی کیفیات کے آثار کسی کے چہرے پر دیکھ کر یا اس کی گفتگو اور آواز میں ان کے اثرات محسوس کر کے ان اندرونی کیفیات کا اندازہ ہر ہوش وگوش والا کر لیتا ہے، اسی طرح نماز کی اس روح کے آثار بھی دوسروں کے لیے بعض اوقات اتنے عیاں ہو جاتے ہیں کہ وہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتے اور کانوں سے سن لیتے ہیں۔ بعض صحابہٴ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بیان کیا ہے کہ نماز کی حالت میں ہم آپ ﷺ کے سینہٴ مبارک سے چکی چلنے کی سی (یا بعض راویوں کے بیان کے مطابق ہانڈی میں جوش آنے کی سی) ایک آواز سنتے تھے تو یہ دراصل اسی اندرونی کیفیت کا ایک اثر تھا، جس کو دوسرے بھی محسوس کرتے تھے۔

بہر حال نماز سے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو اس درجہ عشق تھا اور جماعت کی پابندی کا اس قدر اہتمام تھا کہ ان کو دیکھ کر قرة عينى فى الصلوٰة (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کے معنی سمجھ میں آجاتے' اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی شہادت :

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ساتھ اور قریب کھڑے ہو کر جب کبھی نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا تو ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ حضرت مدنیؒ وہ نماز پڑھتے ہیں، جو ہم کو نصیب نہیں، خاص کر جب حضرتؒ فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے تو بعض اوقات تو خطرہ ہونے لگتا کہ کہیں قلب نہ پھٹ جائے۔

ادھر کئی سال سے حضرتؒ کے گھٹنوں میں مستقل تکلیف رہتی تھی، جس کی وجہ سے اُٹھنا بیٹھنا، خاص کر سجدے میں جانا اور سجدے سے کھڑا ہونا بڑی تکلیف اور مشقت کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ یہاں تک کہ دیکھنے والوں کا بھی دل دُکھتا تھا، لیکن اس تمام عرصہ میں فرائض ہی نہیں بلکہ اوّابین اور تہجد وغیرہ نوافل بھی ہمیشہ کے معمول کے مطابق طولِ قرأت اور طولِ قیام ہی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا

تھا کہ جس حالت کو ہم سخت تکلیف و مشقت سمجھ رہے ہیں، ان کے لئے اسی میں راحت ولذت ہے، ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندے کا ہوسکتا ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی...... "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" اور "یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ" والی کیفیت سے خاص حصہ ملا ہو۔ (تحدیث نعمت)

نماز میں استغراقی کیفیت:

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے ایک مرتبہ میرٹھ اسٹیشن پر نمازِ مغرب شروع فرمائی، نماز کی نیت باندھی ہی تھی کہ گاڑی نے سیٹی دیدی، بہت سے حضرات نیت توڑ کر گاڑی میں سوار ہو گئے، لیکن حضرتؒ نے بہت اطمینان سے نماز ادا فرمائی اور دعا مانگ کر گاڑی میں سوار ہوئے۔ خدام میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرتؒ! ہم لوگوں کو سیٹی کی آواز سن کر اس قدر بے تابی کیوں ہو گئی تھی؟ حضرتؒ نے فرمایا:

"بھائی! اگر میں بھی کبھی سیٹی کی آواز سنتا تو میری بھی ایسی ہی حالت ہو جاتی! کسی نے خوب کہا ہے ......

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے ترے شکر سے تری یاد سے ترے نام سے

(انفاس قدسیہ)

آج عملی زندگی میں دینیات' دینی فکر، دینی ذہن، اسلامی معاملات اور اسلامی معاشرت متروک ہو چکی ہے۔ صرف نماز باقی رہ گئی تھی، مگر مسلمانوں نے اسے بھی طاقِ نسیاں پر دے مارا ہے۔ بہت سے فقیر، بہت سے پیرزادے اور بہت سے صاحبزادے تارک الصلوٰۃ ہو کر بھی مرجع خلائق ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ فرمایا کرتے:

"لوگ منزل گاہِ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں، جب نماز میں مکمل فرماں برداری کریں ....

جذب و جنوں کا راستہ نکلا قریب کا
کیفی حرم کی راہ طوالت کی راہ تھی"

جماعت میں شرکت:

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے داماد حضرت مولانا رشید الدین بیان فرماتے ہیں:

مرض الموت کے دوران جبکہ اطباء اور ڈاکٹروں نے باہر تشریف لانے اور نقل وحرکت کی قطعی ممانعت کردی تھی، برابر یہی فرماتے رہتے کہ :

"بھائی ! باہر کا کمرہ زیادہ دور نہیں ہے، مجھ کو فقط جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدیجئے، نماز پڑھ کر میں فوراً واپس آجاؤں گا۔بیٹھوں گا نہیں"۔

مگر اطباء برابر یہی کہتے رہے کہ حضرت ! اس وقت نقل وحرکت بہت مضر ہے۔ چند دن آرام فرمالیں، اس کے بعد ان شاء اللہ کوئی ممانعت نہیں رہے گی اور گھر میں بھی آپ بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ حضرت نے باہر نہ نکلنے کے حکم کو تو مجبوراً مان لیا، لیکن بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ البتہ جب ضعف اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور کھڑے ہونے کی سکت جسم میں باقی ہی نہیں رہی، تو آخر میں ہفتہ عشرہ بیٹھ کر نماز ادا فرماتے رہے، قضا پھر بھی کوئی ایک نماز نہیں ہوئی۔

کیا اذان ہوگئی ؟

نومبر کا اخیر عشرہ بہت زیادہ شدتِ مرض اور تکلیف کا تھا، مگر جب نماز کا وقت ہوتا فوراً دریافت فرماتے تھے کہ کیا اذان ہوگئی؟ اگر معلوم ہوتا کہ اذان ہوئی ہے، تو فوراً نماز کی تیاری شروع فرما دیتے۔ ایک مرتبہ لیٹے ہوئے تھے، میں بدن دبا رہا تھا، فرمایا کہ اذان ہوگئی؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! مگر ابھی کوئی دو منٹ گذرے ہوں گے، ابھی تو کافی وقت ہے آپ تھوڑی دیر اور آرام فرمالیں، فرمانے لگے :

"نہیں بھائی! جب تک نماز سے فراغت نہیں ہوجاتی طبیعت میں اُلجھن اور پریشانی رہتی ہے"۔

جب قدرے افاقہ ہوا :

اسی بیماری کے دوران میں جب کچھ صحت کے آثار نمایاں ہونے لگے اور اطبا نے مہمان خانے میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی۔ اب حضرتؒ بالکل اسی طرح نماز مع سنن و مستحبات ادا فرماتے، جیسے حالتِ صحت میں ہوں۔ ہم لوگوں نے ارادہ بھی کیا کہ امام صاحب سے کہدیں کہ نماز ذرا اختصار کے ساتھ پڑھا کریں، لیکن اس سلسلہ میں حضرتؒ کی شدت کو دیکھتے ہوئے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔

خلافِ سنت نماز میں مزا نہیں آتا :

اتفاق سے اس دوران میں حکیم محمد یٰسین صاحب بجنوری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور انہوں نے بھی حضرتؒ کی اس کیفیت کا مشاہدہ کیا تو رخصت ہوتے وقت حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اور اس مرض میں آرام کی شدید ضرورت ہے۔ اس لئے اوّل تو آپ باہر تشریف نہ لے جائیں اور اگر جائیں بھی تو نماز ذرا اختصار کے ساتھ ادا فرمائیں۔آپ کے یہاں تو وہی صحت و تندرستی والا دستور چل رہا ہے۔مرض کے عالم میں اگر کچھ سنن و مستحبات چھوٹ جائیں تو کیا مضائقہ ہے؟ لیکن حضرت نے انہیں ایسے عجیب انداز میں جواب دیا کہ اس کے بعد کچھ عرض و معروض کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی، آپ نے فرمایا :

''ٹھیک ہے، مگر میں کیا کروں، مجھ کو خلافِ سنت نماز میں مزا ہی نہیں آتا۔ یہ سن کر حکیم صاحب خاموش ہو گئے اور ہم نے بھی اس بارے میں آئندہ کچھ کہنے کا خیال دل سے نکال دیا''۔ (شیخ الاسلام ص ۳۱۱)

یہ ایک حقیقت ہے کہ نماز کا ذوق اور اس میں انہماک اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک کہ انسان کو اس کی لذت اور حقیقی ذائقہ نصیب نہ ہو اور نماز سنت کے مطابق آنکھوں کی ٹھنڈک، دردِ دل کی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے۔

چارپائی پر نماز نہ پڑھی :

مولانا رشید الوحیدی بیان فرماتے ہیں :

حضرت مدنیؒ ایامِ علالت میں کبھی راضی نہ ہوئے کہ بستر پر نماز پڑھیں، نہ کبھی تیمم کے لئے تیار ہوئے، جب حضرتؒ نے اصرار کی شدت دیکھی، تو حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے (جو بسلسلہ عیادت تشریف لائے ہوئے تھے) فرمایا کہ :

''دیکھئے، ان لوگوں نے مسجد چھڑا دی، جماعت چھڑا دی اور اب بستر پر نماز پڑھنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ کیا حکم ہے؟ حضرت شیخ الحدیثؒ نے جواب میں فرمایا کہ میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے، سطح برابر ہے اور نماز کے لئے اتنی شرط کافی ہے، پھر حضرتؒ نے تیمم کے بارے میں دریافت کیا تو جواب میں فرمایا کہ پانی سے چونکہ نقصان نہیں ہوتا، صرف نقل و حرکت میں دشواری ہوتی ہے، اس لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا''۔

۲۷ رنومبر ۱۹۵۷ء کو طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی تو مولانا اسعد صاحب نے حکیم ذکی احمد صاحب بریلوی کو فون کیا۔ موصوف شام کو تشریف لے آئے تو حضرتؒ نے پوری تفصیل سے مرض کی کیفیت بیان فرمائی۔ موصوف حکیم صدیق صاحب کے ایک نسخہ سے موافقت فرمائی، مگر غذا میں بعض چیزوں کا اضافہ کر دیا۔ اگلے روز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ڈاکٹر برکت علی صاحب سہارنپوری کے ہمراہ تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے تقریباً پون گھنٹہ معائنہ فرمایا اور نسخہ تجویز کیا۔

"مگر وہ بعض حضرات کے سامنے اس بات پر اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے کہ طبی نقطۂ نظر سے اسبابِ زندگی کے فقدان کے باوجود حضرت والا حیات ہیں"۔

بہر حال اس قدر شدتِ مرض کے باوجود اس عرصہ میں کبھی نماز چارپائی پر نہیں پڑھی۔ قریب کی چوکی پر تشریف لے جاتے اور وضو کر کے نہایت اطمینان سے نماز ادا فرماتے۔

اہتمامِ صلوٰۃ کا حیرت انگیز واقعہ :

۳۰ رنومبر کا واقعہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ غالباً فرض کی دوسری رکعت تھی۔ میں قریب ہی کسی کام میں مصروف تھا۔ مولانا اسعد صاحب نے گھر میں داخل ہوتے ہی چیخ کر فرمایا: دیکھو! دیکھو! میں گھبرا کر مڑا تو بڑا رقت انگیز منظر سامنے تھا، جب تک ہم دوڑ کر قریب پہنچیں، حضرتؒ چوکی سے نیچے گر چکے تھے۔ میں نے اور مولانا اسعد صاحب نے مل کر اُٹھایا۔ زبان پر اللہ اللہ جاری تھا، کھانسی کی شدت سے سانس رُکنے لگا تھا۔ مولانا عزیز احمد صاحب قاسمی نے پیر پر اور میں نے جلدی جلدی پشت پر اور مولانا اسعد صاحب نے سینے پر ہاتھ رکھ پھیرا، جب کچھ سکون ہوا، تو مولانا اسعد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ! چارپائی پر تشریف لے چلیں۔ پوچھا نماز کا وقت ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں ! ہے۔ یہ سنتے ہی فوراً نیت باندھ لی اور نہایت اطمینان سے فرض ادا کرنے کے بعد بستر پر تشریف لے گئے۔ مولانا عزیز احمد صاحب نے پوچھا، حضرت! آپ کو کچھ محسوس ہو رہا تھا؟ فرمایا کہ بھائی یہ زندگی میں پہلا موقع تھا، اس لئے میں کچھ سمجھ نہ سکا، صرف اتنا یاد پڑتا ہے کہ تخت زور زور سے گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

(شیخ الاسلام نمبر ص ۲۱۶)

نماز کے لئے کوئی پابندی عائد نہ کی جائے :

حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب استاد دار العلوم دیوبند رقمطراز ہیں :

(مرضِ وفات کا تذکرہ ہے) درمیان میں کچھ افاقہ ہوا، تو حضرت نمازِ فجر کے لئے بھی مسجد میں جانے لگے۔ حکیم محمد یٰسین صاحب ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند نے جو یہ کیفیت دیکھی تھی، تو بہت شدت اور تاکید کے ساتھ ممانعت کی، لیکن حضرتؒ کی ہمتِ خداداد کو بھلا کون پابند کر سکتا تھا۔ آپ اس کے باوجود مسجد تشریف لے جاتے رہے، تو ایک دن اہل خانہ میں سے کسی نے فرطِ محبت میں یہ جرأت کی کہ آپ کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا، جب چپکے سے اُٹھے کہ نمازِ فجر کے لئے باہر تشریف لے جائیں تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے، آپ اس حرکت پر بیحد ناراض اور خفا ہوئے اور اس کا اظہار فرمایا، پھر صرف یہی نہیں بلکہ جب ناشتہ کے وقت جو کچھ اطباء نے بنا رکھا تھا، اہلیہ محترمہ اور صاحبزادی ریحانہ سلمہا نے پیش کیا، تو اس طرح ناراضگی سے ہاتھ مارا کہ تمام برتن گر کر ٹوٹ گئے، جب گھر والوں نے بہت معافی مانگی تو اس شرط پر ناشتہ فرمایا کہ:

''مجھ پر نماز کے سلسلہ میں کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے''۔

آنسو تھمتے ہی نہ تھے:

وفات سے دو روز قبل حضرتؒ نے قاری اصغر علی صاحب، مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث جس کو حضرتؒ نے اپنی حیات ہی میں عارضی طور پر درسِ نظامی کے لئے بلا لیا تھا۔ ان حضرات کے سامنے اپنی نمازوں پر جنہیں تیمم سے ادا کیا تھا' اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''دیکھئے بیٹھے بیٹھے بلا وضو نمازیں ٹرخا رہا ہوں، اس بات کا مجھے بیحد قلق ہے، اتنا ہی فرما سکے تھے کہ آپ پر رقت طاری ہوگئی اور پھر اس قدر روئے کہ پورا جسم لرزنے لگا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، جس پیکرِ صبر و استقلال اور مجسمۂ صبر و تحمل نے کبھی بڑی سے بڑی مصیبت پر ایک آنسو نہ گرایا ہو، وہ آج خوفِ خدا سے کس قدر لرزہ بر اندام تھا''۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۲۰۴)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو بخار کی شدت میں بھی باجماعت نماز کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ دو آدمیوں کے سہارے مسجد تشریف لاتے اور باجماعت نماز ادا کرتے۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو ابوبکر صدیق ؓ کو حکم دیا کہ وہ نمازوں کی امامت کریں۔ روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں ابوبکر صدیق ؓ نے سترہ (۱۷) نمازوں کی امامت فرمائی۔ بہر حال نماز میرے آقا کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، فرمایا کرتے: ''ارحنا یا بلال''۔

حضرت مدنیؒ بھی تو محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، جانثار اور عاشق زار تھے۔

آپ لوگ مجھے مسجد جانے سے بھی روکتے ہیں :

حضرتؒ مرضِ وفات میں ڈاکٹروں کی شدید ہدایات اور تیمارداروں کے بے پناہ اصرار سے مجبور ہو کر تقریباً ۲۵ یوم اندرونِ خانہ صاحب فراش رہے، جب ڈاکٹری علاج ترک ہوا، اور بجائے اس کے یونانی معالجہ شروع ہوا تو اطباء نے مردانہ نشست گاہ تک آنے کی اجازت دیدی۔ ۲۰ ربیع الاوّل ۷۷ھ/ ۱۵ اکتوبر ۵۷ء کو مہمان خانے میں تشریف لائے۔ یہاں نمازیں جماعت سے شروع ہوگئیں۔ یہاں اتنا ہجوم ہوتا کہ صفیں صحن تک پہنچ جاتیں، جس روز باہر تشریف لائے، اسی روز مغرب کے وقت مسجد جانے کا ارادہ کرلیا، مگر مولانا اسعد صاحب نے اصرار کیا تو اس کی بات مان لی اور مسجد تشریف نہیں لے گئے، لیکن ۲۴ ربیع الثانی کو آپ مہمان خانے سے اُٹھے اور سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور پھر نمازِ فجر میں بھی جانے لگے، جس سے تکلیف میں زیادتی ہوگئی۔ طبیبوں نے مسجد جانے سے سختی سے منع کردیا۔ ایک روز بعد نمازِ عصر فرمانے لگے :

"آپ لوگ مجھے مسجد جانے سے بھی روکتے ہیں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ مرض میں بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد جاتے تھے"۔

صاحبزادہ محترم اسعد صاحب نے عرض کیا کہ ...... وہ مسجد قریب تھی! فرمایا، میری مسجد کون سی دور ہے، لیکن صاحبزادہ محترم نے برجستہ عرض کیا کہ حضرت! وہ تو حجرہ سے بالکل متصل تھی، آپ کی مسجد تو کافی دور ہے۔

ترکِ جماعت پر راضی نہ ہوئے :

۱۱ شعبان ۱۳۳۴ھ کو شریف حسین کی فوجوں نے طائف کا محاصرہ کرلیا اور صبح سے قبل ہی حملہ ہوگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ محصور ہوگئے، ہر وقت سروں پر گولیاں گذرتی رہتی تھیں، لیکن یہ اللہ والے مسجد ابن عباس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ادا فرماتے۔ راستہ انتہائی خطرناک تھا، لوگوں نے منع کیا، فوجیوں نے سمجھایا، لیکن یہ حضرات ترکِ جماعت پر راضی نہ ہوئے۔

ایک دن مغرب کے بعد یہ حضرات نوافل میں مشغول تھے، مسجد ابن عباس کے سامنے والے

ترکی فوجوں کے مورچے پر تمام عربی فوجیں پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئیں ترک نوجوان پسپا ہو کر اس مسجد ابن عباس میں آ گئے، اُنہوں نے چھتوں اور میناروں کو مورچہ بنا کر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ طرفین میں سخت جنگ ہوئی۔ مسجد پر فوجیں بارش کی طرح گولیاں برسا رہی تھیں، مگر اللہ والوں کی یہ جماعت بڑے اطمینان سے نوافل میں مشغول رہی۔

جب یہ حضرات نوافل سے فارغ ہو گئے تو ترک نوجوانوں کی ہمت بڑھانے میں مصروف ہو گئے، فرماتے جاتے تھے کہ :

''گھبرانا مسلمان کا کام نہیں ہے اور اس موت سے اچھی کوئی دوسری موت نہیں''۔
(تذکرہ شیخ مدنیؒ)

عبادت وریاضت اور خوف وخشیت :

حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب رُکن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند راوی ہیں :

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنی بعض خصوصیات میں منفرد تھے۔ نیند پر آپ کو اس قدر قابو تھا کہ جب چاہتے چند منٹ کے لئے سو جاتے اور پھر وقت پر اُٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے، بکثرت ایسا ہوتا کہ سفر میں یا جلسہ گاہ میں دو بجے رات جاگنا پڑتا، مگر بایں ہمہ تہجد کا ناغہ نہیں ہوتا تھا، جلسہ گاہ سے آتے، سو جاتے اور پھر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد دیکھا جاتا کہ آپ تہجد میں کھڑے ہیں اور پھر اسی حال میں صبح ہو جاتی۔ ٹرینوں میں بھی آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔ مولانا اویس صاحب ندوی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ اعظم گڑھ کی طرف سے حضرتؒ کی واپسی ہوئی، میں بھی ساتھ ہو گیا۔ رات کا وقت تھا، جب حضرتؒ نے محسوس کیا کہ لوگ آرام کی نیند لے رہے ہیں۔ آپ خاموشی سے اُٹھے، وضو فرمایا اور تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بھی وضو کر کے ساتھ کھڑا ہو گیا، پھر پوری رات حضرتؒ نے اسی طرح گذار دی۔

اسی طرح صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں تنہا حضرتؒ کے ساتھ سفر میں تھا۔ رات کے وقت مجھ سے باصرار فرمایا کہ اوپر جا کر سو جا، مجھے تکلف ہوا، حضرتؒ نے فرمایا: تکلف نہ کرو۔ الغرض حضرتؒ کے اصرار کے باعث میں اوپر کی سیٹ پر جا کر لیٹ گیا۔ حضرتؒ نیچے کی سیٹ پر لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے جلد نیند نہ آئی، مگر جب حضرتؒ کو محسوس ہوا کہ میں سو چکا ہوں، تو آپ نے اُٹھ کر وضو فرمایا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

مولانا اسعد صاحب ہی کا بیان ہے کہ حضرتؒ جب گھر پر ہوتے تو آخر شب میں اپنے کمرے میں آجاتے اور تہجد میں مصروف ہوجاتے۔ اس وقت کسی کو کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی اور نہ کوئی جرأت کرتا تھا۔ ہاں میرے لئے اس قدر رعایت تھی کہ اگر کبھی کسی ضرورت سے اس خاص وقت میں بھی کمرے میں چلا جاتا تو خفگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان اوقاتِ مخصوصہ میں کمرے میں جانا ہوا تو اکثر حضرتؒ کو زار و قطار روتے دیکھا، پاس ہی تولیہ رکھا رہتا تھا اور کبھی وہ اس طرح تر ہوجاتا تھا کہ جیسے کسی نے اسے ابھی دھو کر ڈال دیا ہو۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۰۶)

نماز اور تراویح کی امامت خود کرتے تھے :

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی لکھتے ہیں :

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا مخصوص لہجہ اور ان کی نماز کا خشوع نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب اور حجاز میں بھی ممتاز و مسلم ہے۔ سلہٹ میں حضرت مدنیؒ نماز اور تراویح کی امامت خود فرماتے۔ اس لئے تراویح کی شرکت کے لئے دور دراز سے روزانہ سینکڑوں آدمی آتے اور تراویح و تہجد کی شرکت فرما کر صبح کو اپنے گھر روانہ ہوجاتے۔

قرأتِ قرآن کی لذتیں :

تراویح میں شرکت کے لئے مجمع دور دور سے آتا تھا۔ اذان کے بعد ہی مسجد پُر ہوجاتی تھی۔ بعد میں آنے والوں کو جگہ بھی نہیں ملتی تھی۔ حضرت مدنیؒ کے تشریف لے جانے کے لئے درمیان میں تھوڑی سی جگہ رکھی جاتی تھی۔ مسجد میں تشریف لاتے وقت متولیٔ مسجد پانی کا گلاس پہلے سے بھر کر انتظار میں کھڑے ہوتے کہ حضرتؒ مکان سے چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد ایک پان کھا کر موٹر میں تشریف فرما ہوتے اور کلی کر کے سیدھے مصلّے پر پہنچتے تھے۔ کثرتِ ہجوم کی وجہ سے ایک دو مکبّر تو ضرور ہوتے تھے۔ اخیر عشرہ میں کئی مکبّر ہوجاتے۔ تراویح میں ڈھائی پارے قرآن اس طرح پڑھتے کہ اوّل چار رکعتوں میں مولوی جلیل سوا پارہ پڑھتے اور اسی سوا پارہ کو سولہ رکعتوں میں حضرت قدس سرہٗ پڑھتے۔ ترویحہ بہت لمبا ہوجاتا۔ حضرت مدنیؒ پر تراویح میں قرآن پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایک جوش پیدا ہوجاتا کہ اس وقت کی لذت سننے والے ہی کو معلوم ہے۔ تراویح کے بعد بہت طویل دُعا ہوتی، جس میں حاضرین پر گریہ و بکا کا ایسا زور ہوتا کہ بسا اوقات ساری مسجد گونج جاتی۔ (اکابر کا رمضان ص ۱۷۸)

تلاوتِ قرآن سے بے پناہ شغف :

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے شوقِ تلاوت قرآن کی کہانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

حضرت مدنی ؒ حافظ قرآن تھے، اگر چہ بچپن میں حفظ نہ کر سکے تھے، مگر آپ کی یہ تمنا تھی کہ آپ کو یہ دولتِ لازوال (حفظ قرآن) حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سفر نامۂ اسیر مالٹا میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "میں چند دعائیں مانگا کرتا تھا، ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ قرآن مجید حفظ ہو جائے۔ چنانچہ اسارتِ مالٹا کے زمانہ میں آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور حفظ کے بعد اس کا حق بھی اس طرح ادا فرمایا کہ بہت سے "خالص حفاظ" سے بھی اس طرح ادا نہیں ہوتا۔

بہت سے حفاظ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ صرف رمضان المبارک میں دور کرتے ہیں اور گیارہ مہینے قرآنِ کریم کو طاقِ نسیاں کی زینت بنائے رکھتے ہیں۔ جبکہ ضعف اور ہجومِ مشاغل میں تراویح میں بھی قرآنِ کریم کا سننا اور سنانا دشوار ہوتا ہے۔ حضرت ؒ نہ صرف یہ کہ تراویح و تہجد میں تلاوتِ قرآن کریم کا اہتمام فرماتے تھے، بلکہ عام دنوں میں بھی) نوافل میں راتوں کو بیدار رہ کر تلاوتِ قرآن کریم کے روحانی کیف سے لذت اندوز ہوتے تھے، ریل میں، جیل میں، مالٹا کے اسارت خانے میں، حالتِ صحت و مرض میں، عالم جوانی و پیری میں، غرضیکہ ہمیشہ اور ہر دور میں قرآنِ کریم کے سننے اور سنانے کا معمول نہایت پابندی سے جاری رہا۔ آپ کے اس ذوق اور شغف سے کتنے قلوب میں حفظِ قرآن کی اہمیت پیدا ہوئی اور کتنے متوسلین نے آپ کی برکت سے اپنے بچوں کو قرآنِ مجید حفظ کرایا اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے، جس طرح انہوں نے رمضان میں (قیامِ تراویح کے ذریعہ) مساجد کو منوّر کیا، ایسے ہی حضرتؒ کا ہر متوسل آپؒ کے لئے بھی یہی دعا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو روشن کرے کہ آپؒ نے عملی نمونہ دکھا کر حفظ و تلاوت قرآنِ پاک کا عام جذبہ پیدا فرمایا اور لاکھوں قلوب قیام لیل کی برکتوں سے منوّر ہو گئے۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۱)

تراویح میں حفص کی قرأت :

حضرت مولانا عبد الحمید اعظمی فرماتے ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں ہم نے یہ عجیب بات دیکھی کہ حضرت مرحوم ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی جہراً پڑھتے ۔ چند روز تک مسلسل دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور دریافت کر بیٹھا، فرمایا :

''میں تراویح میں حفص کی قرأت پر عمل کرتا ہوں ۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورہ کا جزو ہے ۔ اس لئے فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط کرتا ہوں ، مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لئے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن کریم ختم ہو جائے ۔ ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورہ میں تلاوت سے رہ جائے گی اور اس طرح کچھ لوگوں کے نزدیک پورا قرآن شریف ختم نہ ہو سکے گا'' ۔

پھر فرمایا :

''مجھے حیرت ہے کہ لوگ بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا میں تو حفص کی قرأت کا لحاظ کرتے ہوئے عام قاعدہ کے خلاف پڑھتے ہیں ، پھر بسم اللہ کی جہراً قرأت اور وہ بھی نوافل میں کیوں تأمل کیا جاتا ہے ۔ بہر حال میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں ۔ اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی'' ۔

(مولانا مدنیؒ کا رمضان ص ۱۷۳)

قرآنِ مجید اللہ کا کلام ہے ، پڑھتے جایئے اور نیکیاں سمیٹتے جایئے ، افسوس ہم صبح اُٹھتے ہی اخبار پڑھتے ہیں ، چائے نوشی میں لگ جاتے ہیں ، رات گئے تک کہانیاں ، ڈائجسٹ ، میگزین اور کیا کیا پڑھ جاتے ہیں ، لیکن قرآن مجید کی تلاوت کا ذوق ہم میں موجود نہیں ۔ اگر ایک پارہ ہم روزانہ پڑھیں ، تو نیکیوں کے کتنے خزانے ہمارے ہاتھ لگ سکتے ہیں ....

ے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

☆ ☆ ☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت،

اطاعت، اتباعِ سنت اور استقامت

جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منظر :

کسی کی ذات سے محبت یا تو حُسن و جمال کی وجہ سے ہوتی ہے یا کمال واحسان کی وجہ سے...... ع کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی ......

جہاں تک جمالِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ اس کے گواہ صحابۂ کرامؓ ہیں۔ ایک صحابیِ رسول فرماتے ہیں، جب حضور سامنے سے تشریف لاتے، یوں لگتا جیسے سورج نکل آیا۔ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں :

وَاَحْسَنُ مِنکَ لَمْ تَرقَطُّ عَینِی وَاَجْمَلُ مِنکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیبٍ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

اے پیغمبرؐ ! اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جمیل آج تک کسی عورت نے نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے محفوظ پیدا کئے گئے ہیں، گویا کہ جیسا آپ نے چاہا، اسی طرح آپ کو پیدا فرمایا گیا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا کوئی نظر احاطہ ہی نہیں کر سکتی تھی ......

نظر بھلا رُخِ انور پر کس طرح ٹھہرے
نگاہِ سوز ہے نظارۂ جمال ان کا

باقی رہی احساسات کی بات' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خدا کے بعد نبی کریم ﷺ کی ذات سے بڑھ کر احسانات کسی کے نہیں، اللہ کے بعد وہی سب سے بڑے محسن ہیں۔

عشقِ رسول ﷺ کی حقیقت :

محبت کے تمام اسباب حضور ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہیں، لیکن محبتِ رسولؐ معنوی اور اُصولی چیز ہے۔ اس محبت اور لگاؤ کا مطلب یہ ہے کہ ہم زندگی کے اس ڈھنگ کو پسند کرتے ہیں، جس کو ہمارے نبیؐ نے ہمارے سامنے پیش کیا۔ صرف سرورِ کائنات کا نام لے کر اُچھل پڑنا، وجد میں آنا اور بے ہوش ہونا محبت نہیں۔ محبت یہ ہے کہ روزمرہ کے کاموں میں ہم ان کی سیرت سے رہنمائی حاصل کریں اور پوری زندگی کا نقشہ یوں ترتیب دیں کہ ہماری ہر ہر بات اور ہر ہر ادا میں سنت و اطاعتِ رسولؐ کی پیروی کا جذبہ اور ولولہ ہو۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ محمد عربیؐ کے سچے عاشق، محبّ اور جانثار تھے۔ انہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر محبتِ رسول ﷺ کا اظہار زبان سے نہیں عمل سے کیا اور کامل اتباعِ نبوی کو اپنا شعار بنایا۔

محبت اور اتباعِ سُنّت :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

اس عاجز نے اس باب میں حضرت مدنیؒ کو بہت ممتاز پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادنیٰ نسبت رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی مٹی کے ساتھ حضرتؒ کو جو خاص قلبی تعلق تھا، جس کا اظہار اپنے موقع پر عملی زندگی میں قدرتی طور پر ہوتا رہتا تھا، اس کی مثال اس عاجز نے دوسری جگہ نہیں دیکھی۔

روزمرہ کے اعمال میں سنت کی پابندی :

اسی طرح اتباعِ سنت کا اہتمام اور شغف، عبادات ہی میں نہیں بلکہ اُمورِ معاشرت اور عادات میں بھی جس قدر فرماتے تھے۔ تلاش کرنے والے کو اس کی مثالیں خواصِ اہلِ دین میں بھی شاذ و نادر ہی ملیں گی۔ اس سلسلہ میں بعض عادات اور روزمرہ کی بعض ایسی باتوں کا ذکر کرنا غالباً نامناسب نہ

ہوگا، جن سے اندازہ ہو سکے کہ سننِ نبویہ کا اتباع گویا آپ کا مزاج بن گیا تھا۔

مثلاً تکیہ چمڑے کا استعمال فرماتے تھے، کھانا کھاتے وقت نشست ہمیشہ سنت کے مطابق ہوتی تھی۔ اپنے دسترخوان پر (جو عام طور پر گول ہوتا اور جس پر دس بارہ آدمی آپ کے ساتھ دائرہ بنا کر بیٹھتے) سالن ایک ہی بڑے برتن میں ہوتا اور سب کے ہاتھ اسی ایک برتن میں پڑتے، حتیٰ کہ اگر کہیں دعوت میں شرکت فرماتے اور وہاں آج کل کے رواج کے مطابق ہر شخص کے کھانے کی پلیٹ الگ ہوتی تو اپنے قریب والوں کو اپنے ساتھ شامل فرما کر وہاں بھی مسنون طریقہ پر ان کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا تناول فرماتے۔

تعظیماً کھڑے ہونے پر ناراضگی :

اسی طرح اُٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے سونے میں حتیٰ کہ لباس اور جوتا پہننے میں بھی طریقہ سنّت کی پابندی فرماتے ...... اگر آپ کے تشریف لانے پر آپ کے نیازمند اور خدام تعظیماً کھڑے ہو جاتے (جیسا کہ آج کل عام دستور ہے) تو ناراضگی کا اظہار فرماتے، بلکہ بعض اوقات اس اظہارِ ناراضگی میں برافروختی بھی ہوتی......اور فرماتے! کہ :

”آپ لوگ کیوں کھڑے ہوئے، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کھڑے ہونے سے ناگواری ہوتی تھی“۔

حضرت مدنیؒ گھر کے افراد سے کبھی اپنے کام کے لئے نہ فرماتے۔ بدن دبوانے، سر پر تیل لگوانے یا گرمیوں میں پنکھا جھلنے اور سخت سے سخت گرمی میں بھی بجلی کا پنکھا کھولنے کی کبھی فرمائش نہیں کی۔ از خود اگر کوئی خدمت کے لئے حاضر ہوتا، تو منع فرما دیتے، مگر اصرار پر اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ پڑھے لکھے حضرات اگر پنکھا جھلنے کے لئے اصرار کرتے تو منع کرتے ہوئے فرماتے کہ کیا حضورؐ سے کبھی پنکھا جھلوانا ثابت ہے؟؟ جب کبھی آپ کی تشریف آوری پر لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے تو برہمی کے ساتھ انہیں بیٹھنے کا حکم فرماتے اور اس وقت تک تشریف نہ رکھتے جب تک کہ ایک ایک فرد اپنی جگہ پر بیٹھ نہ جاتا، اگر کھڑے ہونے والے علماء اور طلباء ہوتے تو یہ حدیث پڑھتے تھے: لاتقوموا لی کما یقوم الا عاجم لکبرائهم او کما قال (یعنی میرے لئے تعظیماً اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جیسے کہ اہلِ عجم اپنے بڑوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں)

یہ روزمرّہ کی چند مثالیں ہیں، جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معاشرت و عادات میں بھی

سنن نبویہ کا اتباع آپ کا مزاج بن گیا تھا۔ (تحدیثِ نعمت)

مرض الوفات میں اہتمامِ سنت :

حضرت مولانا رشید الوحیدی بیان کرتے ہیں :

(کچھ دنوں کے افاقہ کے بعد) دفعتاً حضرت مدنیؒ کے مرض میں زیادتی ہوئی، وہ بھی اس قدر کہ شب و روز یکساں نہایت اضطراب کے عالم میں گذرنے لگے۔ اگرچہ آپؒ کی لغت میں آرام ایک مہمل لفظ سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا، لیکن اب آپ مجبور تھے کہ تمام مشاغل سے کنارہ کشی اختیار فرمائیں اور بستر سے جدا نہ ہوں، مگر مجبوری خارجی مشاغل تک محدود تھی، لیکن تسبیح و تہلیل ذکر و عبادت کا سلسلہ اب بھی جاری تھا، بلکہ اُس میں اضافہ ہوگیا تھا۔ سنن و مستحبات تک کی پابندی بدستور تھی، کمزوری کا یہ عالم تھا کہ بغیر سہارا بیٹھ نہ سکتے تھے مگر غذا کے وقت تکیہ سے علیحدہ ہو جانا ضروری تھا۔ سب کا اصرار تھا کہ ٹیک ہی لگا کر کھانا تناول فرمالیں، مگر صاف فرمادیتے، نہیں بھائی یہ سنت کے خلاف ہے اور پھر ٹیک لگائے بغیر کھانا تناول فرماتے۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۲۱۶)

سوائے ''اللہ'' کے اور کسی سے تعلق نہیں :

گھر کی شادیوں اور تقریبات میں رسومات اور فضول خرچی کسی حالت میں بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔ مثلاً ریحانہ کی شادی کے بارے میں جبکہ گھر کے کسی فرد کا ذہن بھی اس جانب ابھی تک متوجہ نہیں ہوا تھا۔ حضرتؒ نے اچانک فیصلہ فرمادیا اور وقت کی تعیین یوں فرمائی کہ اس مرتبہ رمضان المبارک میں جب گھر جانا ہوگا، تو اُمورِ شادی انجام پائیں گے۔ یہ وہ صاحبزادی ہیں، جنہیں حضرتؒ پیار سے چاند، سورج فرمایا کرتے تھے۔ صغرسنی کے باوجود جیل سے اکثر خطوط انہی کے نام آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی بذریعہ پارسل مٹھائی بھی آجاتی تھی۔ سفرِ حج میں یہ کسی وجہ سے ہمراہ نہ جاسکیں، تو اپنے دستِ مبارک سے برابر تسلی بخش خطوط اُن کے نام تحریر فرماتے رہے، مگر جب شادی کا وقت آیا، تو صرف وقت متعین کر کے خاموش ہوگئے اور کوئی توجہ زیور اور جہیز وغیرہ کی جانب نہ فرمائی۔ کسی وقت دادی صاحبہ نے عرض کیا کہ : ''بچی رخصت ہوگی تو کیا آپ کو کوئی تعلق نہیں ہے؟ کہ انتظامات کی جانب متوجہ نہیں ہوتے''۔ یہ سن کر نہایت پرجوش انداز میں فرمایا کہ :

''مجھے سوائے اپنے اللہ کے اور کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے بندوں سے

صرف اس قدر اور محض اس لئے تعلق ہے کہ میں قیامت میں مواخذہ سے بچ جاؤں"۔

بیٹی کی شادی اور اتباعِ سنت :

چنانچہ ٹانڈہ تشریف لے گئے، تو ایک روز بعد نمازِ عصر حاضرین سے بیٹھے رہنے کے لئے فرمایا اور بغیر کسی اہتمام و انصرام خالہ زاد بھائی مولانا سید حمید الدین صاحب کے صاحبزادے مولوی رشید الدین کے ساتھ صاحبزادی کا عقد فرمادیا اور اسی تاریخ کو رخصتی ہوگئی۔ اس طرح رسول اللہؐ کے ایک امتی نے اپنی لختِ جگر کو ٹھیک آقا کی طرح اپنے غربت کدہ سے رخصت کیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۲۳۳)

گفتگو میں اتباعِ سنت :

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ نے درسِ بخاری کے دوران ارشاد فرمایا کہ :

"بفضلہٖ تعالیٰ میں بسرعت تقریر کرسکتا ہوں، لیکن یہ توقف فی الکلام (ٹھہر ٹھہر کر بولنا) بہت مشقت کے بعد حاصل کیا ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ اس طرح تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے جیسے کہ تمہاری زبان چلتی ہے، بلکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ جو شخص آپ کے پاس ہوا سے محفوظ ہوجائے"۔ (انفاس قدسیہ)

خلافِ وضع مسنون دعوتِ طعام سے انقباض :

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب راوی ہیں : حضرت مولانا آزادؒ کی وزارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ العزیز اور ان کے چند مخصوص خدام کو کھانے پر مدعو فرمایا۔ کھانے کا انتظام میز پر تھا۔ حضرت مدنیؒ نے کھانا تو تناول فرمالیا، مگر طبیعت منقبض رہی اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک لطیف انداز میں اس جانب اشارہ بھی فرمایا۔ اب حضرت مولانا آزادؒ کی حساس طبیعت کو ملاحظہ فرمایئے کہ کچھ دنوں کے بعد موصوف نے دوبارہ دعوت کی اور ان تمام حضرات کو مدعو کیا، جنہیں پہلی مرتبہ دعوت دی تھی۔ اس بار آپ نے کھانے کا انتظام فرش پر کیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۱۶)

جذبۂ احیائے سنت :

حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری لکھتے ہیں :

ٹانڈہ میں فجر کی نماز عموماً قاری مہدی بخاری پڑھایا کرتے تھے، جو کہ رمضان المبارک کا

مہینہ گذارنے کے لئے ٹانڈہ آئے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کو موصوف نے نمازِ فجر کی امامت کی اور ''حم سجدہ'' و ''سورۂ دہر'' کے علاوہ دوسری سورتوں کی تلاوت کی۔ نماز کے بعد حضرتؒ ان پر بہت ناراض ہوئے کہ مسنون سورتیں کیوں ترک کی گئیں؟ مولانا قاری اصغر علی نے جو کہ حضرتؒ کے مزاج میں بہت دخیل تھے، عرض کیا کہ اب تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ جمعہ کے دن نمازِ فجر میں ان سورتوں کی تلاوت کے وجوب اور فرضیت کے قائل ہیں۔ فرمایا :

''یہ بات نہیں ہے چونکہ لوگوں نے اِس سنت کو بالکل ترک کر دیا ہے، اس لئے میں اس مردہ سنت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں''۔

غور فرمایئے ! حضرت کو ایک سنت کے احیاء کا کس قدر خیال تھا؟

چاند رات لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! آج بھی تہجد باجماعت ادا فرمائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کے علاوہ نوافل کی باجماعت ادائیگی نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ لوگوں نے باصرار عرض کیا کہ حضرت! خود جماعت کا انتظام نہ فرمائیں۔ باہر صرف تہجد شروع فرمادیں، جنہیں شریک ہونا ہے، وہ نماز میں شامل ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ یہ بھی جماعت ہی کی صورت ہے۔ الغرض! آپ نے صاف انکار فرمادیا اور تہجد کے وقت باہر نہیں تشریف لائے۔

(شیخ الاسلام نمبر ص ۷۵۰)

دیکھئے! میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے کہاں ہے ؟

جناب فیاض احمد حسینی فاضل دیوبند فرماتے ہیں :

درس کے وقت طلباء اپنے اشکالات پرچیوں پر لکھ کر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ حضرتؒ ان کو پڑھ کر سناتے اور جواب دیتے۔ ان میں سے بعض پرچیاں خود حضرت کی ذات سے متعلق ہوتی تھیں اور بعض میں تلخ انداز بھی ہوتا تھا، مگر حضرت ایسی پرچیوں کا جواب بھی نہایت بردباری اور خندہ پیشانی کے ساتھ عنایت فرماتے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک پرچی پہنچی، جس میں تحریر تھا کہ: ''حضرت! آپ پاجامہ ٹخنوں سے نیچا کیوں پہنتے ہیں، یہ تو از روئے حدیث حرام اور ممنوع ہے''۔ حضرتؒ نے پرچی سنائی پھر فوراً کھڑے ہوگئے اور پائینچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

''حضور! کون کہتا ہے کہ میں ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہنتا ہوں۔ دیکھئے، میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا کہاں ہے؟ ہوسکتا ہے کہ کبھی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر توند کی وجہ سے

نیچا ہو جاتا ہو، پھر بھی کافی احتیاط اور خیال رکھتا ہوں۔ بھلا میں اس کی جرأت بھی کیسے کر سکتا ہوں، جبکہ حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے"۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ٣٠٠)

خلافِ سنت امر پر انتباہ :

حضرت مولانا احتشام الحق کاندھلوی رقمطراز ہیں :

میں ایک عزیز کی تعزیت میں شیخوپورہ گیا ہوا تھا۔ واپسی بڑوت کو ہوئی کاندھلہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ بڑوت میں آج جلسہ تھا۔ حضرت مدنیؒ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اپنی اس بے خبری اور زیارت سے محرومی پر بے حد افسوس ہوا۔ ابھی چند روز پہلے میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی حضرت مدنیؒ کی شکل وصورت میں زیارت کی تھی۔ اس لئے بھی حضرت مدنیؒ کی زیارت کا اشتیاق زیادہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت مدنیؒ کی واپسی کاندھلہ کو ہوگی اور شب میں قیام ہوگا۔ یہ سُن کر طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ چنانچہ حضرتؒ مغرب کے بعد تشریف لے آئے۔ میں نے فرطِ اشتیاق میں حضرتؒ کے مزاج اور طبیعت سے واقفیت کے باوجود آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حضرتؒ نے اپنے ہاتھوں کو اس عجلت کے ساتھ کھینچا کہ میں اور حضرت دونوں گرتے گرتے بچے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے معذرت چاہی تو ارشاد فرمایا کہ :

"بہت سے خلافِ شرع اُمور رائج ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک خلافِ سنت کام کا اضافہ کیوں کیا جائے؟ میں نے اس واقعہ کو اس لئے نقل کیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ حضرتؒ کا اصل جذبہ خلافِ شرع اور خلافِ سنت اُمور کے مقابلے میں جہاد تھا اور حضرتؒ چاہتے تھے کہ تمام خلافِ شریعت اُمور کو روئے زمین سے نیست و نابود کردیں"۔

(شیخ الاسلام نمبر ص ٤٧)

جب رسولؐ نے بدلہ نہ لیا تو میں ان کا غلام ہو کر کیا بدلہ لوں ؟

حضرت مولانا عبدالحمید اعظمی لکھتے ہیں :

حضرت سلہٹ میں قیام پذیر تھے۔ مسلم لیگ کے حکم پر یہاں بھی "ڈائرکٹ ایکشن ڈے" منایا گیا، جس میں اپنے ایک خاص مطالبہ کے ساتھ قوم پرور مسلمانوں پر وحشیانہ حملوں کا پروگرام بھی شامل تھا۔ چنانچہ نئی سڑک (سلہٹ) کی مسجد میں نمازِ جمعہ سے فارغ ہوتے ہی اس کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ پوری مسجد نمازیوں کے خون سے لت پت ہوگئی۔ خدا کی براہِ راست نگرانی نے حضرتؒ کو محفوظ

رکھا، ورنہ اسباب وعلل کو دیکھتے ہوئے حضرتؒ کی زندگی کے امکانات نہیں تھے۔ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد میں نے تنہائی میں عرض کیا کہ آج تو کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی، مگر خدا نے خیر کی اور حضرتؒ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس قوم نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ اگر حضرتؒ نے صبر کیا تو خدا خود انتقام لے گا اور قوم پر تباہی آئے گی۔ اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچایئے!

"آپ نے فرمایا کہ کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ان کے حق میں بددعا فرما کر انتقام لے لیجئے تا کہ براہِ راست اللہ تعالیٰ ان کو اپنی گرفت میں نہ لے۔ یہ سن کر عجیب وغریب لہجے میں جواب دیا کہ بھائی! جب رسول اللہ ﷺ نے بدلہ نہیں لیا تو میں ان کا غلام ہوتے ہوئے کیا انتقام لوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس قوم کو ہدایت دے۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں"۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵۹)

تقسیمِ مسواک کا اہتمام:

حضرت مولانا فضل الکریم آسامی رقمطراز ہیں:

جب بخاری شریف میں مسواک کی فضیلت کا باب آتا تو آپ کا طریقہ تھا کہ تمام طلباء دورۂ حدیث میں مسواکیں تقسیم فرماتے۔ اس سال ابھی باب شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرتؒ علیل ہو گئے اور جب مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کے درس میں یہ باب آیا تو حسب دستور طلباء نے مسواک کا مطالبہ کیا۔ حضرتؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بسترِ علالت سے کہلوا بھیجا کہ اس وقت موجود نہیں ہیں۔ یہ میرے ذمہ قرض ہیں۔ ان شاء اللہ ادا کر دوں گا، مگر افسوس اجل نے فُرصت نہ دی، تو وفات کے بعد پانچویں روز ۷ ار جمادی الاوّل ۷۷ھ کو صاحبزادۂ محترم مولانا اسعد صاحب نے یہ قرض ادا فرمایا۔ **فجزاھم اللّٰہ**۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۵)

ہوا میں اُڑنا، دریا میں چلنا (یا تیرنا)، آگ سے گذرنا اور خرقِ عادات کا ظہور نہ مقصود ہے نہ مطلوب۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں نہ قدم جادۂ شریعت سے باہر ہو اور نہ کوئی عمل خلافِ سنت ہو۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے اعمال وافعال، کردار وگفتار کا بغور مطالعہ فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ سنت کی پیروی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

عزیمت واستقامت:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مدنیؒ میں جہاں تواضع اور خاکساری اس درجہ کی تھی، اس کے بالکل برعکس یہ بات بھی تھی کہ جس راستے پر چلنے کو وہ حق سمجھ لیتے، پھر کسی کا کہنا، سننا، کسی کا ساتھ دینا یا ساتھ نہ دینا، کسی کی رضامندی یا ناراضگی، کسی کی تحسین یا ملامت، حتیٰ کہ کوئی زلزلہ اور بھونچال بھی ان کو اس راستہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا...... اس کی سب سے روشن مثال ان کا سیاسی مسلک اور اس سلسلہ کی ان کی سرگرمیاں ہیں۔

ہندوستانی سیاسیات کے بارہ میں ایک رویہ کو صحیح سمجھ کر انہوں نے اپنا لیا تھا۔ جن لوگوں کو ماضی کے واقعات بھولے نہیں ہیں، انہیں یاد ہوگا کہ حضرتؒ کو اس راہ میں کیسے کیسے ناموافق حالات اور کتنے سخت طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور عزت و آبرو تک کی کیسی کیسی قربانیاں دینی پڑیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس دور میں جتنی زیادہ مخالفت بڑھی، حضرتؒ کو اس زمانہ میں اتنا ہی زیادہ مضبوط، غیر متزلزل اور پُر جوش پایا گیا۔ (تحدیثِ نعمت)

عزیمت و حمیّت :

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں :

"راقم کی کوتاہ نظر میں دو صفتیں آپ کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، جنہوں نے آپؒ کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا ہے۔ ایک عزیمت دوسری حمیّت، عزیمت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آپؒ نے علماء اور اہلِ درس کے حلقہ سے باہر قدم نکالا اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کی، جو وقت کا اہم مسئلہ تھا اور عین انگریزی حکومت کے عروج کے زمانے میں جس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا، اعلان کر کے "کلمة حقٍ عند سلطان جائر" کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا۔ مالٹا میں اسیری کے دن گزارے اور ہندوستان کی جیلوں میں مہینوں رہ کر سنتِ یوسفی ادا کی اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے مقابلے میں برسوں سینہ سپر رہے۔ یہاں تک کہ آپؒ کا مقصد پورا ہوا۔

پھر یہ عزیمت آپؒ کی پوری زندگی میں نمایاں ہے۔ فرائض کی ادائیگی، نوافل و مستحبات کی محافظت، مخالف ماحول میں معمولات کی پابندی، اس زمانہ میں بڑی استقامت ہے۔ وعدوں کے ایفاء، دور دراز کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت اور اس کے لئے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرنا مستقل عزیمت ہے، پھر اس کے ساتھ دارالحدیث کے اسباق کی پابندی اور کتابوں کی تکمیل ایک مستقل مجاہدہ، مہمانوں کی میزبانی اور مختلف الطبائع اشخاص کے ساتھ ضیافت و اکرام کا معاملہ اور ان کی مزاجی خصوصیات کا تحمل مستقل جہاد، پھر مریدوں کی تربیت اور نگرانی، کثیر التعداد خطوط کا جواب دینا اور سب

جماعت کے رہنما تھے۔

آپ جانتے ہیں کہ کسی طاقت کی طرف سے کسی عہدہ ومنصب کی پیش کش سیدھی انگلی سے گھی نکالنے کی کوشش کا نام ہے۔ اقتدار کے راستے سے کسی کو ہٹانے کی کوشش کا یہ پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اگر گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے، تو انہیں ٹیڑھا کرلیا جائے اور اگر پہلے مرحلے میں کامیابی نہ ہو تو قید و بند اور تعزیر وتعذیب کے دوسرے مرحلے کا آغاز کردیا جائے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی پوری زندگی تاریخ کی روشنی میں دنیا کے سامنے ہے، جسے دیکھنے کے لئے کسی باطنی بصیرت کی ضرورت نہیں، ظاہری آنکھوں سے دیکھ اور پڑھ لیا جاسکتا ہے کہ قید و بند اور تعزیر وتعذیب کے ہر مرحلے میں آپ کی استقامت غیر متزلزل رہی، جس طرح حکومت کی کوئی پُر فریب پیش کش آپ کے اخلاص کو متزلزل نہ کرسکی تھی، اسی طرح تعزیر وتعذیب کا خوف آپ کے پائے ثبات کو اس کی جگہ سے نہ ہلا سکا۔

آپ میں سے بعض حضرات شاید اس بات میں شک کریں کہ ایک دور میں ایک جماعت کی طرف سے حضرتؒ کے خلاف جو ہنگامہ برپا کیا گیا تھا، اسے ملک کے خان بہادروں، نوابوں، جاگیرداروں کی سرپرستی اور حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی، لیکن اس بات کو تو بہر حال آپ تسلیم فرمائیں گے کہ کسی صاحبِ اخلاص و دیانت کا دنیا بھر کو راضی رکھنا اور خوش کرنا ممکن نہیں۔ ممکن ہے ایک بڑی جماعت کو وہ اپنے اخلاص و دیانت کا گرویدہ بنالے، لیکن افراد کی ایک چھوٹی سے چھوٹی جماعت اس کی مخالف ضرور رہ جائے گی، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ افراد کی اس چھوٹی سی جمعیت کا تعلق اس ''خاص جماعت'' کے نظامِ فکر سے نہ تھا، جس کے وہ واقعی رکن یا کارکن تھے، لیکن سوال یہ ہے کہ اختلاف و ناراضگی کی صورت میں ان کا رویہ کیا ہونا چاہئے تھا؟ آپ اس سوال کا جواب دینے کی زحمت نہ اُٹھائیں، لیکن یہ ضرور سوچئے کہ مخالفت اور توہین وتضحیک کے اس طوفانِ بے تمیزی میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی استقامت کا کیا عالم رہا؟

خواہ آپ زبان سے اس کا اقرار نہ کریں، لیکن آپ کا دل گواہی دے گا کہ آزمائش کے اس مرحلے میں بھی جو حکومت کی طرف سے قید و بند اور تعزیر وتعذیب کی صورت میں پیش آیا ہو، خواہ کسی جماعت کے کارکنوں کی طرف سے غیر شریفانہ مخالفت اور تضحیک وتوہین کی صورت میں نمایاں ہوا ہو، حضرت شیخ الاسلامؒ کا اخلاص بے عیب اور استقامت بے داغ ثابت ہوتی ہے۔

(مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ)

استقامت وعزیمت کی ایک نادر مثال :

۱۹۳۲ء میں جمعیت علماءِ ہند کی طرف سے آپ ڈکیٹر بنائے گئے، ہر ایک ڈکیٹر کو دہلی جا کر سول نافرمانی کرنا اور گرفتار ہونا تھا۔ آپؒ کی طبیعت سخت علیل تھی، ٹانگوں میں زخم تھا، چلنا پھرنا دشوار تھا۔ مولانا انور شاہ محدث کشمیریؒ کو مقصد روانگی کا علم ہوا، تو کہلا کر بھیجا کہ اس حالت میں سفر نہ کریں۔ تاریخ بدل دیجئے۔ حضرتؒ نے گوارا نہ فرمایا، اسی حالت میں روانہ ہو گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا تھا، دیوبند سٹیشن پر کثرتِ ہجوم کے باعث پولیس کو جرأت نہ ہوئی۔ دیوبند سے اگلے سٹیشن پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے وہ نوٹس پیش کیا، آپؒ نے فرمایا میں انگریزی نہیں جانتا، اس نے کہا قلم دیجئے تا کہ اردو میں ترجمہ کردوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کیا خوب؟ اپنے ذبح کرنے کے لئے اپنا ہتھیار دے دوں۔ وہ خاموش ہو گیا اور گاڑی چل پڑی۔ مظفر نگر سٹیشن پر ترجمہ کر کے لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ حاکم سہارنپور کی طرف سے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں، ورنہ اپنے آپ کو گرفتاری سمجھیں۔ فرمایا: اب میں سہارنپور کی حدود سے آگے ہوں یہ نوٹس قابلِ تعمیل نہیں۔ افسران یہ جواب سن کر حیران ہوئے۔ بعد میں مجسٹریٹ نے جو ساتھ تھا، کہا کہ آپ کو اپنے خصوصی امتیازات کی بناء پر نوٹس دوں گا۔ چنانچہ اس نے اسی اسٹیشن پر دوسرا تحریری نوٹس پیش کیا اور گرفتاری عمل میں آئی۔ حضرتؒ کی یہ حالت تھی کہ گاڑی سے اُتر کر دو قدم بھی چلنا دشوار تھا۔ اسی جگہ تھوڑی دیر کے لئے کرسی بچھا دی گئی۔ اس پر حضرتؒ بیٹھ گئے۔ اس تمام تکلیف کے باوجود فریضۂ جہادِ آزادی کو چھوڑنا یا ملتوی کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ استقامت وعزیمت کا یہ نادر واقعہ مولانا انصار الحق نے بیان کیا ہے۔

(بیس بڑے مسلمان)

سادگی و بے نفسی، صبر و تحمل، عفو و کرم اور تواضع و خاکساری

معاف کرنا، درگذر کرنا اور دشمن سے حسنِ سلوک کرنا انسانی بُلندی کا اعلیٰ معیار ہے۔ یہ ایک ایسا جوہرِ سیرت ہے جس کا بیج قلب کی سرزمین میں پھوٹتا ہے۔ برگ وبار پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی سرمدی مہک سے مشام روح معطر ہو جاتا ہے۔

عفو و درگذر :

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ خود بھی اپنے دشمنوں کو معاف کیا اور امت کو بھی یہی تعلیم دی کہ معاف کرنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔ قرآن حکیم میں رب العالمین نے فرمایا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ رب تمہاری خطاؤں، غلطیوں، لغزشوں اور گناہوں کو معاف کر دے تو یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ تم بھی اس کے بندوں کو معاف کر دیا کرو۔ انتقام کا جذبہ دل سے نکال پھینکو انتقام اور معافی ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔

انتقام کے سفلی جذبات سے نفرت تھی :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کی سیرت کا بڑا عنصر اور جوہر معافی تھا۔ انہوں نے اپنے قلب وذہن کو انتقام کے سفلی جذبات سے پاک کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے حضرت مدنی ؒ کو تکلیفیں پہنچائیں،

حضرتؒ نے ان کے ساتھ بھی احسان، کرم، مہربانی اور عفو کا معاملہ کیا۔ ہمیشہ ان کی نفع رسانی اور خدمت کی فکر میں رہتے براہ راست بھی اگر آپ کے مخالفین کو ضرورت پڑی تو ان کی ضرورت پوری کی۔ اپنے معاندین کو صرف معاف ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے لیے دعائیں بھی کرتے .... ہے

ہر کہ مارا یار نہ بود ایزد او را یار باد
ہر کہ ما را رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ در راہِ منم خارے نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد گل زار باد

سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا :

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں۔ ۲۴ جنوری ۴۲ء کو حضرتؒ نینی جیل الہ آباد میں داخل کیے گئے۔ مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری، مولانا عبدالحئی صاحب، عبدالمجید صاحب، مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی جیسے احباب بھی وہاں موجود تھے۔ یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے، مگر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تقریباً ۱۹ ماہ جیل میں محبوس رہے۔

یکم نومبر ۴۳ء کو مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرتؒ کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی محض اس لئے کہ گنتی کے لئے جس قدر عجلت سے وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرتؒ اس کے حکم کی تکمیل نہ کر سکے سپرنٹنڈنٹ جیل کی بیہودگی سے جیل کے تمام نظر بند برافروختہ ہو گئے اور جب یہ خبر شدہ شدہ باہر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے ہی دن اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے تیسرے روز حضرتؒ سے معافی مانگ لی مگر جیل سے باہر تمام ملک میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا، چنانچہ ۲۶ نومبر ۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے۔

بالآخر ۲۷ نومبر کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یو۔ پی کا ایک ''کمیونکے'' شائع ہوا جس میں اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ذکر کیا گیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا افسرانِ جیل سے مطمئن ہیں لیکن حضرتؒ کے متوسلین کے لئے یہ کمیونک بھی اطمینان بخش ثابت نہ ہوا۔ ان کا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو برطرف کیا جائے حضرتؒ کے محبین نے اس پر دعویٰ دائر کرنے کی تیاری بھی کر لی تھی لیکن حضرتؒ کا ایک پیغام پہنچا کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر

دیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ حضرتؒ کے اس پیغام کے بعد تمام خدام کو اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔

دشمنوں کے حق میں دعائیں :

سید پور، بریلی، جالندھر اسٹیشن کے واقعات کے بعد جو انسانیت وشرافت کی ابتدائی حدود سے بھی متجاوز اور وحشت ورزالت کا نمونہ تھے۔ حضرت مدنیؒ کی زبان پر کبھی بھول کر بھی کلمۂ شکایت اور اظہارِ حال نہیں آیا بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تہجد وسجود کے وقت حضرتؒ کو ان ناآشناؤں کے حق میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرتے سنا گیا ہے۔ ان دشنام طرازوں، بدنام کرنے والوں اور خاک اڑانے والوں کو جب ضرورت پیش آئی ہے اور انہوں نے یا ان کے عزیزوں نے حضرتؒ سے کسی سفارشی خط کی فرمائش کی تو حضرتؒ نے بڑی بشاشت اور انشراحِ خاطر کے ساتھ پرزور الفاظ میں ان کی فرمائش پوری کی ہے۔ اس موقع پر اگر کسی خادم یا رفیق نے ان کا تعارف کرانے اور ان کے پچھلے کارناموں کو یاد دلانے کی کوشش کی ہے تو اس کو سختی سے جھڑک دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا عمل اس اسوہ نبی ﷺ پر تھا۔ وان اعفوا عمن ظلمنی واصل من قطعنی واعطی من حرمنی (حدیث) (یعنی) میرے ربّ نے تاکید کی ہے کہ جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کردوں، جو میرا مقابلہ کرے میں اُس کے ساتھ سلوک اور صلہ رحمی کروں، جو مجھے محروم رکھے اس کو میں عطا کروں۔

یہ سیرت کا جلسہ ہے :

حاجی احمد حسین بدھر پوری کہتے ہیں۔

لکھیم پور کھیری کا واقعہ ہے حضرتؒ سیرت کے جلسے میں تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر میں انگریزوں کے ساتھ لیگ پر بھی تنقید فرمائی۔ ایک وکیل صاحب غصّہ کے عالم میں کانپتے ہوئے کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے کہا کہ:۔ یہ سیرت کا جلسہ ہے اس میں سیاست سے بحث نہ کیجئے! حضرتؒ نے انتہائی متانت سے فرمایا:۔ بہت اچھا اور یہ کہہ کر تقریر کا رُخ تبدیل کر دیا۔ وکیل صاحب جلسہ گاہ سے جا چکے تھے۔ حاضرین میں سخت اشتعال تھا لیکن حضرتؒ کے چہرے پر ناگواری کا شائبہ تک نہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی پیش نہیں آئی۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۷)

کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرنا :

قاضی ظہور الحسن سیوہاروی راوی ہیں :

رمضان المبارک میں حضرت مدنی ؒ نوافل میں تمام رات قرآن مجید پڑھا کرتے تھے دو تین شرکاء اور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ (یہ اس دور کی بات ہے جبکہ) حضرت شیخ الہند ؒ کے دیوان خانے میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں بھی وہاں رمضان المبارک کے مہینے میں مہمان تھا۔ عصر کے بعد حضرت مدنی ؒ کہیں سے تشریف لائے ، شیروانی اتار کر لٹکا دی اور بیت الخلا چلے گئے میں باہر بیٹھا تھا شیروانی اندر لٹکی ہوئی تھی ، ایک نوجوان لڑکا آیا اور اس نے جیب میں سے روپیہ اور پیسے نکال لئے ۔ پانچ روپیہ کچھ پیسے تھے میں نے دیکھ لیا اور اسے پکڑ لیا وہ رونے لگا۔ حضرت ؒ جب واپس آئے تو میں نے اس لڑکے کو پیش کر کے واقعہ سنایا۔ حضرت ؒ نے روپیہ لیکر اس میں سے روپیہ دو روپے اس کو دیئے اور تسلی دلاسا دے کر اسے رخصت کر دیا اور جب وہ چلا گیا تو حضرت ؒ نے فرمایا کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرنا۔

میں سب کو معاف کر چکا ہوں :

بنگال کے سفر میں جب بعض مقامات پر لوگ حضرت ؒ سے گستاخی سے پیش آئے اور اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو چودھری مقبول الرحمٰن خاں سیوہاروی نے ان لوگوں کی ہجو میں ایک نظم لکھی جس میں ان کے لئے کچھ بددعائیں بھی تھیں اس نظم میں انہوں نے مجھ سے بھی مشورہ کیا۔ غرضیکہ اس کو صاف کر کے بغرض اشاعت اخبار مدینہ بجنور بھیج دیا۔ لیکن جب وہ نظم شائع نہیں ہوئی تو میں نے مولوی مجید حسن کو شکایتی خط لکھا مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ جب وہ نظم یہاں پہنچی حضرت ؒ دفتر ہی میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے وہ نظم حضرت ؒ کو سنائی تو آپ نے فرمادیا کہ یہ نظم شائع نہ کی جائے لہذا ہم اسے اخبار میں شائع کرنے سے معذور ہیں ! اگلے مہینے جب حضرت ؒ سیوہارہ تشریف لائے تو میں نے کہا آپ نے ہماری نظم کو شائع ہونے سے کیوں روک دیا؟ فرمایا کہ :

" بھائی ! میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا۔ میں سب کو معاف کر چکا ہوں۔ آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا نہ کہیں نہ کسی کے لئے بددعا کریں "۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۸۲)

قدرت کا انتقام :

لایضل ربّی و لا ینسی......دارالعلوم دیوبند کے مولانا مفتی جمیل الرحمٰنؒ راوی ہیں کہ :
مجمع نے جس کا اختلاف سیاسی نوعیت کا تھا، حضرتؒ پر سنگباری شروع کردی۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے حضرت مدنیؒ کو آڑ میں لے لیا اور خود کو مجمع کے سامنے پیش کر دیا اور اب مولانا پر بلا تأمل پتھر برسنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک پتھر نازک جگہ پر آ کر لگا۔ مولانا حفظ الرحمٰن فرماتے تھے کہ میں یہ تہیہ کر چکا تھا کہ جب تک حفظ الرحمٰن کے بدن میں جان موجود ہے، حضرت مدنیؒ پر آنچ نہیں آنے دونگا۔

اس سنگ باری کے سلسلے کا ایک واقعہ یہ بھی ہے جو مجھ سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بیان فرمایا کہ پاکستان میں ایک مقام پر ایک شخص ان کو ملا اور بے اختیار رونے لگا۔ دریافت کرنے پر اس نے یہ داستان سنائی کہ وہ مشرقی پنجاب کا رہنے والا ہے اور جس مجمع نے حضرت مدنیؒ پر سنگباری کی تھی، بدبختی سے یہ بھی اس میں موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ اس مظاہرے کے موقعہ پر تشفی غیظ کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ برہنہ ہو کر حضرت مدنیؒ کے سامنے ناچنے لگا۔ واقعہ رفت گزشت ہو گیا، لیکن " لا یضل ربّی ولا ینسی " کچھ عرصہ بعد جب پنجاب میں ہولناک فسادات ہوئے تو سکھوں نے اس کے ساتھ یہ طریقہ برتا کہ اس کو ایک ستون سے باندھ دیا گیا اور گھر کی بہو بیٹیوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ برہنہ ہو کر اس کے اور مجمع کے سامنے ناچیں۔ اس نے کہا کہ اس وقت میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ آج کا یہ ناچ اس برہنہ ناچ کا قدرتی انتقام ہے جو حضرت مدنیؒ کی اہانت کی غرض سے میں نے کیا تھا۔ (بیس بڑے مسلمان)

جہاز کے ملازم کا رویہّ اور آپ کا حسن سلوک :

حضرت مولانا فیاض احمد ہستی لکھتے ہیں :

حضرتؒ نے ایک مرتبہ جمعیۃ کے کسی پروگرام کے سلسلے میں رنگون کا سفر فرمایا اور جب بحری جہاز سے آپ کی واپسی ہوئی تو میزبان نے حضرتؒ کے آرام کی غرض سے ایک خادم بھی ساتھ کر دیا۔ حضرتؒ کا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا اور خادم کا ٹکٹ تیسرے درجے کا۔ چونکہ حضرتؒ کے کیبن میں کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ خادم بھی اسی میں رہے مگر جہاز کا ملازم جب بھی وہاں حاضر ہوتا خادم کی موجودگی پر اعتراض کرتا۔ چنانچہ حضرتؒ نے ایسا کیا کہ خود ہی زیادہ تر وقت تیسرے درجہ میں گذارنے لگے۔ جب سفر ختم ہوا اور چوتھے دن جہاز ساحل پر پہنچا تو وہ راستے میں اپنے غلط رویہ

کے باوجود حضرتؒ کی خدمت میں بھی اپنے دستور کے مطابق انعام اور بخشش لینے پہنچ گیا۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرتؒ! اس نے ہمیں راستے میں تکلیف پہنچائی ہے اس لئے اسے بھی محروم کر دیجئے۔ لیکن حضرتؒ نے فرمایا کہ: نہیں! اس کا حق دیا جائے گا اور یہ کہہ کر حضرتؒ نے پورے چار روپے گن کر اس کی جانب بڑھائے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ایک روپیہ موجودہ دور کے سو روپے کے مساوی ہوتا تھا اور بڑا سے بڑا انگریز افسر بھی جہاز کے ملازمین کو ایک روپیہ سے زیادہ نہیں دیتا تھا۔ ملازم نے حضرتؒ کے ہاتھ میں بجائے ایک روپیہ کے چار روپے دیکھے تو اس نے یہ خیال کیا چونکہ اس نے راستے میں تکلیف پہنچائی ہے اس لئے شاید اس سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ حضرتؒ نے اس کے تذبذب اور ندامت کو محسوس کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ لو! یہ روپے تمہارے ہی لئے ہیں۔ چنانچہ اس نے روپے لے لئے۔

یہ دیکھ کر خادم سے رہا نہ گیا اور حضرتؒ سے کہا کہ اس جہاز کے ملازم نے تو ہمیں راستے میں تکلیف پہنچائی اور آپ نے اکٹھے اسے چار روپے دیدیئے جبکہ بڑے سے بڑا انگریز افسر بھی ایک روپے سے زیادہ انعام نہیں دیتا۔ یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا بھائی اصل بات یہ ہے یہ سمجھتا تھا کہ انعام اور بخشش صاحب بہادروں (انگریزوں) سے ہی ملتی ہے ہماری جیسی مولویانہ صورت والوں سے وہ کسی انعام کی توقع نہ رکھتا ہوگا اس لئے اس نے ہم لوگوں کے ساتھ مناسب برتاؤ کا ثبوت نہ دیا۔ ہمارا سفر تو بہرحال ختم ہو گیا لیکن یہ روپے اسے میں نے اس لئے دیئے ہیں کہ اسے یقین آجائے کہ ہمارے جیسے لوگ انگریزوں سے کہیں زیادہ دے سکتے ہیں۔ اب مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ شخص ہماری جیسی صورت والے کسی اللہ کے بندے کو نہیں ستائے گا بلکہ اس کو آرام ہی پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ (ماہنامہ الفرقان)

حضرتؒ نے اُف نہیں فرمایا:

آپ کا خادم محمد اکبر اندرون خانہ و بیرون خانہ کے کام کاج اور بچوں کے کھلانے پر مامور تھا۔ یہ ملازم اپنی نوعمری کے باعث اِدھر اُدھر کھیلتا پھرتا اور حضرتؒ درس حدیث کے لئے مدرسہ آمد و رفت کے وقت اس کو بار بار دیکھتے لیکن زجر و تنبیہ نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ یہی ملازم حضرتؒ کی چھوٹی بچی عمرانہ کو دارالعلوم کے چمن میں اس جگہ کھلا رہا تھا جہاں آج کل ٹیوب ویل ہے۔ اس وقت ٹیوب ویل نہ تھا بلکہ اسے نصب کرنے کے لئے صرف زمین کھودی گئی تھی اور وہاں بہت بڑا گڑھا موجود تھا۔

ملازم کی لاپروائی سے بچی گڑھے میں گر گئی اور کسی چیز سے اس طرح ٹکرائی کہ اس کا ہونٹ

پھٹ گیا فضل خداوندی شامل حال تھا کہ بچی موت کے منہ سے بال بال محفوظ رہی کیونکہ چند طلباء اس کنویں میں کود گئے اور عمرانہ کو باہر نکال لائے۔ حضرتؒ کے علم میں یہ واقعہ آیا لیکن آپ نے خادم سے نہ کوئی سخت بات فرمائی اور نہ اسے کسی قسم کی سزا دی۔ (انفاس قدسیہ)

ایک مرید کے غلط اعتراض پر صبر وتحمل :

ٹانڈہ کا واقعہ ہے۔ رمضان المبارک کا زمانہ تھا۔ حضرتؒ کا ایک مرید جناب قاری اصغر علی صاحب کے پاس پہنچا اور جا کر کہنے لگا کہ حضرتؒ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ غلط پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر قاری صاحب بہت خفا ہوئے اور اس سے کہا کہ تم کیسے مرید ہو کہ پیر پر بھی اعتراض کرتے ہو۔ اس کے بعد اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے شاطبیہ، سراج القاری وغیرہ تجوید کی کتابیں پڑھی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں! تب قاری صاحب نے فرمایا کہ پھر اعتراض کیوں کرتے ہو؟

اس کے بعد موصوف نے حضرتؒ سے عرض کر دیا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے۔ کہ آپ قرآن شریف غلط پڑھتے ہیں! حضرتؒ نے عشا کی نماز کے بعد فرمایا کہ بھائی! میں نے کسی قاری سے باقاعدہ نہیں پڑھا ہے اور نہ میں کوئی قاری ہوں۔ البتہ میں قرآن شریف قرّائے حرمین شریفین کے طرز پر پڑھتا ہوں۔ یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو پوری خانقاہ سر پر اٹھا لیتا اور جاسوسوں کے ذریعہ معترض کو تلاش کر کے ایسی سزا دیتا کہ توبہ بھلی! حضرتؒ نے اس اعتراض پر ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہیں فرمایا اور نہایت انکساری کے ساتھ جو بات تھی سب کے سامنے ظاہر کر دی۔

(انفاس قدسیہ مع جذف واضافات)

کھجوریں اور زمزم تو لیتے جائیے :

آخری حج سے آپ کی واپسی ہوئی تو اس موقع پر ایک دن بعد نماز ظہر مہمان خانے میں تشریف فرما تھے کہ مظفر نگر کے ایک ڈاکٹر صاحب بغرض ملاقات تشریف لائے جب کافی دیر انہیں بیٹھے ہوئے ہو گئی تو انہوں نے حضرتؒ کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ حضرتؒ نے فوراً انہیں داڑھی کے سلسلے میں ٹوکا اور نصیحت فرمائی۔ انہیں یہ بات ناگوار گذری اور (جھنجلا کر) نہایت اونچی آواز سے کہا کہ: مولانا! آپ کو کیا معلوم کہ ہمیں کس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، بہت سے مواقع ایسے آئے ہیں کہ اس داڑھی کے نہ ہونے کی وجہ سے جان بچی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلدیئے۔ مگر حضرتؒ نے فرمایا:

کہاں جاتے ہیں؟ کھجوریں اور آب زمزم تو لیتے جائیے! اور فوراً ہی یہ دونوں چیزیں باصرار عنایت فرمائیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو مکان سے نکال دیتا مگر حضرتؒ نے ان کی بدتمیزی کے باوجود وسعتِ اخلاق میں فرق نہ آنے دیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مقدمہ مکتوبات جلد ثانی میں تحریر فرمایا ہے کہ: (حضرتؒ نے) ''جمعہ کی نماز ایک جامع مسجد میں ادا فرمائی۔ اس مسجد کے خطیب صاحب حضراتِ دیوبند کی تکفیر کرنے والوں میں سے تھے، انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض بزرگوں کے متعلق بہت کچھ کہا، مولانا سنتوں سے فارغ ہو کر خاموش بیٹھے تھے۔ نماز ہوئی اور پھر خاموش تشریف لے آئے۔ سفر کے اختتام تک کہیں بھول کر بھی خطیب صاحب کا تذکرہ نہیں کیا''۔

(انفاس قدسیہ)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جس چیز میں ممتاز تھے وہ ان کی بلند حوصلگی ہے ہر تکلیف، مصیبت، پریشانی، دکھ، بیماری اور ناگوار واقعات کو ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا، حضرت مدنیؒ صبر و تحمل کے پہاڑ تھے انہوں نے کبھی مخالفین، حاسدین اور معاندین کا گلہ تک نہیں کیا، گالی کے جواب میں پھول برسائے، غصے کے مقابلے میں خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ وہ اخلاق کریمانہ کا مظہرِ اتم تھے ......

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

منتہائے صبر و تحمل:

جناب عبدالرحمان صاحب پرنسل عثمانیہ کالج شیخوپورہ لکھتے ہیں، حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے صاحبزادے مولوی حبیب اللہ صاحب دورہ حدیث میں شریک تھے۔ کسی گستاخ نے دوران سبق رقعہ بھیجا۔ حضرت مدنیؒ اس وقت تو خاموش رہے۔ لیکن کسی دوسری نشست میں جواب دیتے ہوئے نہایت نرمی اور شائستگی سے فرمایا کہ: مجھے کسی دوست نے رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے!

یہ سن کر درسگاہ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ ہر طالب علم مجسمۂ غیض و غضب بنا ہوا تھا مگر آپ نے اسی سکون بھرے انداز میں فرمایا: خبردار! کسی کو غضبناک ہونے کی ضرورت نہیں میرا حق ہے کہ میں سوال کرنے والے کی تسلی کروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ:۔ میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ محلہ اللہ داد پور کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں۔ خط بھیج کر یا وہاں جا کر سمجھ لیا جائے۔ العظمة لله بردباری کی بھی انتہا ہو گئی اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی

پوری تشریح ہو جاتی ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے اور اپنے نفس کو مغلوب کر دے۔

یہ سلفِ صالحین کے صبر و تحمل کے واقعات کا تسلسل ہے، جسے تاریخ ہر دور میں دہراتی ہے۔ امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ساتھ بھی تو اسی نوعیت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ہمام کی روایت ہے :

کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظمؒ سے بڑھ کر حلیم اور طبعاً بردبار نہیں دیکھا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ امام صاحبؒ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے۔ تلامذہ و معتقدین کا حلقہ قائم تھا اتفاق سے میں بھی اسی محفل میں موجود تھا کہ بصرہ سے آئے ہوئے کسی صاحب نے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ امام صاحبؒ نے انہیں مفصل جواب دیا۔ سائل نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام حسن بصریؒ نے یوں کہا ہے اور ان کی یہ رائے ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا :

اخطاء الحسن امام حسنؒ سے غلطی ہوئی ہے۔

ابوحنیفہؒ کا یہ کہنا تھا کہ اسی حلقہ سے ایک شخص کھڑا ہوا، جس نے منہ کو لپیٹ رکھا تھا اور امام صاحبؒ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

یا ابن الزانیه اے بدکار عورت کے بچے

آپؒ یہ کہتے ہیں کہ حسنؒ نے غلطی کی؟

لوگوں نے اس کی یہ شنیع حرکت دیکھی تو مشتعل ہوئے، بہت سوں کے خون کھولنے لگے اور بہت سوں نے آستینیں چڑھالیں۔ قریب تھا کہ اس کو یہیں اپنے کئے کی بدترین سزا دے دیں، مگر امام صاحبؒ نے بڑی سکینت اور وقار سے سب کو خاموش کر دیا اور قدرے غور و تأمل کے بعد فرمانے لگے۔

نعم اخطا الحسن و اصاب ابن مسعود فیما رواه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔ (عقود الجمان ص ۲۸۷ و ابوزہرہ ص ۵۶)

جی ہاں ! حسنؒ سے غلطی ہوئی اور عبداللہ بن مسعودؓ درست کہتے ہیں، جس طرح کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔

ایسے مواقع پر جب کوئی بے تمیزی اور گستاخی سے پیش آتا اور گروہی وابستگی میں بغض و عداوت اور استہزاء و گستاخی کی انتہا کو پہنچ جاتا، تب بھی امام صاحبؒ دعائیں دیتے، معاف کرتے اور نفع و خیر خواہی کے سراپا پیکر بن جاتے۔ (امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات)

تین مرتبہ تعویذ کی فرمائش :

حضرت مولانا فرید الوحیدی کی روایت ہے :

(وفات سے) دو تین سال پہلے جبکہ جسم پر بہت زیادہ ضعف طاری اور حاوی ہو چکا تھا، اٹھتے بیٹھتے گھٹنوں میں تکلیف ہوتی تھی۔ ایک صاحب نے تعویذ کی درخواست کی حضرتؒ اندر تشریف لے جارہے تھے۔ ان سے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں میں ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مطالعہ گاہ میں تشریف لائے اور بیٹھ کر تعویذ لکھا۔ میں ساتھ تھا۔ عرض کیا کہ مجھے دیدیجئے میں ان صاحب کو دیدوں گا۔ فرمایا کہ:۔ تو ترکیب نہیں سمجھا سکے گا۔ چنانچہ باہر تشریف لائے اور تعویذ دے کر نہایت تفصیل کے ساتھ اس کی ترکیب سمجھائی اور جوں ہی واپسی کے لئے مڑے اس شخص نے دوبارہ آگے بڑھ کر کہا کہ حضرتؒ ایک تعویذ مجھے اپنے لڑکے کے لئے بھی چاہئے۔ فرمایا۔ بہت اچھا اور پھر گھر میں تشریف لا کر تعویذ لکھا اس مرتبہ بھی میں نے کہا مجھے دیدیجئے میں دیدوں گا مگر انکار فرمایا اور خود ہی تشریف لا کر تعویذ مرحمت فرمایا۔ اب اس کا دل اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے اپنی بہو کے لئے بھی ایک تعویذ کی فرمائش کر دی اس سے دریافت کیا کہ بہو کو کیا شکایت ہے اس نے کیفیت بیان کی اور آپ نے اسی خندہ پیشانی کے ساتھ تیسری مرتبہ گھر جا کر تعویذ لکھا اور خود ہی لے کر باہر تشریف لائے۔ راقم الحروف بھی اس مجاہدہ وریاضت میں برابر شریک رہا اور حضرتؒ نے نہایت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس سے رخصتی سلام و مصافحہ کیا تو اپنی حیرت کو بڑی مشکل سے روک سکا۔ (شیخ الاسلام نمبر ۲۳۰)

حسین احمد کا سر آپ کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے :

حکیم عبدالرشید صاحب بریلی رقم طراز ہیں :

دسمبر ۱۹۴۵ء کا پرآشوب دور تھا۔ مسلم لیگ کی تحریک کانگریس کے مقابلہ میں شباب پر تھی۔ حضرتؒ کانگرس کی حمایت میں بریلی تشریف لائے ہوئے تھے اور اہالیان بریلی کو اپنے تدبر سے راہِ راست پر لانے اور آئندہ خطرات سے آگاہ فرمانے کے لئے عوام کو خطاب کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت کا جو دلخراش منظر میری آنکھوں نے دیکھا اس کا مختصر سا خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شہر کے مرکزی حصے موتی پارک میں جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ گلی گلی اور کوچہ بکوچہ اعلان ہو چکا تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شام کو بعدِ مغرب موتی پارک میں تقریر فرمائیں گے۔

چنانچہ مقررہ وقت پر موتی پارک سامعین سے پُر ہو چکا تھا اور حضرتؒ ممدوح کا انتظار ہو رہا تھا کہ یکا یک حضرتؒ تشریف لے آئے۔ شہر کے بعض معززین بھی حضرتؒ والا کے ساتھ تھے۔ یہ خادمِ دیرینہ بھی ہمرکاب تھا۔ پارک سے باہر مسلم لیگ کے حامیوں کا ایک زبردست ہجوم تھا۔ جنھوں نے اپنے مخالفانہ اور معاندانہ فلک شگاف نعروں سے مولانائے موصوف کو تقریر سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کر رکھی تھی لیکن حضرتؒ نے اس قسم کے معاندانہ نعروں کی کوئی پروانہ کی اور تلاوت کلام پاک سے جلسہ کی کاروائی کا آغاز ہوا۔ حضرتؒ نے آیۂ کریمہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ تلاوت فرمائی جو موقعہ اور محفل کے مطابق تھی اور اس کا ترجمہ کر کے تقریر کا سلسلہ شروع فرمادیا۔

اس دوران میں مخالفین نے انتہائی بداخلاقیوں کا مظاہرہ کیا۔ تارکول کے خالی ڈرم اور ٹین کے کنستر پوری قوت کے ساتھ بجارہے تھے۔ سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے ڈنٹھل وغیرہ حاضرینِ جلسہ پر پھینکے۔ جب ان کی تمام حرکات کا بھی کوئی اثر نہ لیا گیا تو ان ناعاقبت اندیشوں نے سنگ باری شروع کردی۔ اتفاق سے اس وقت کہ اس زمانہ میں پارک کی چاروں جانب پتھروں کے انبار لگے ہوئے تھے کیونکہ سڑک پر کوٹے کے لئے پتھر جمع کیا گیا تھا وہی مخالفین کے لئے میگزین بن گیا، جسے بے دریغ پُرامن جلسہ گاہ پر برسارہے تھے۔ اگر چہ پولیس کی پوری طاقت اور محکمہ پولیس کے تمام افسران موقع ہی پر موجود تھے۔ مگر ضلع کے افسرانِ اعلیٰ کی ذہنیت بھی لیگی اثرات سے مسموم تھی، اس لئے پولیس کا وجود اور عدم وجود برابر تھا بلکہ پولیس کی چشم پوشی سے مخالفین کی حوصلہ افزائی ہورہی تھی۔ آخر تا بکے؟ حاضرین جلسہ مضروب ہوئے اور مجمع منتشر ہونے لگا، حضرت مدنیؒ کے جاں نثاروں نے چاہا کہ موصوف کے اوپر کوئی سایہ کرلیں تا کہ آپ کا جسم مبارک محفوظ ہو جائے لیکن اس پیکر صبر واستقامت نے لوگوں کو اپنے اوپر سایہ کرنے سے روک دیا اور انتہائی محبت وشفقت سے فرمایا کہ حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ بہر حال آپ اس سنگ باری میں سینہ سپر ہو کر مجاہدانہ انداز میں تقریر فرماتے رہے۔ آخر کار مخالفین نے بجلی کے قمقموں کو پتھروں کا نشانہ بنایا فضا پر تاریکی چھا گئی اور جلسہ برخاست کر دیا گیا اور حضرت مدنیؒ اپنی قیام گاہ تشریف لے آئے اور بریلی سے رخصت ہونے سے قبل آپ کی جانب سے ایک ہینڈبل شائع ہوا جو دعاؤں اور نصیحتوں سے لبریز تھا اور جس کے اختتام پر یہ شعر تھا ....

مُرادِ ما نصیحت بود گفتیم
حوالت باخدا کردیم و رفتیم

(شیخ الاسلام نمبر ۲۹۷)

موسمی شدائد کا تحمل :

حاجی احمد حسین صاحب لاھر پوری واقعہ بیان کرتے ہیں :

ایک مرتبہ بحیثیت خادم راقم الحروف حضرتؒ کے ساتھ شریک سفر تھا۔ دسمبر کا آخری عشرہ، سردی پورے شباب پر تھی۔ حضرتؒ بستی سے براہ گورکھپور شاہ گنج تشریف لائے یہیں سے اکبر پور کے لئے ٹرین تبدیل کرنی تھی۔ اگرچہ ٹرین میں بھی کافی سردی محسوس ہو رہی تھی اور برفیلی ہوائیں کھڑکیوں کی ریخوں اور ادھ کھلے دروازے سے ڈبے میں داخل ہو کر اسے برف خانہ بنائے ہوئے تھیں۔ لیکن شاہ گنج کا پلیٹ فارم تو طبقہ زمہریر کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ سرد وخشک ہوا کے جھونکے رگ و پے میں سرایت کئے جا رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں جیسے ماؤف ہو گئے ہوں تین بجے کا وقت اور موسمی شدائد کا یہ حال میرے لئے تو چلنا دشوار ہو گیا۔ میں نے اسی پریشانی کے عالم میں حضرتؒ سے عرض کیا کہ:۔ آپ کے ساتھ سفر میں رہنا بھی کچھ آسان بات نہیں ہے۔ حضرتؒ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا! جی ہاں ایک انگریز تعلیم یافتہ نوجوان نے میرے ساتھ سفر میں رہنا چاہا لیکن پندرہ یوم میں وہ بیمار ہو کر اپنے مکان پر چلا گیا اور پھر اس نے واپسی کی ہمت نہیں کی۔

حد سے زیادہ تواضع اور خاکساری :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا جو مقام ہوگا، اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، لیکن جو لوگ ان کے احوال سے کچھ بھی واقف ہیں، وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں کسی عالم دین اور کسی روحانی پیشوا کو جو بڑی سے بڑی عظمت و وجاہت، بلندی و برتری حاصل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ حضرت مدنیؒ کو حاصل تھی۔ دار العلومِ دیوبند جیسی با عظمت دینی درسگاہ کے وہ صدر اور شیخ تھے۔ ہزاروں عالم (جو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے مطابق کسی نہ کسی دینی خدمت میں لگے ...) ان کے شاگرد اور فدائی،

ہندوستان کے طول وعرض میں لاکھوں مریدین، پھر ہندوستان کی جنگِ آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے طفیل ملک کے اہلِ حکومت وسیاست کی نگاہ میں بھی ان کا خاص مقام اور حکومت کے اونچے سے اونچے عہدہ داروں کی نگاہ میں ان کا غیر معمولی احترام ...... ان ساری عظمتوں اور بلندیوں کے باوجود ان میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ جن لوگوں کو قریب رہنے اور برتنے کا موقع نہ ملا ہو، وہ کبھی اندازہ نہیں لگا سکتے بلکہ یہ عاجز اس موقع پر صفائی کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہے کہ بعض اوقات راقمِ سطور کو خیال ہوتا تھا کہ حضرتؒ کا اتنا تواضع شاید دوسروں کے لئے مضر ہو ...... اس سلسلہ میں بھی خود اپنے ساتھ گزرے ہوئے بعض واقعات کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔

تواضع کی انتہاء :

۴۳ھ کی بات ہے، میری طالب علمی ہی کا زمانہ تھا۔ ہمارے وطن سنبھل کے "مدرسۃ الشرع" کی طرف سے خاصے بڑے پیانے پر ایک جلسہ ہوا، اس میں جماعت دیوبند کے اس وقت کے اکثر اکابر علماء (مثلاً حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ) نے شرکت فرمائی تھی۔ حضرت مدنیؒ بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جلسے کے منتظمین کی اجازت سے ایک دن دوپہر کے وقت کھانے کا انتظام میرے والد ماجدؒ نے اپنے یہاں کیا تھا۔ جلسہ گاہ اور ان حضرات کی قیام گاہ سے ہمارے مکان کا فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا، اس لئے سب مہمانوں کو سواری کے ذریعہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا اور سب حضرات سواری ہی سے آئے، لیکن حضرت مدنیؒ نے یہ کیا کہ سنبھل کے اپنے ایک پرانے شاگرد اور نیاز مند کو بطورِ راہنما ساتھ لے کر خاموشی سے ہمارے گھر پیدل تشریف لائے۔ حالانکہ موسم گرما تھا، اور بارہ بجے کے بعد کا وقت تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا، فاصلہ میل بھر سے بھی زیادہ تھا۔

سنبھل کے اسی سفر میں ہمارے یہاں کے ایک صاحب نے جو بیچارے علمی، دینی، دنیوی کوئی بھی خاص حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضرتؒ سے ان کا کوئی تعارف بھی نہیں تھا، حضرت مدنیؒ سے درخواست کی کہ میرے گھر پر چل کر چائے پیجئے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ بات سب کو کچھ عجیب سی معلوم ہوئی، لیکن حضرتؒ نے بغیر کسی عذر ومعذرت کے قبول فرما لیا اور ان کے ساتھ ان کے گھر پر جا کر بالکل بے وقت چائے اور صرف چائے پی لی۔

خادم کے لئے بیت الخلاء صاف کر دیا :

ایک عجیب واقعہ اور سنئے ...... حضرتؒ کے ایک شاگرد نے خود اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرتؒ ریل سے سفر فرما رہے تھے اور یہ صاحب خادم کی حیثیت سے حضرتؒ کے ساتھ تھے، انہیں استنجاء کا تقاضا ہوا۔ بیت الخلاء کا دروازہ کھولا تو اس کو بہت غلیظ اور گندہ دیکھ کر واپس آ گئے اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مدنیؒ تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا، چند منٹ بعد تشریف لائے اور اپنے اِن خادم سے کہا کہ اب چلے جاؤ ...... انہوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرتؒ ان کی واپسی کی وجہ محسوس کر کے بیت الخلاء صاف کرنے ہی کے لئے اندر تشریف لے گئے تھے اور جب لوٹے بھر بھر کے بہت سا پانی بہا دیا اور اس کو صاف کر دیا تو باہر تشریف لائے ...... کچھ حد ہے اس تواضع اور بے نفسی کی؟ (تحدیثِ نعمت)

یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے :

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ سٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرتؒ کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف (جھنگ) دیو بند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی جن کو ضرورتِ فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور اُلٹے پاؤں بادلِ ناخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مدنیؒ سمجھ گئے، فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر اُدھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا حضرت! میں نے دیکھا ہے، پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اُٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھر پور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا۔ یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے۔

راقم الحروف کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ اسی واقعہ کو دیکھنے پر یا اس طرح کے کسی دوسرے موقعہ پر اسی ڈبہ میں خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے اس ڈبہ میں ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے، جواب ملا کہ یہ حسین احمد مدنیؒ ہیں تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مدنیؒ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرتؒ نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا کیا بات ہے تو خواجہ صاحب نے کہا، سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا، اگر آج آپ

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔

حضرتؒ نے فرمایا : میرے بھائی میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا، صبح جلدی اُٹھ کر چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ (بیس بڑے مسلمان)

مٹی کا جسم جب تک چلتا رہے، کام لینا چاہئے :

مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں :

کئی سال پہلے کی بات ہے، حضرتؒ کے ضعفِ پیری اور بعض دوسری اہم مصلحتوں کی بنا پر حضرتؒ کے چند نیاز مندوں تے (جن میں یہ عاجز بھی شامل تھا) باہم مشورہ کر کے ایک دفعہ حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت! اب صرف وہ سفر فرمایا کریں، جس کی کوئی خاص ضرورت اور اہمیت ہو اور یہ جو ہو رہا ہے کہ لوگوں کی معمولی معمولی مقامی ضرورتوں اور جلسوں کے لئے ہر ہفتے میں جمعہ کے ایک دن کا سفر تو ضرور ہی ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ اب بند فرما دیا جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا! میں کیا کروں لوگ آ جاتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں، عرض کیا گیا کہ اگر حضرتؒ طے فرمالیں کہ اس سلسلہ کو بند کرنا ہے، تو تھوڑے عرصہ تک تو ایسا ہوگا کہ لوگ آئیں گے اور حضرتؒ کے انکار فرما دینے پر مایوس واپس چلے جائیں گے۔ اس کے بعد عام طور سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرتؒ نے اب یہ فیصلہ فرمالیا ہے، تو پھر اس غرض سے لوگ آیا بھی نہیں کریں گے۔ فرمایا!

"مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ کے بندے آئیں اور وہ کہیں چلنے کے لئے اصرار کریں اور میں انکار پر جما رہوں"۔

عرض کیا گیا کہ حضرتؒ کی صحت اور حضرتؒ کا وقت بہت قیمتی ہے، اس کو صرف ضرورت اور موقعے ہی پر صرف ہونا چاہئے، حضرتؒ نے خاکساری اور تواضع میں ڈوبے ہوئے لہجے میں فرمایا :

"آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں، میں کیا ہوں اور میری کیا قیمت ہے۔ یہ مٹی کا جسم ہے جب تک چل رہا ہے اس سے کام لے لینا چاہیئے"۔ (تحدیث نعمت)

اپنے نفس سے بدظنی :

انسان علمی، عملی، سیاسی، معاشرتی اور سماجی حیثیت سے جس قدر بھی بلند ہو ممکن ہے لیکن

سیرت وکردار کی بلندیوں کی نشانی اور علامت تواضع، انکساری، کسر نفسی اور اپنے نفس سے بدظنی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی زندگی بے نفسی بے غرضی اور اخلاص سے عبارت ہے۔ چند واقعات سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ حضرت مدنی کتنے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔

سب سے بڑی کرامت :

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مزاج میں سادگی تواضع اور فروتنی کے چشم دید حالات مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اپنے سحر انگیز قلم سے یوں رقم کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''مولانا کی بزرگی کے قائل خوش عقیدہ حضرات جس بنا پر ہوں اپنی نظر میں تو ان کی بڑی کرامت ان کا ایثار، انکسار، تواضع اور بے نفسی ہی ہے۔ علم و فضل، فقر و درویشی کی بحثوں کو چھوڑ یئے لیکن جہاں تک .... ؎

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کا تعلق ہے اس دیکھنے والے کی نظر میں اپنی نظیر بس آپ ہی ہیں اور محمد علی جوہرؒ نے یہ شعر کہا تو اپنے شیخ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے حق میں ہے۔ لیکن صادق مولانا مدنیؒ پر بھی لفظ بلفظ آرہا ہے .... ؎

ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یاں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی

دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو ان مولانا (مدنیؒ) کو دوسروں کا کام کر دینے میں آتا ہے۔ گھر پر آکر ملئے تو آپ کے لیے کھانا اپنے ہاتھ سے جا کر لائیں آپ کے لئے بستر بچھا دیں۔ سفر میں ساتھ ہو جائے تو دوڑ کر آپ کے لیے ٹکٹ لے آئیں، قبل اس کے کہ آپ ٹکٹ گھر کے قریب بھی پہنچ سکیں تانگے کا کرایہ آپ کی طرف سے ادا کریں اور آپ کا ہاتھ اپنی جیب میں پیسہ ٹٹولتا ہی رہ جائے۔ ریل پر آپ کا بستر بچھائیں۔ آپ کے لوٹے میں پانی لے آئیں آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اٹھانے لگیں۔ تین دن کے قیام دیوبند میں یہ روایتیں مشاہدہ بن کر رہیں''۔

(نقوش وتاثرات (۲۲))

حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کی واپسی میں حضرت مدنیؒ کی دلچسپی :

پاکستان بن جانے کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بھی ہجرت کر کے یہاں آ گئے، مگر وہاں دارالعلوم دیوبند، نظم واہتمام اور تعلیمی و دینی خدمات کے حوالے سے ان کی واپسی ضروری سمجھی گئی، مگراب راستے ہمیشہ کے لئے مسدود ہو چکے تھے۔ بالآخر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اس کے مدعی بن گئے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ملے' پنڈت جواہر لال سے حضرت حکیم الاسلامؒ کی واپسی کے احکامات صادر کرائے۔ بالآخر آپ واپس آئے۔اس واپسی کا منظر حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ نے خود بیان فرمایا :

''ابتداء میں جب میں یہاں سے پاکستان گیا، تین ماہ بعد جانا ہوا، کچھ رُکاوٹیں پیش آئیں تو اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیں۔اس سلسلہ میں حضرت مدنیؒ کو بڑا اہتمام تھا کہ وہ آئے، ان کے کان میں پڑی کہ وہ آنا نہیں چاہتا حالانکہ یہ واقعہ نہیں تھا۔اس دفعہ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ نہ آیا تو میں خود جاؤں گا اور اسے لے کر آؤں گا اور پھر بھی نہ آیا تو میں ہندوستان چھوڑ کر مدینہ منورہ چلا جاؤں گا۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ یہاں پڑا رہوں، تو جب میں پہنچا تو عجیب کیفیت تھی ۔ خود حضرت مدنیؒ سٹیشن پر' سارا دارالعلوم' شہر کے ہزاروں آدمی' تل دھرنے کی جگہ نہیں، حضرت مدنیؒ بھی تشریف لائے۔ خیر مدرسہ کے طلبہ کا جم غفیر بھی تھا۔حضرت مدنیؒ نے مدرسہ میں اگلے دن فرمایا کہ ہم جلسہ کریں گے، میں نے کہا، کیا ضرورت ہے۔ میں وہاں کیا کہوں گا؟ آپ کی یہ علم پروری اور اصاغر نوازی کافی ہے کہ آپؒ نے تکلیف فرمائی ۔ فرمایا نہیں! نہیں! جلسہ ہوگا، اس جلسہ میں حضرت مدنیؒ نے تقریر فرمائی اور تقریر کی ابتداء اس شعر سے کی کہ ....؂

اے تماشہ گاہِ عالم روئے تو
تو کُجا بہرِ تماشا مے روی

اس پر تمام لوگوں کے آنسوں نکلے اور میری بھی کیفیت عجیب ہوگئی۔اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت ! ان جملوں کو قیامت کے دن بھی یاد رکھئے گا جو آج فرمائے ہیں۔آپ کا ارشاد میرے لئے دستاویز ہے، وہاں کی نجات کے لئے اور میری یہ کیفیت

کہ بولا نہ جائے، پوری مجلس پر گریہ طاری ہو گیا، عجیب کیفیت تھی"۔

(مقالات وارشادات عبید اللہ انور ص:١٢١)

اس موقع پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنی تقریر سے پہلے یہ شعر پڑھا ......

کہاں میں کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیرے مہربانی

پھر فرمایا : اب جبکہ میری واپسی کی ساری تدابیر مسدود ہو چکی تھیں، یہ محض حضرت مدنیؒ کی مہربانی ہے کہ میں آج پھر یہاں حاضر ہوں۔ (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ص:٦٨٧)

وسیلۂ نجات :

خطباتِ حکیم الاسلامؒ میں حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی اس موقع پر کی جانے والی مفصل تقریر نقل ہوئی ہے، برادرم حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ بنوی کے توجہ دلانے پر اس کے بعض متعلقہ اقتباس بھی نذرِ قارئین ہیں۔ مندرجہ بالا شعر "کہاں میں کہاں یہ نکہتِ گل" پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا :

"میں حیران ہوں کہ بیانِ تاثرات کے اس بوجھ کو کس طرح اُٹھاؤں، مجمع اکابر کا ہے، اساتذہ کا اجتماع ہے، بزرگوں کے اجتماع میں قوتِ گویائی یارا نہیں دیتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ارشاد ہے کہ اپنے ان تاثرات کا اظہار کروں جو ہر شخص کچھ نہ کچھ سفر سے لے کر آتا ہے۔

حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب نے اپنی نظم میں جس تاثر کا اظہار فرمایا، وہ میرے لئے باعثِ فخر ہے اور حضرت شیخ مدظلہ العالی (حضرت مدنیؒ) کے بارے میں، تو میں کیا عرض کروں، وہ تو ہم سب کے لئے ان شاء اللہ وسیلۂ نجات ہیں۔ حضرت نے اس ناکارہ کے بارے میں جو کلمات فرمائے ہیں :

"میری درخواست یہ ہے کہ وہ انہیں یاد رکھیں اور قیامت میں انہی الفاظ میں گواہی دے دیں تاکہ میرے لئے وہاں نجات کا باعث ہوں کہ یہ کلمات ہی میرے لئے دستاویزِ نجات ہیں"۔

(اس موقع پر وفورِ جذبات سے حضرت مہتمم صاحبؒ پر رقت و گریہ طاری تھا۔ ممدوح کیا اس حالت کا مجمع پر بھی زبردست اثر پڑا اور لوگوں کے بے ساختہ آنسو نکل آئے) چند

لمحے خاموش رہنے کے بعد فرمایا :

میرے اصرار واپسی کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کے قلب میں قیام سے توحش کی بنا درحقیقت حضرت شیخ مدنی ؒ کا تصرف ہے، جو وہاں بیٹھ کر وہ کر رہے ہیں اور اس لئے آپ یہاں سے اُکھڑ رہے ہیں۔ بہر حال میرا قلبی رُخ کسی بھی وجہ سے ہو یہی تھا کہ میں حاضر ہوں۔ الحمد للہ کہ حاضری ہوگئی۔

باقی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت کی حاضری حضرت شیخ مدنی ؒ کی ظاہری و باطنی توجہ بلکہ تصرّف سے ہوئی اور دار العلوم کی خدمت کا دوبارہ موقع ملا۔

(خطباتِ حکیم الاسلام ج ۵ ص ۳۰۵)

سراپا خدمت :

مولانا نصر اللہ خاں عزیز ایڈیٹر ایشیا لاہور تحریر فرماتے ہیں :

" (مولاناؒ) ایک عظیم المرتبت عالم، محدث اور فقیہ ہونے کے باوجود ایسے رفیق سفر ہیں جو خدمت لینے کے بجائے خدمت کرتے ہیں۔ ریل کے سفر میں وہ شدید سردی کے موسم میں بھی خود وضو کرتے ہیں اور پھر اسٹیشنوں پر اُتر کر رفقا کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتے ہیں اور پاؤں دبا کر بیدار کرتے ہیں۔ پھر وضو کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ عام طور پر علماء اپنے مزاج کی یبوست اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہیں مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے۔ (انفاس قدسیہ بحوالہ اخبار شریعت حسین احمد نمبر ۱۴۴)

وسعتِ اخلاق وجذبۂ خدمت خلق :

حضرتؒ اثنائے سفر ٹرین میں دوسرے مسافروں کی آمد سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی جگہ دیتے اور جب کھانے کا وقت ہوتا تو باصرار کھانے میں شریک کرتے صرف یہی نہیں بلکہ رفیق سفر کی ہر ممکن خدمت انجام دینے کی سعی فرماتے۔ اس سلسلے میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا۔

رفقاء سفر کے پاؤں دباتے رہے :

حضرتؒ مولانا ابو الوفاء صاحبؒ ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ وہ پنجاب سے واپس ہو رہے تھے۔

حضرت مدنیؒ کے علاوہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی ساتھ تھے۔ ایک بار مولانا ابوالوفاء صاحب کو محسوس ہوا کہ کوئی صاحب ان کا جسم نہایت آہستگی سے دبا رہے ہیں، ان کو آرام محسوس ہوا اور یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات علماء کے ساتھ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ارادت کا ثبوت دیتے ہیں، کوئی تعارض نہ کیا جائے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو انہوں نے چادر سے منہ کھول کر دیکھا کہ آخر یہ کون صاحب ہیں اور دیکھتے ہی بدحواس ہوگئے، خود حضرت مدنیؒ بدن دبا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر اٹھے تو دیکھا مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی بیٹھے ہوئے اپنا منہ پیٹ رہے ہیں کہ حضرتؒ نے مجھے بھی گناہگار کیا اور اب آپ کی باری تھی۔

(شیخ الاسلام نمبر ۱۴۷)

عظمتِ مدنیؒ کا ایک اہم پہلو :

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عام طور سے لوگوں نے حضرت مدنیؒ کی صرف سیاسی جدوجہد کو ان کا اصل کمال سمجھ لیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سالہا سال حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت وصحبت میں رہنے کی جو توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے اپنے شیخ کی خدمت اور عقیدت ومحبت میں اپنے آپ کو جس طرح فنا کیا اور اپنی عام زندگی میں اپنے شیخ کے اوصاف وکمالات کو جس طرح منعکس کرنے کی کوشش کی، حضرت مدنیؒ کی عظمت کے اس پہلو کو اتنا اجاگر نہیں کیا گیا، جتنا اس کا حق تھا۔

حضرت مدنیؒ چبوترے پر لیٹ گئے :

فرمایا: اگرچہ حضرت مدنیؒ کو حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک سے اختلاف تھا لیکن ان کے قلب میں نہ صرف حضرت تھانویؒ کی قدر ومنزلت کم نہ تھی، بلکہ وہ حضرت تھانویؒ کے ساتھ اپنے بڑوں جیسا معاملہ بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ عین اس زمانے میں جب کہ حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ کا سیاسی اختلاف الم نشرح ہو چکا تھا، ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ نے دیوبند کے بعض اساتذہ سے کہا کہ عرصہ ہوا ہمارا تھانہ بھون جانا نہیں ہوا اور حضرت تھانویؒ کی زیارت کو دل چاہتا ہے، چنانچہ حضرت مدنیؒ اور دارالعلوم کے بعض اساتذہ تھانہ بھون روانہ ہوئے، اتفاق سے گاڑی رات گئے تھانہ بھون پہنچی اور یہ حضرات ایسے وقت خانقاہ کے دروازے پر پہنچے کہ خانقاہ بند ہو چکی تھی ان حضرات کو یہ معلوم تھا کہ خانقاہ کا نظام اوقات مقرر ہے، اسلیئے نہ اس نظام کی خلاف ورزی مناسب سمجھی اور نہ حضرت

تھانویؒ کو رات گئے تکلیف دینا پسند آیا، چنانچہ حضرت مدنیؒ اپنے رفقا سمیت خانقاہ کے دروازہ کے سامنے چبوترے ہی پر لیٹ کر سو گئے، حضرت تھانویؒ فجر کی اذان کے وقت جب اپنے مکان سے خانقاہ کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ چبوترے پر لیٹے ہوئے ہیں، اندھیرے میں صورتیں نظر نہ آئیں، چوکیدار سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

قریب پہنچ کہ دیکھا تو حضرت مدنیؒ اور مولانا اعزاز علیؒ جیسے حضرات تھے، حضرت تھانویؒ اچانک انہیں دیکھ کر تو مسرور بھی ہوئے اور اس بات کا صدمہ بھی ہوا کہ یہاں پہنچ کر اس حالت میں انہوں نے رات گذار دی چنانچہ ان سے پوچھا کہ حضرات! آپ یہاں کیوں سو گئے؟

حضرت مدنیؒ نے فرمایا ہمیں معلوم تھا کہ آپ کے یہاں ہر چیز کا نظم مقرر ہے۔ خانقاہ اپنے مخصوص وقت پر بند ہوتی ہے، اور پھر نہیں کھلتی۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ خانقاہ کا تو نظم بلاشبہ یہی ہے۔ لیکن غریب خانہ تو حاضر تھا، اور اس پر تو آپ جیسے حضرات کے لئے کوئی پابندی نہ تھی۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا: ہم نے رات گئے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح یہ حضرات ایک دو روز رہ کر واپس تشریف لے آئے۔ حضرت والد صاحبؒ یہ واقعہ سنانے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ کہ کوئی شخص اس اہلیت اور اس تواضع و مسکنت کی مثال پیش کر کے دکھائے۔ (اکابر دیوبند کیا تھے؟ ۸۴)

نمازی کے چپل سیدھے کئے :

حضرت مولانا جمیل احمد سیوہارویؒ راوی ہیں :

آج ایک چشم دید واقعہ نگاہوں کے سامنے ہے، حضرت مدنیؒ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر دیو بند کی جامع مسجد سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ حسب معمول گویا پوری مسجد آپ کے ساتھ ہو گئی ہے۔ جو لوگ باہر نکل چکے ہیں، وہ سیڑھیوں سے اور صدر دروازہ کے سامنے سراپا اشتیاق بنے کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرتؒ ابھی پہلی ہی سیڑھی پر ہیں کہ آپ کی نظر ایک چپل پر پڑتی ہے، جو ٹھوکروں سے دوسری سیڑھی پر گر گیا ہے۔ آپ آگے بڑھتے ہیں، اور گرے ہوئے چپل کو اُٹھا کر دوسرے چپل کے ساتھ ملا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ہزاروں نگاہیں ادب واحترام کے ساتھ آپ پر مرکوز تھیں۔ ابھی آپ سیڑھیوں پر ہی تھے، کہ ایک دوسرا واقعہ پیش آتا ہے۔ یوں تو سیڑھیاں حضرتؒ کے لئے تقریباً خالی ہو چکی تھیں۔ لیکن کوئی دیہاتی بے خیالی یا عجلت میں آپ سے آگے ہو گیا اور جب ایک صاحب نے اسے پیچھے ہٹنے کے لئے اشارہ کیا۔ حضرتؒ وہیں کھڑے ہو گئے، اور روکنے والے صاحب

پر بے حد ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ: کیا اس کو حق نہیں ہے؟ پھر اسے کیوں روکا گیا؟
(شیخ الاسلام نمبر ۱۰۳)

عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے :

حضرت مولانا خدا بخش صاحبؒ لکھتے ہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب فاروقی ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں، لاہور میں قیام رہتا ہے، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری (قدس سرہ) سے بیعت ہیں، اور حضرت شیخ ؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے، جس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ دیوبند میں مقیم تھے، اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ مدینہ طیبہ میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کے یہاں قیام فرمایا مولانا عبداللہ صاحب فاروقیؒ کا بیان ہے کہ ایک روز جب کہ میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو واپسی میں مولانا کا جوتا اٹھالیا۔ مولانا اس وقت تو خاموش رہے لیکن دوسرے وقت جب ہم لوگ نماز پڑھنے گئے، اور نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے واپس ہونے لگے تو میں دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا حسین احمد صاحبؒ میرے جوتے اپنے سر پر رکھے ہوئے جارہے ہیں۔ میں پیچھے پیچھے بھاگا۔ اس پر مولانا نے بھی تیز چلنا شروع کر دیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ جوتا لے لوں مگر نہیں لینے دیا۔ میں نے کہا: خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھئے! فرمایا: عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کرلیا تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۸۷)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ عفو و کرم، صبر و تحمل اور تواضع و عبدیت کا پیکر تھے۔ آدمی شہرت و عزت، علم و کمال اور تصوف و سلوک میں بلند مقام پر پہنچ کر بھی نہ بدلے۔ بات چیت میں، رہن سہن میں، نشست و برخاست میں اور کھانے پینے میں فرق نہ آئے، یہی ولایت ہے، یہی کرامت ہے اور عنداللہ یہی مقصود ہے، کسی نے کتنی پیاری بات کی ہے ؎

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمین پست نے کیا کیا سماں پیدا کیے

☆ ☆ ☆

احسان وتصوّف اور سلوک ومعرفت میں عظمتِ مقام، مرجعیّت، محبوبیت اور فنائیت

روایات میں ہے، حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے منقول ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ ایک مجمع میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آیا، اس کے کپڑے بہت زیادہ اُجلے اور سفید تھے۔ ہم سے کوئی بھی اس کو پہچانتا نہیں تھا۔ اس نے سوال کیا یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ آپؐ نے ایمان اور اسلام کی تشریح کرنے کے بعد فرمایا، احسان یہ ہے کہ "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَهُوَ يَرَاكَ" (تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھتے ہو، اگر یہ محال ہو تو تم یہ تصور کرو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے .... ؎

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

مقصودِ تصوف :

احسان کا دوسرا نام دل کی صفائی ہے اور یہی تصوف کا مقصود ہے۔ تصوف ایک عالم گیر صداقت اور مذہب کی روح ہے۔ تصوف کا پہلا اور بنیادی سبق یہی ہے کہ پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ؎

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

ساری کائنات جلوہ گاہِ ربِّ ذوالجلال ہے۔ ہر شے سے وہی اللہ ظاہر ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے صوفی کے دل و دماغ سے تعصب، تنگ نظری، نفرت و حقارت، امتیازِ رنگ و نسل اور باطل پسندی کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہیں۔

صوفیاء اور مشائخ :

تاریخِ اسلام صوفیائے کرام، مشائخ عظام اور اولیاءِ کرام کے نام اور کام سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ بزرگانِ دین کی خانقاہیں دراصل تبلیغِ دین کے مراکز تھے۔ مسلم دورِ حکومت کے بعد یہ مشائخ صوفیہ اور عارفینِ کاملین ہی تھے، جنہوں نے مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سہارا دیا، جیسے حضرت شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا نام ہمیں اس فہرست میں نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت مدنیؒ کا پیغام :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے مرید حضرتؒ کے پاس جاتے۔ مراقبہ ہوتا، ذکر ہوتا اللہ کا نام لیتے اور سیکھتے، وہ کیا عجیب منظر ہوتا ہوگا۔ حضرت مدنیؒ تصوف کے بدرِ منیر تھے، فرماتے: جوانی، مال و دولت سب کچھ دین میں لگا دو، قرآن میں لگا دو، تصنیف و تالیف میں لگا دو .... ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے اہتمام سے ہوگی فکر کے التزام سے ہوگی

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ ارشاد فرماتے: لَا کی تلوار لے کر سب معبودِ باطلہ کو کرش کر دو، اقتدار کا معبود، وزارت کا معبود، حبِّ مال کا معبود، حبِّ جاہ کا معبود، اولاد کی محبت کا معبود، نام و نمود کا معبود، شہرت و ریاکاری کا معبود اور جاہ و منصب کا معبود، اپنی جبینِ نیاز بارگاہِ قدس میں جھکا دو ...... ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

سب سے بڑی طاقت :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی سب سے بڑی طاقت یہی نسبت مع اللہ تھی، جس سے وہ کہیں گرم، کہیں نرم، کہیں آگ، کہیں پانی، کہیں خلوت گزیں، کہیں جلوت نشیں، کہیں منفرد اور کہیں مجتمع اور

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات جامع نظر آتے تھے۔

روحانی قوّت :

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے ایک مرتبہ عالمِ جذب میں مولوی ظہیر الدین کاندھلوی مرحوم سے فرمایا :

''میاں ظہیر! لوگوں نے حسین احمد کو پہچانا نہیں' خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اگر وہ اس طاقت سے کام لے کر ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا چاہیں، تو نکال سکتے ہیں، لیکن چونکہ یہ عالم اسباب ہے۔اس لئے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ان کو وہی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو اس دنیا میں برتے جاتے ہیں''۔

ربّ ذوالجلال نے حضرت مدنیؒ کو اخلاص وللّٰہیت اور احسان وسلوک میں جو مقامِ رفیع عطا فرمایا تھا۔اس کی ایک جھلک نذرِ قارئین ہے۔

جوہرِ اخلاص :

جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ان کمالات میں سے جو دیکھے اور دکھائے نہیں جا سکتے، البتہ کوئی شخص بے میل ذوق، متوازن ذہن اور قلبِ سلیم کی نعمتوں سے نوازا گیا ہو، تو وہ حضرتؒ کے ان خصائص وکمالات کو محسوس کر سکتا ہے۔

حضرتؒ کی سیرت کا پہلا عنصر ''حسنِ اخلاق'' ہے، لیکن اخلاص کیا ہے؟ اخلاص ایک ''جوہرِ سیرت ہے'' اس کا بیج قلب کی سرزمین میں پھوٹتا ہے، برگ وبار پیدا کرتا ہے اور اس کی سرمدی مہک سے مشامِ روح معطر ہو جاتا ہے۔اس جوہرِ سیرت کو ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اس کے وزن وقدر کے اندازے کیلئے علم وسائنس کی اس ترقی یافتہ دنیا میں ابھی تک کوئی میزان اور پیمانہ ایجاد ہوا ہے، لیکن ذوقِ بے میل اور قلبِ سلیم ہو تو اسے خوشبو کی طرح محسوس ضرور کیا جا سکتا ہے۔

جوہرِ اخلاص داد وتحسین سے بے نیاز اور ستائش کی تمنا سے بے پرواہ ہوتا ہے۔اخلاص چاہتا ہے کہ صلہ وثواب کی آرزو سے قلب کو پاک کر لیا جائے، حسنِ اخلاص عشق کے مدعی سے مطالبہ کرتا ہے کہ میری محبت کا دم بھرتے ہو اور میرے قرب ووصال کے طالب ہو تو پہلے اپنی ذات کے تمام اغراض

سے دست بردار ہو جاؤ اور دنیاوی عیش و راحت کی ہر خواہش کو اپنے دل سے نکال پھینکو۔ غیرتِ اخلاص انسانی سیرت کی کسی کوتاہی کو برداشت کرے، خواہ نہ کرے، لیکن اس کی پاکیزہ سرشت ذوق ماومن کو ایک لمحے کے لئے برداشت نہیں کرسکتی۔ اخلاص اور لوث و غرض کبھی ایک قلب میں جمع نہیں ہوسکتے۔ صاحبِ غرض کبھی صاحبِ اخلاص نہیں ہوسکتا، جو بے غرض ہوتا ہے، وہی صاحبِ اخلاص ہوتا ہے اور جو بے غرض ہوتا ہے، وہ بے پناہ ہوتا ہے اور اُسے بہ قول ایک عارف کے تلوار بھی نہیں کاٹ سکتی۔

(مولانا حسین احمد مدنیؒ، ایک سیاسی مطالعہ)

حضرت مدنیؒ بے غرض تھے :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بے غرض تھے۔ قوم و ملت کی خدمت کو شعار بنایا اور تحریکِ آزادی کی راہ میں قدم رکھا تو پہلے اپنے قلب کو غرض سے پاک کرلیا، تاکہ کوئی تلوار انہیں کاٹ نہ سکے۔ حیدرآباد (دکن) کے وظیفے کی رشوت ہو یا کسی سرکاری مدرسے (مثل مدرسہ عالیہ کلکتہ) کی پرنسپل شپ کی پیش کش ہو یا جامعہ ازہر (مصر) کے منصبِ بلند کا لالچ ہو، حالات کی سنگینی کا خوف ہو یا خاندان کے مستقبل کا اندیشہ، انہوں نے ہر خوف و حزن سے اپنے قلب کو پاک کرلیا تھا، اگر انہوں نے دارالعلوم میں کوئی مقام حاصل کیا تھا، یا جمعیت علمائے ہند کی صدارت کو قبول کرلیا تھا تو صرف کسی کو آگے بڑھتے اور ذمہ داری کا بوجھ اُٹھاتے نہ دیکھ کر، اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا میدان خالی پاکر اور غلام ملک میں استعمار و استبداد کے عذاب سے سسکتی انسانیت کو نجات دلانے کے لئے صرف اپنے اسلامی اور انسانی فرض کی ادائیگی کیلئے قدم آگے بڑھایا تھا، اگرچہ حضرت کا ''اخلاص'' تیس سال سے زیادہ عرصے تک آزمائش کی کسوٹی پر بار بار پرکھا جاتا رہا تھا۔

قومی اعزاز اور حکومتی پیش کش کی ایک آزمائش :

اور آپ کے اخلاص کا سونا ہر دفعہ زرِ خالص ثابت ہو چکا تھا، لیکن ابھی آزمائش کا ایک مرحلہ باقی تھا۔ یہ مرحلہ ملک کی آزادی کے بعد اس وقت پیش آیا، جب حضرتؒ کی خدمت میں ملک کا سب سے بڑا سِوِل اعزاز ''پدم بھوشن'' پیش کیا گیا، اگر ہندوستان میں چند حضرات اس کے مستحق تھے، تو حضرت اس اعزاز کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے۔ یہ حضرتؒ کی عظیم الشان قومی خدمات کا صلہ نہیں، اعتراف تھا۔ یہ اعزاز حکومت یا انتظامیہ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ قوم کی جانب سے ملک کو آزادی اور قوم کو غلامی و استبداد کے عذاب سے نجات دلانے میں ان کی خدمات کے لئے اظہارِ تشکر تھا۔ اس کو

قبول کر لینے کے جواز میں، ایک سو ایک دلیلیں پیش کی جا سکتی تھیں اور آج بھی کہ ملک کی آزادی کو ایک ڈھائی کے بعد نصف صدی پوری ہو جائے گی اور ایک قرن آپ کی وفاتِ حسرت آیات پر بھی گزر چکا ہے۔ اس اعزاز کے لئے آپ کے استحقاق اور جواز کے باب میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے قوم کی اس پیش کش و اعزاز کا کیا جواب دیا تھا؟ کیا یہی جواب نہ تھا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اسلام کے ایک شرعی حکم اور ملکی فرض کی ادائیگی کیلئے تھا، صلہ و ستائش کی آرزو، اعتراف خدمات کے جذبے اور کسی اعزاز و منزلت کیلئے نہ تھا۔

(مولانا حسین احمد مدنی ؒ، ایک سیاسی مطالعہ)

حلقۂ نور :

مولانا عبدالحمید صاحب بنیا چنگی فرماتے ہیں کہ :

ایک مرتبہ سفرِ حج میں خاکسار حضرت ؒ کے ساتھ تھا۔ جہاز پر میری سیٹ ایسی جگہ تھی کہ آمد و رفت کے وقت مجھے آپ کے سرہانے کی جانب سے گذرنا پڑتا اور اس بات سے طبیعت میں سخت انقباض تھا۔ ایک دن آپ کے سر پر تیل کی مالش کر رہا تھا اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش حضرت مجھے سیٹ بدلنے کا حکم فرما دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنا بستر وغیرہ میرے قریب ہی لے آؤ، مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ خدمت میں آسانی رہے گی اور میں آپ کے قریب ہی آ گیا۔ ایک رات میں سو رہا تھا، اس طرح کہ میرا سر آپ کے سینہ کی محاذاۃ میں تھا۔ تقریباً دو بجے اچانک آنکھ کھل گئی،

> ''میں نے حضرت شیخ کی جانب دیکھا تو عجیب منظر سامنے تھا۔ چاندنی جیسی ایک روشنی آپ کے سینے سے بلند ہو رہی تھی، بتدریج یہ روشنی تیز ہوتی رہی اور اس کے حلقے میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ ہمارے آس پاس کی جگہ روشن ہو گئی۔ یہ دیکھ کر میرے جسم میں لرزہ شروع ہو گیا اور میں ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ یکلخت روشنی بھی ختم ہو گئی''۔

رُخِ انور پر روشنی کا مشاہدہ :

حضرت مدنی ؒ نے بیدار ہو کر میری جانب نظر اُٹھائی اور فرمایا، ابھی تو کافی رات ہے۔ اتنی جلدی کیوں اٹھ بیٹھے ہو؟ میں نے واقعہ بیان کر دیا اور پھر لیٹ گیا۔ آپ بھی لیٹ گئے، آدھ گھنٹہ بعد تقریباً پہلی ہی جیسی کیفیت دوبارہ سامنے آئی، مگر اس مرتبہ روشنی ہلکی تھی۔ اس لئے میں اضطراب میں

مبتلا نہ ہوا۔ بعدازاں تقریباً سوا تین بجے تہجد کے لئے اُٹھا پہلے آپ کے لئے پانی لایا اور مصلّٰی بچھادیا۔ آپ بھی عادت کے مطابق اُٹھے، وضو فرمایا اور مصلّٰی اُٹھا کر بالائی منزل پر تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے چہرے پر عجیب روشنی اور رونق کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ (حیات شیخ الاسلام ص ۲۷)

روشنی ہی روشنی :

حضرت مولانا لطف الرحمٰن برنوی فرماتے ہیں کہ سلہٹ میں ایک بار میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوا۔ آپ نہایت محویت کے عالم میں تلاوت فرمارہے تھے۔ آپ اثنائے تلاوت وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ پر پہنچے تو شرکاءِ جماعت میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ میں حضرت مدنیؒ کے پیچھے ہی تھا۔ غیر اختیاری طور پر میری نگاہ حضرت مدنیؒ کی جانب اُٹھ گئی۔ میں نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔

''آپ کے جسم پر کھدر کا کرتا تھا اور اس کی ہلکی بافت سے جسم کی روشنی چھنتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ یہی کیفیت ایک دوسری آیت پر بھی پیدا ہوئی۔ حضرت مدنیؒ کے قریب ہی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری موجود تھے اور شریکِ جماعت تھے۔ نماز کے بعد میں نے اُن سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے بھی یہ منظر محسوس کیا۔ روشنی پوری مسجد میں پھیلی ہوئی تھی''۔

(حضرت مدنیؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۴)

مولانا مدنیؒ کا ثانی نہیں :

حاجی احمد حسین صاحب لاہر پوری بیان کرتے ہیں :

وسط ستمبر ۱۹۲۳ء میں بمقام دہلی کانگریس کا خصوصی اجلاس ہو رہا تھا۔ حضرت مدنیؒ کراچی جیل سے کچھ عرصہ قبل ہی رہا ہوئے تھے۔ انہی تاریخوں میں مرکزی خلافت کمیٹی کا اجلاس بھی ہو رہا تھا۔ مجھے پہلی بار حضرت مدنیؒ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ایک دن میں نے خدمت میں حاضری دینے کے بعد حلقۂ غلامی میں شمولیت کی درخواست کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بیعت کے سلسلے میں حضرت مدنیؒ کسی کی درخواست کو شاذ و نادر ہی شرفِ قبولیت عطا فرماتے تھے۔ چنانچہ نہایت انکساری سے معذرت کر دی اور اپنی عدم صلاحیت پر ایک طویل تقریر فرمائی۔ نیز حضرت مولانا تھانویؒ اور بعض دیگر حضرات کی طرف رجوع کرنے کے لئے فرمایا، لیکن میرا اصرار بڑھتا ہی رہا۔ بالآخر زچ ہو کر نمازِ استخارہ کی ہدایت

فرمائی اور جب تین دن کے بعد پھر خدمت میں حاضر ہوا تو صاف انکار کر دیا۔ حضرت پیر غلام مجدد صاحب سندھی شہید (اسیر کراچی) بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ مجھے پیر صاحب کے سپرد کر کے انہی کی جانب رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پیر صاحب جن کے چھ لاکھ مریدین مندرجہ فہرست گورنمنٹ تھے، زیادہ تر تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے۔ میری حاضری پر قرآن مجید بند کر کے فرمایا:

"میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہے۔ میں بحلف کہتا ہوں کہ جیل میں میں نے جو حالات مولانا مدنی صاحبؒ کے بچشمِ خود دیکھے ہیں، ان کی بنا پر میری رائے ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مولانا صاحب کا ثانی بزرگی اور اتباعِ سنت کے لحاظ سے نہیں ہے۔ آپ ہرگز مولانا صاحب کا دامن نہ چھوڑیئے! اگر مولانا صاحبؒ نہ ہوتے تو میں آپ کو مرید کر لیتا"۔

حکیم مسعود احمدؒ کی تنبیہ پر روتے رہے:

غرضیکہ پیر صاحبؒ کی سعی و سفارش سے حضرتؒ نے مجھے داخلِ سلسلہ فرمایا۔ بیعت کے سلسلے میں یہ سختی اور انکساری عرصہ تک برقرار رہی، لیکن ایک مرتبہ یہ ہوا کہ حضرتؒ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب صاحبزادہ حضرت گنگوہیؒ سے ملاقات کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ آخر آپ بیعت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ "میں اس کا مطلق اہل نہیں ہوں"۔ یہ سن کر حکیم صاحب بہت خفا ہوئے کہ: آپ میرے والد مرحوم پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایک نا اہل کو اجازتِ بیعت دی۔ حضرت دیر تک بیٹھے روتے رہے، پھر حکیم صاحبؒ کے ایماء پر قطبِ عالم حضرت گنگوہیؒ کی قبر مبارک پر جا کر کچھ دیر تک مراقب رہے اور اس کے بعد بیعت کا عام سلسلہ جاری ہو گیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۴۷)

وہ پدمنی اونٹنی میں ہی ہوں:

حضرت مولانا عبد الرشید صاحب مونگیریؒ روایت کرتے ہیں:

عموماً طلباء دورانِ درس حضرتؒ سے بے تکلف ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے بڑی بے تکلفی سے دریافت کیا کہ: حضرتؒ! سنا ہے کہ آپ قطب العالم ہیں۔ حضرت نے طالب علم کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے سبق کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا، لیکن طالب علم نے انتہائی

جسارت سے اپنے سوال کو دُہراتے ہوئے کہا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کا قول ہے" و اما بنعمة ربک فحدث" لہٰذا اگر آپ قطب العالم ہیں، تو تحدیثِ نعمت ہونی چاہئے! اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

"اونٹنیوں میں ایک اچھے نسل کی شریف اونٹنی ہوتی ہے، جسے پدمنی کہتے ہیں۔ یہ خبر ایک اونٹ کے بچے کو ہوگئی تو اس نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اماں! پدمنی اونٹنی کسے کہتے ہیں؟ تو ماں نے جواب دیا کہ وہ پدمنی اونٹنی میں ہی ہوں۔ حضرت کا یہ جواب سُن کر طلبا مسکرانے لگے اور سبق شروع ہوگیا"۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۰۳)

بلند روحانی مقام :

حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ فرماتے ہیں :

حضرت مدنیؒ کے بارے میں بہتوں کو یہ فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آئی کہ وہ کون سے مرکزی صفات تھے، جو آپ کی زندگی میں سب سے نمایاں اور اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ کسی نے بہت بڑا مفسر جانا، محدث جانا، کسی نے ایک عالم اور شیخ طریقت جانا، کسی نے سیاسی راہنما اور مجاہد قرار دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ مولانا میں سارے کمالات تھے، جن کا ذکر ہوا ہے، لیکن حضرت مدنیؒ میں ان تمام باتوں سے زیادہ آپ کا روحانی مقام تھا۔ جس سے عام طور پر دنیا ناواقف تھی اور ناواقف رہ گئی۔

(شیخ الاسلام نمبر ص ۸۵)

خانقاہِ مدنیؒ کے شب و روز کے معمولات :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی مسندِ ارشاد آباد رہتی۔ آپ بیعت بھی فرماتے، ذکر و اذکار بھی تلقین فرماتے، خانقاہِ مدنیؒ میں تشریف لانے والے سعادت مند ہر وقت خصوصاً رات کے وقت ذکر و اذکار، نوافل اور تلاوت میں ساری رات اس طرح مصروف و مشغول ہوتے کہ خانقاہِ مدنیؒ انوارات روحانیہ سے جگمگا اُٹھتی۔ برصغیر کے مشہور کمیونسٹ لیڈر محمد اشرف روایت کرتے ہیں۔

جب میں ۱۹۴۶ء میں مولانا (حضرت مدنیؒ) کی رہائش گاہ پر پہنچا، تو اٹھارہ مہمانوں کا قافلہ پہلے سے موجود تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مہمانوں کے ایک بڑے کمرہ میں ایک چارپائی پر بستر لگادیا۔ دینداروں کے معمولات سے میں یوں بھی گھبراتا ہوں، مگر پہلے دو دن میرے اوپر بڑے سخت گذرے، نمازِ پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کر لیتا، مگر یہاں تو سب قائم اللیل تھے۔ کیفیت یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد میں

بمشکل گھنٹہ بھر سویا ہوں گا کہ کسی نہ کسی کونہ سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی ۔ میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح و وظیفہ میں ۔ تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لئے اُٹھ بیٹھے، پھر فجر سے پہلے اور بعد میں قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ جب دوسری رات بھی اسی کیفیت کی نذر ہو گئی، تو میں نے حضرت مدنی ؒ سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو، مگر میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو چکا ہے ۔ حضرت مدنی ؒ نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن مجھے علیحدہ اور آرام دہ کمرہ مل گیا ۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۵۴)

بیک وقت چھ ہزار افراد نے بیعت کی :

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ اگرچہ چاروں سلاسلِ طریقت کے شناور تھے، مگر چشتیہ صابریہ میں بیعت فرمایا کرتے ۔ سفر حضر میں بیعت فرماتے، آپ سے بیعت ہونے والے سعادت مندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے ۔ ایک دفعہ بانسکنڈی کے مقام پر چھ ہزار افراد نے بیک وقت حضرت مدنی ؒ کے دستِ حق پر بیعت کی ۔ جہاں حضرت مدنی ؒ کے عاشق زاروں کی کمی نہیں تھی ۔ وہاں مخالفین، معاندین اور حاسدین بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے ۔ یہ ایک سلسلہ چلا آ رہا ہے اور چلتا رہے گا، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے جو خدا کے دوستوں سے دشمنی کرتا ہے، وہ دراصل اللہ سے جنگ کرتا ہے ۔ اللہ کے نیک بندوں کا صبر و تحمل رنگ لائے بغیر نہیں رہتا ۔ حضرت عثمان ذوالنورین ؓ اور حضرت حسین ؓ کے قاتلین نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی ذلت و رسوائی کا جو مہیّب نقشہ دیکھا، وہ اسلامی تاریخوں میں آج بھی اَنمٹ نقوش میں لکھا جا چکا ہے ۔

لاش تک نہ ملی :

شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان لاہور مارچ ۱۹۶۳ء میں مکافاتِ عمل اور حضرت مدنی ؒ کے دشمنوں کے عبرتناک انجام کی کہانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

(اس) واقعہ کے راوی جالندھر کے ایک نوجوان مولوی محمد اکرم صاحب قریشی ہیں، جو حمید نظامی مرحوم کے جگری دوست، مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں اُن کے دست و بازو، اسلامیہ کالج کے فارغ اور لیگ کے آغاز سے آج تک اس کے حامی چلے آتے ہیں ۔ وہ مولانا مدنی ؒ اور اُن کے مدرسہ

فکر کے کبھی ہم خیال نہیں رہے، بلکہ ان نوجوانوں میں سے تھے، جنہیں جالندھر میں لیگ کا ہراوّل دستہ کہا جاتا تھا......اس واقعہ کے راوی یہی محمد اکرم قریشی ہیں، جن کو لاہور کے احباب ڈاکٹر بھی کہتے ہیں اور آج کل بیڈن روڈ لاہور میں رہ رہے ہیں۔ اُن کی روایت کے مطابق اس واقعہ کے کئی راوی اب تک بقیدِ حیات ہیں۔ (اُن کا بیان ہے کہ) ابھی پاکستان نہیں بنا تھا اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا زمانہ تھا۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ پنجاب یا سرحد کے سفر سے واپس جا رہے تھے، جالندھر کے اسٹیشن پر یہی نوجوان مسٹر شمس الحق کی ہمراہی میں اپنے رہنماؤں کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ رہنما کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے، شمس الحق کی نظریں مولانا مدنیؒ پر پڑگیں۔ وہ اپنے ساتھ کے نوجوانوں کو لے کر اُن کے ڈبے پر چڑھ دوڑا، نعرے لگائے، سب وشتم کیا حتیٰ کہ داڑھی کو پکڑ کر کھینچا۔ ایک بیان کے مطابق رخسار پر طمانچہ مارا۔ مولانا صبر کی تصویر تھے، آہ تک نہ کی۔ اس کارنامہ کے بعد شمس الحق یا اُس کے کسی ساتھی نے یہ واقعہ مولانا عظامی سے بیان کیا، جو جالندھر لیگ کے نائب صدر تھے۔ اُنہوں نے سنتے ہی کانپ کر پوچھا کیا یہ صحیح ہے؟ جب تصدیق کی گئی تو اُن پر رعشہ طاری ہوگیا۔ اکرم قریشی کہتے ہیں کہ وہ کانپ رہے تھے اور اُنہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

> ”اگر یہ سچ ہے تو جس نے حضرت مدنیؒ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے، اُس کی لاش نہیں ملے گی۔ اُس کو زمین جگہ نہیں دے گی“۔

عظامی کانپ رہے تھے، اُن کا چہرہ اشکبار تھا اور آنکھیں پُرنم تھیں۔

....

آپ جانتے ہیں کہ شمس الحق کون تھا؟ یہ وہی نوجوان ہے جو لائل پور میں قتل وخون کا شکار ہوگیا، جس کی نعش کا پتہ نہ چلا، کفن ملا نہ قبر، اس واقعہ کو تقریباً گیارہ بارہ سال ہو چکے ہیں۔ روایتوں پر روایتیں آتی رہیں، خود لیگ کے زعماء مہر بلب رہے، کسی نے کہا بھٹہ میں زندہ جلا دیا گیا، کسی نے کہا لاش کے ٹکڑے کر کے دریا بُرد کر دیا گیا، جتنے منہ اتنی باتیں۔ پولیس نے انعام بھی رکھا، سب کچھ کیا لیکن شمس الحق کا سُراغ نہ ملا۔ (بوئے گل)

گستاخی کرنے والوں کا عبرتناک انجام:

سید پور ضلع رنگ پور میں لیگی غنڈوں نے حضرتؒ کے ساتھ نہایت غیر شریفانہ اور وحشیانہ

برتاؤ کیا تھا۔ یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل میں مولانا کفیل احمد صاحب بجنوریؒ کا مضمون ہدیہ ناظرین ہے۔ یہ مضمون روزنامہ حقیقت (لکھنؤ) میں شائع ہوا تھا، جو بعینہٖ درج ہے۔

سید پور اور سہاگل پور میں جس نوعیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماءِ ہند کی ذاتِ بابرکات پر قاتلانہ اور وحشیانہ حملے ہوئے، وہ ہر سنجیدہ شخص کے لئے انتہائی رنج وقلق کا موجب ہیں۔

تین ہزار غنڈوں کی یلغار :

حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سید پوری جو کہ حضرت مدنیؒ کے میزبان اور سید پور لانے کے باعث تھے۔ وہ کلکتہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ موصوف نے راقم الحروف کو نمازِ جمعہ سے قبل نمازیانِ مسجد کولوٹولہ کی موجودگی میں اپنی دردبھری داستان سُنائی کہ حضرت مدنی صاحبؒ اپنے خادم احسان الحق صاحب مرحوم کی تعزیت میں قصبہ سونار تشریف لائے ہوئے تھے اور میری درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کے لئے سید پور کے اسٹیشن پر اُترے تھے، افسوس کہ موصوف کو میرے غریب خانہ تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ دفعۃً تقریباً سات سو (۷۰۰) لوگوں کا انبوہ لیگی نعرے لگاتا ہوا اسٹیشن پر آ دھمکا اور حضرت شیخ کو عریاں گالیاں، دشنام دہی شروع کر دی' ہاتھوں میں لاٹھیاں، ڈنڈے اور چھریاں تھیں، بے تمیزی سے نام لے لے کر قتل کر دو' مار ڈالو، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، یہ غدار ہے، ایسا ہے، ویسا ہے، جو کچھ منہ پر آ رہا تھا، بکواس کی۔ ہم بنابر استقبال صرف دس پندرہ آدمی تھے اور ان لوگوں میں برابر ایک شخص کے ناقوس پر ناقوس بجانے پر زیادتی ہو رہی تھی، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سید پور ورکشاپ اور مضافات سے جمع ہو گئے اور پھر کربلا کا منظر حسین احمد ابن حسین کے سامنے آ گیا۔ (انا للّٰہ و انا الیہ راجعون)

کلاہِ مدنیؒ کو پاؤں تلے روند کر جلا دیا گیا :

مار دھاڑ شروع کر دی اور ہم چند لوگ جو شیخ مدظلہٗ کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ کچھ مجروح اور کچھ مضروب ہو رہے تھے اور خدا جانے ہم لوگوں میں آیا فرشتے آ گئے تھے، یا کیا بات تھی کہ بے انتہا قوت ہمارے اندر پیدا ہو رہی تھی اور ہم کانھم بنیان مرصوص بنے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک فرعونِ بے سامان نے اپنی فرعونیت کا شدید ترین مظاہرہ کیا۔ اُس نے حضرت مدنی صاحبؒ کو زمین پر پچھاڑنے کی کوشش کی بے دردی سے گریبان پکڑا اور آخر میں سخت مدافعت کے باوجود کلاہ سر

مبارک سے اُتالی۔ بیہودہ کلمات بکتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا اور پھر اُس کو جلا دیا۔ ہم میں بعض اشخاص نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی تھا، امداد کے لئے متوجہ کیا، مگر افسوس اُس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے ابتداءً لطائف الحیل سے کام لے کر کچھ دیر بعد صاف وصریح انکار کر دیا کہ میں اس بڑے مجمع کو قابو میں لانے سے معذور ہوں۔

ایک اینگلو انڈین افسر کی فرض شناسی :

جب اس پولیس افسر نے شرعی وقانونی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا تو ہم میں سے بعض مایوسانہ طریقہ پر ورکشاپ کے اینگلو انڈین افسر کے پاس پہنچے۔ وہ فوراً اسٹیشن پر آیا اور اُس نے فی الواقع امن وامان قائم کرنے کی بہت کوشش کی۔ اپنے ماتحت مزدوروں سے یہاں تک کہا کہ خبردار! یہ تم کیا کرتے ہو؟ ہم جانتے ہیں کہ یہ شخص تمہارا بہت بڑا پوپ ہے، زبردست پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے۔ کیا تم اسی طرح غنڈہ پن سے شراب پی پی کر پاکستان لینا چاہتے ہو۔ دور ہو جاؤ! دفع ہو جاؤ! تمہارے منہ سے شراب کی بو آتی ہے !

غرض اس افسر نے سب کو سمجھایا، مگر کچھ اثر نہ ہوا اور مدنی صاحبؒ اسی درمیان میں بہ مشکل تمام ویٹنگ روم میں داخل کئے جانے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی طرح مظلومانہ محصور تھے۔ اس ناکامی کے بعد اسٹیشن افسران وغیرہ کی سعی کے ذریعہ غنڈوں سے یہ طے پایا کہ مولانا کو اس صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ اسی شب دار جلنگ میل سے واپس ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت شیخؒ ساڑھے آٹھ بجے (۸۔۱/۲) شام سے لے کر ڈیڑھ بجے (۱۔۱/۲) شب تک پانچ گھنٹے اس مصیبتِ عظمیٰ میں مبتلا رہ کر دار جلنگ میل سے بھاگلپور کے لئے روانہ ہو گئے۔

قدرت کا انتقام :

حضرت مدنیؒ غالباً حدودِ بنگال سے باہر نہیں نکلے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا قہر وغضب ظالموں کی طرف متوجہ ہو گیا اور منعم حقیقی کی گرفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ مولانا صالح صاحب سید پوری فاضل دیوبند خلف رشید مولانا ریاض الدین صاحب کا گرامی نامہ آج ہی اپنے پدرِ بزرگوار کے نام کلکتہ پہنچا۔ مقامِ عبرت ہے کہ جس فرعونِ بے سامان نے زیادہ فرعونیت سے کام لیا تھا، وہ تو اگلے ہی دن تالاب میں غرق

ہو کر فوت ہو گیا اور جس پولیس افسر نے اپنی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا تھا، اور کھڑے ہوئے کلوخ اندازی وغیرہ کا تماشا دیکھا تھا، وہ بھی اپنے نوجوان فرزند کو سپرد خاک کر کے سراپا تماشا بن گیا، پھر خدا کی شان کہ جس خیال سے یہ ہڑبونگ مچائی گئی تھی کہ جمعیۃ علماء کی تبلیغ نہ ہو۔ آج بڑے اہتمام سے اسی جگہ جمعیۃ قائم کی جارہی ہے، جو لوگ اب تک غنڈہ بنے ہوئے تھے، وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم کررہے ہیں اور جس جھنڈے کے تحت یہ سب خرافات کی گئی تھیں، اسی جھنڈے کی اب علانیہ مخالفت شروع کر دی گئی ہے۔ اللہ رے قدرت کیا برعکس معاملہ ہے۔ صالح صاحب لکھتے ہیں :

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

ابّا جان! آپ کا خط موصول ہوا، ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے کسی قسم کی فکر نہ کریں' بے فکر ہو کر کام کاج کریں اور ہم لوگوں کے لئے دعا کرتے رہیں، جن غنڈوں نے جناب حضرت قبلہ مولانا مدنیؒ کے ساتھ گستاخی کی تھی، وہ لوگ اب اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ بڑے داروغہ پولیس انسپکٹر کا بڑا لڑکا دوسرے ہی دن قضا کر گیا۔ یہ بات شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ اس کے بعد جس شخص نے حضرتؒ کے سر مبارک سے ٹوپی اُتار کر جلادی تھی، دوسرے دن وہ بھی تالاب میں ڈوب کر مر گیا۔ سید پور میں ہلڑ مچ گیا۔ شیان ڈاکٹر اور چتینا سب لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم ان غنڈوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہم لوگوں سے ایسا ذلیل کام نہیں ہوسکتا"۔

(روزنامہ حقیقت لکھنؤ ۱۹۴۶ء)

گالیاں دینے والے نے معافی مانگ لی :

حضرت مولانا برنویؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مولوی بازار میں جلسہ ہو رہا تھا۔ اس میں حضرت مدنیؒ بھی موجود تھے۔ آپ کو دیکھ کر ایک سٹوڈنٹ نے کچھ گالیاں دیں اور چل دیا۔ راستے میں وہ درد شکم میں مبتلا ہو گیا اور خون کی قے شروع ہوگئی۔ اس کے ایک رشتہ دار کو واقعہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے آ کر حضرت مدنیؒ سے معافی طلب کی اور دعا کے لئے اصرار کیا۔ آپ نے پانی دم کر کے عنایت فرمایا اور وہ طالب علم شفایاب ہو گیا۔

خسر الدنیا و الآخرۃ :

مولوی عبدالرحیم صاحب آزادراوی ہیں :

کہ حضرت مدنیؒ ایک جلسہ گاہ میں تشریف فرماتھے۔ نبی گنج بھڑ کاؤں کے مولوی ممتازالدین نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کا نشان دیکھ کرازراہ تمسخر کہا کہ یہ تو جوتے کا داغ معلوم ہوتا ہے...... (نعوذ باللہ من ذلک) لوگوں نے دیکھا ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ اس گستاخ نے قادیانیت اختیار کرلی اور خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق بن گیا۔(شیخ الاسلام نمبرص ۱۸۶)

درسِ عبرت ::

انفاسِ قدسیہ میں ہے کہ ایک شخص حضرت مدنیؒ کو فحش گالیاں دیا کرتا تھا کہ دل لرزنے لگتا۔ قدرت نے اُس سے ایسا انتقام لیا اور اُس کے چہرے پر اس طرح آبلے پڑے کہ تمام منہ سوج گیا اور بالکل توے کی طرح سیاہ ہوگیا۔ وہ شخص درسِ عبرت بن کر اعتراف کرتا کہ مجھے مولانا مدنیؒ کو گالیاں دینے کی سزا ملی ہے۔(انفاس قدسیہ)

عنداللہ مقبولیت کی ایک خاص نشانی :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں :

بعض حدیثوں میں اللہ کے خاص مقبول بندوں کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ انہیں دیکھ کر اور ان کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے ...... اس یاد کے لئے جس ایمانی مناسبت اور جس توفیق کی ضرورت ہے، جو لوگ اس سے محروم ہیں ان کا تو ذکر نہیں، لیکن جن کو اللہ نے اس خیر سے محروم نہیں کیا ہے، اُن میں سے جس کو بھی حضرتؒ سے قریب ہونے اور خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا ہوگا۔ یقین ہے کہ اس کو اس کا تجربہ ضرور ہوا ہوگا کہ ان کے پاس بیٹھ کر یا ان کو دیکھ کر دل میں خدا کی یاد اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی۔ خود اپنے بارے میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ بہت اُمور میں میری رائے حضرتؒ سے متفق نہیں ہوتی تھی اور رائے میں خاصا بعد ہوتا، لیکن جب خدمت میں حاضری ہوتی تو یقین تازہ ہو جاتا کہ یہ اللہ کے خاص الخاص بندوں میں سے ہیں اور مجھ جیسوں کے لئے ان کی جوتیاں صاف کرنا اور قدموں کا غبار

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

جھاڑنا بھی سعادت ہے۔ اللہ ان کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے ایمانی اوصاف کے ورثہ سے ہم کو محروم نہ رکھے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(تحدیثِ نعمت)

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کو اللہ کے بندوں سے شفقت و محبت کا تعلق تھا۔ وہ دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتے تھے اور اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اُن کے دل سے رنج و شکایت، انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس فنائیت کا نتیجہ تھا کہ آپ بدلہ نہ لیتے، لیکن من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب (جو میرے ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے، اس کے ساتھ میرا اعلانِ جنگ ہے) کا اعلان تو اللہ کی طرف سے ہے۔ یہی خداوندِ عالم کا قانون اور دستور ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی عزت و عصمت کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے اولیاء کی طرف اٹھنے والے ہاتھ شل اور چلنے والی زبان بند کر دیتے ہیں۔ اللّٰھم احفظنا من عداوة العلماء والاولیاء۔

اب ہم نے شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے مشن کو آگے بڑھانا ہوگا۔ ہم نے خانقاہیں آباد کرنی ہوں گی۔ جب تک زندہ رہیں گے، اللہ کا نام لیتے رہیں گے اور اللہ کا کام کرتے رہیں گے۔

وعظ وخطابت' ارشادات وملفوظات'

اور ایمان افروز باتیں

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ایام میں عرب نطق و بیان، شعر و شاعری اور خطابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ جب آپؐ نے اعلانِ نبوت کیا، تو عرب کے ادباء، خطباء، شعراء اور فصحاء نے دیکھا کہ ایک اُمیؐ جس نے کسی استاد سے نہ لکھنا سیکھا ہے۔ نہ پڑھنا لیکن جب بولتا ہے، تو خطباء کا امام نظر آتا ہے۔ تو اُن میں سے سعادت مند لوگ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ کہ محمد عربی ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ کے نبیوں میں حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی اللہ نے خصوصی ملکۂ خطابت عطا فرمایا تھا۔ انہیں خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ ہمارے اکابرؒ میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ خطابت کے امام تھے۔

بیان وخطابت :

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تقریر میں خطابت کم اور مضامین وحقائق زیادہ ہوتے تھے۔ جیسے کوئی مشاق مصنف اپنی تحریروں میں منطقی استدلال سے کام لیتا ہے۔ حضرت مدنیؒ اپنی تقریروں میں اسی طرح استدلال فرماتے تھے۔ آواز کا اُتار چڑھاؤ بہت کم ہوتا تھا۔ اور جذبات کا

اظہاراس سے بھی کم، وہ دلنشین انداز میں بات کو سمجھایا کرتے تھے۔ان کی تقاریر میں تفہیمِ دین اور ارشاد الی الحق کا رنگ زیادہ ہوتا۔حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب ہوشیار پوریؒ نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی تقاریر کا مجموعہ ''خطبات مدنی'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔ذیل میں ہم اس سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔تاکہ قارئین حضرت مدنیؒ کی خطابت سے حظِ وافر حاصل کریں۔ان کی خطابت میں علم ومعرفت بھی ہے۔اور جذب وتاثیر بھی۔نسبت مدنیؒ سے منتسبین کے لیے یہ سرمۂ بصیرت اور نشانِ منزل ہیں۔

اقامتِ نماز :

فرمایا: بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں۔اسے کھڑا نہیں کرتے ۔ترتیل کے ساتھ معانی کا لحاظ کر کے پڑھو۔یہ سوچو کہ میں شہنشاہِ عالم کے سامنے کھڑا ہوں جو میرے دل ودماغ کے خیالات کو جانتا ہے۔ہر حرکت کو جانتا ہے۔ہر رکوع کو، سجدے کو، قیام کو، قعود کو ترتیب اور اطمینان کے ساتھ ادا کرو۔پس اگر تمام شرطوں، تمام احکام اور جملہ آداب کی پابندی کرتے ہوئے نماز ادا کی۔تب تو نماز کا کھڑا کرنا ہوا لیکن اگر رکوع، سجدہ اور جلسہ میں سکون واطمینان نہیں ہوا تو نماز ہو جائے گی۔مگر اقامت نماز نہیں ہوگی۔
(خطبات مدنی ۴۹)

عشقِ رسول ﷺ :

ارشاد فرمایا! حضورِ اقدس ﷺ سے زیادہ سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔آج ہم حضورؐ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر آپ ﷺ کے طریقے کو چھوڑتے ہیں۔آپ ﷺ کی صورت سے نفرت کرتے ہیں۔آپ ﷺ کے دشمن کی صورت بناتے ہیں۔ان کے فیشن کو اپنا فیشن سمجھتے ہیں، داڑھیاں کترواتے ہیں، انگریزی بال رکھتے ہیں، اس سے بچنا چاہیے، جناب رسول اللہ ﷺ کی صورت وسیرت اختیار کرنا چاہئے۔(خطبات مدنی ۷۲)

مناسکِ حج، عشق ومحبت کا منظر :

ارشاد فرمایا: روزہ، عشق کی پہلی منزل ہے، رمضان گذرا، شوال سے عشق کی دوسری منزل شروع ہوئی۔دوسری منزل یہ ہے کہ محبوب کے درودیوار کی طرف توجہ کی جائے۔جہاں اس کا کوچہ ہے۔

جہاں اس نے دوسروں کو نوازا ہے۔ وہاں جایا جائے اس کے در و دیوار کے پاس پہنچا جائے۔ اور جمالِ محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے گھر کے اردگرد دیوانہ وار پھرا جائے۔ اس کے درودیوار سے چمٹ کر اس کے سنگِ در کو بوسہ دیا جائے ....

امر علی الدیار دیار لیلیٰ . اقبل ذالجدار و ذالجدار

وماحب الدیار شغفن قلبی . ولکن حب من نزل الدیار

ترجمہ : میں جب لیلیٰ کے کوچے پر گذرتا ہوں تو کبھی اِس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اُس دیوار کو اور میرے دل میں دراصل کوچہ کے درودیوار نے کوئی جگہ نہیں بنائی ہے، بلکہ اس گلی کے رہنے والوں نے، جس قدر دیار محبوب سے قریب ہوئے جاؤ۔ آتش شوق بھڑکتی جائے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

میرے بھائیو۔ سلے ہوئے کپڑے اتار دو۔ خوشبو ترک کردو۔ سر کو ننگا رکھو، جوتہ پہنو مگر پیر کے اوپر ہڈی اُبھری چھپنے نہ پائے، سرمہ نہ لگاؤ، بالوں کو نہ سنوارو، دیوانوں کی صورت بناؤ ....

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک
اس کو سیاسیا نہ سیا پھر کسی کو کیا
عشق نے تیرے کوہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو
عیش ونشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

جس قدر مکہ معظمہ سے قریب تر ہوتے جاؤ۔ دیوانگی اور جنون کے آثار بڑھتے جائیں۔ یہ عبادت مظہرِ عشق ہے۔ (خطبات مدنی ۸۹)

مدارسِ اسلامیہ کی اہمیت :

ارشاد فرمایا! مسلمانوں کے لیے ہر قسم کا علمی ذخیرہ بلکہ نفس اسلام کی تعلیم عربی اور فارسی زبان میں تھی اور ہے۔ بغیر اس کی تعلیم کے جاری ہونے کے اسلام کا بقا ہی ناممکن تھا۔ اس لیے بقیۃ السلف علماء کو ضروری معلوم ہوا۔ کہ پوری جدوجہد کے ساتھ مذہبی علوم اور اسلامی فنون کو ملک میں جاری کریں۔ یہ بدیہی امر ہے کہ مسلمان اگر کسی بھی فن میں ترقی کریں۔ مثلاً مال و دولت، حکومت وتجارت وغیرہ لیکن

اسلام اور اسکے احکام سے نابلد اور ناواقف ہوں تو وہ مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جاسکتی چہ جائیکہ وہ نجات اور فائز المرامی کے مستحق ہوں۔ اربابِ مدارس اس ضرورت کو محسوس کر کے خدا کے نام پر اُٹھے، قوم کو اس طرف متوجہ کیا ہر قسم کی صعوبتیں جن کے وہ عادی نہ تھے، برداشت کیں اور اسلامی مدارس کی بنیاد ڈالی۔ (خطبات مدنی ۱۱۸)

نظامِ عدل :

آج ہم تمام دنیائے انسانی کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر وہ امنِ عامہ اور کار آمد ترقی اور حقیقی رفاہیت اور خوش حالی چاہتے ہیں، تو صرف اسلامی نظام میں ہی پا سکتے ہیں۔ سوشلزم، کمیونزم، یا نازی ازم یا یورپ کا نیشنلزم، ڈیموکریسی یا کوئی اور نظام جو کہ انسانی عقل ودماغ کا اختراع کیا ہوا ہے۔ ہرگز اس کی کفالت نہیں کرسکتا۔ نہ اس میں ربّ العالمین کے حقوق کی کفالت ہے نہ مخلوقات اور اقوام وافرادِ انسانی کے حقوق کی۔ (خطبات مدنی ۱۹۶)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تقاریر وخطبات کے درج بالا اقتباسات میں حضرت مدنیؒ کی خطابت کا خلوص، رِقّت، سوز دروں، سچائی اور نصب العین پر یقین محکم پوری طرح جلوہ گر نظر آتا ہے۔ آپ کی عام مجالس کے ارشادات بھی دریکتا ہیں .... ؎

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں، صاحبِ ساز کا لہو

چند سال قبل ''ملفوظاتِ شیخ الاسلامؒ '' اور ''فرموداتِ حضرت مدنیؒ '' کے نام سے دو مجموعہائے مضامین اشاعت پذیر ہوئے۔ یہ دونوں کتابیں بے حد مقبول ہوئیں۔ ہم اُن سے افادہ واستفادہ کے لئے ہلکے پھلکے اور ایمان افروز باتیں منتخب کر کے قارئین کے سامنے رکھ رہے ہیں ...... ؎

ہم نے تو دل جلا کے سرِ راہ رکھ دیا
اب جس کے دل میں آئے وہی پائے روشنی

عزم وعمل :

ارشاد فرمایا : نصب العین کی بُلندی، عزم وعمل کی ہم آہنگی اور گفتار وکردار کا ارتباط ہی

انسانوں کولافانی عظمت اور حقیقی کامرانی عطا کرتا ہے۔گویا یہ ایک فطری ضرورت ہے کہ انسانی زندگی کو تسلسل کے ساتھ عزم وعمل اور گفتار وکردار کی صالح قوتوں سے مربوط رکھا جائے۔تا کہ مقصدِ زندگی کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور عزم وعمل کی حِدّت وحرارت میں کسی وقت بھی فرق نہ آئے۔

وسعتِ رحمت :

ارشادفرمایا ! رحمتِ خداوندی سے کسی بھی وقت مایوس نہ ہوں وہ کریم کارساز عمیم الاحسان غفار الذنوب والخطایا ہے۔اس کا وعدہ ہے۔اور نہایت سچا وعدہ ہے۔کہ وہ آسمان اور زمین کی تمام فضا کو بھرے ہوئے گناہوں کو بھی رجوع اور انابت الی اللہ کی بنا پر اپنی مغفرت سے عفو اور محو کردے گا۔

کوئی بھی دل لگانے کے قابل نہیں :

ارشادفرمایا ! مخلوق خواہ کوئی بھی ہو استاد ہو یا مرشد، باپ ہو یا ماں، بیٹا ہو یا بیٹی وغیرہ سب فانی ہیں کوئی بھی دل لگانے اور محبوب ہونے کے قابل نہیں۔محبوب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بس...

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بندو بس

جدو جہد ضروری ہے :

ارشادفرمایا ! انسان گھر بناتا ہے، کھیتی باڑی کرتا ہے۔اناج جمع کرتا ہے۔آٹا پیتا ہے، لقمے توڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ ان میں سے کسی بات میں تقدیر کو پیش نہیں کرتا، پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ جب آخرت کا کام یا کوئی بڑا کام سامنے آجاتا ہے۔تو تقدیر پر الزام رکھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے۔اسلام جدوجہد کرنا اور اسباب وذرائع کو عمل میں لانا ضروری سمجھتا ہے۔ایک اعرابی پوچھتا ہے یارسول اللہ ﷺ اونٹ کو باندھ کر توکل برخدا کروں یا اونٹ کو کھول کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِعْقَلْ وتوکّل۔یعنی باندھ دو اور توکل کرو۔

ماں کی خدمت واطاعت :

ارشادفرمایا ! حضرت اویس قرنیؒ ماں کی اطاعت اور خدمت میں مصروفیت کی وجہ سے بارگاہِ نبوت میں حاضری کو ترک کردیتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو ان سے دعا کرانے کا ارشاد

ہوتا ہے۔ حالانکہ اویس قرنی رویت نبوی سے ممتاز نہ ہوئے تھے .... ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اخلاص وللّٰہیت :

ارشاد فرمایا! اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وخشیت ہاتھ، دل اور زبان میں محفوظ رکھیئے، یہی قاسمیت ہے، یہی رشیدیت ہے، یہی امدادیت ہے۔ زمانے کی تیز وتند ہوائیں چلیں گی، سمندر کی موجیں تھپیڑے ماریں گی، خواہشات کے زلزلے آئیں گے۔ مگر آپ کو ہمالیہ بننا چاہیے۔ پروامت کیجئے اور مردانہ وار گامزن رہیئے۔

حضرت قاسم نانوتویؒ نے اگر لوگوں کی چلمیں بھر بھر کر۔ پاؤں دبا دبا کر ان کو راہ پر لانے کا شیوہ اختیار کیا تھا۔ تو ان کے اخلافِ صدق کو بھی اس میں عار نہ آنا چاہیے۔ اور نہ گھبرانا چاہیے۔ حُسنِ تدبیر اور حکمتِ صدق کو اختیار کر کے سلفِ صالح اور ان کے فیض کو زندہ کرنا چاہیے۔

نیت کی برکت :

ارشاد فرمایا! مولانا روم فرماتے ہیں .... ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

کھانا پینا، سونا جاگنا وغیرہ نیت سے عبادت ہو جاتی ہے اور بلا نیت یا بہ نیت ریا وسمعہ نماز بھی عبادت نہیں رہتی۔ پھر آپ اس قدر غلط فہمی میں مبتلا کیوں ہیں؟ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا امْرِءٍ مَّا نَوٰی۔ (الحدیث) (اعمال کا دارومدار نیات پر ہے، اور بے شک ہر وہ کام جس کے لئے نیت کی جائے) کو بھول گئے؟، نیت کیجئے، حقوق پہنچانے کی نیت کیجئے، اپنے چلنے بیٹھنے، سونے جاگنے کو عبادت بنائیے، ہر کام میں رضائے باری تعالیٰ کو ملحوظ رکھیئے۔ (ملفوظات شیخ الاسلامؒ)

پابندیٔ شریعت :

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھام لیجئے۔ احکامِ شریعت کی پابندی کیجئے اور حقوق اللہ نیز حقوق العباد کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کیجئے۔

''ہم اگر اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے ہیں تو شرط یہ ہے کہ اسلام سے زیادہ سے زیادہ سے وابستہ ہوں اور داعیٔ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت کو زیادہ سے زیادہ مضبوطی سے تھام لیں۔

وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۔(اگر صاحبِ ایمان ہو گے تو تم ہی سر بلند رہو گے)

''اپنی اصلاح' اپنے قبیلے عشیرے کی اصلاح' بچوں اور نوجوانوں کی اخلاقی تربیت' احکامِ شریعت کی پابندی' زندگی کے ہر شعبے میں دین کی اطاعت' پڑوسیوں اور اہلِ شہر کے حقوق کی ادائیگی' خدمتِ خلق کے صحیح جذبات' حُبِ وطن کے فرائض کی انجام دہی' انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے آپ کے روشن مستقبل کی ضمانت' تعمیر ملّت کی بنیاد اور منزل کی کامیابی کی شاہراہیں ہیں''۔(خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماءِ شہر سورت ۱۹۵۶ء)

توّکل علی اللہ :

اللہ پر مکمل بھروسہ رکھو اور اسی کو مالکِ خیر و شر سمجھو :

''ہمارا مذہبی' ملی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ ہم خدائے واحد ہی کو تمام مشکلات کا حل کرنے والا اور کارسازِ حقیقی سمجھ کر پورے یقین اور اذعان کے ساتھ اس پر اعتبار کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور اس نصب العین کے لئے پورے استقلال اور استقامت کے ساتھ سرگرم جدوجہد ہو جائیں، اگر ہم نے یہ راہِ عمل اختیار کی تو نہ صرف دنیاوی کامیابیاں ہمارے قدم چومیں گی بلکہ عالمِ بالا کی روحانی شہادتیں ہمارے دماغی انتشار کو دور کر کے دنیا میں بھی ہمیں اطمینان وسکون کی زندگی کا موقع دیں گی اور آخرت میں بھی ہماری حیات پُرسکون اور پُرسرور ہوگی۔(انشاءاللہ)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ''۔(حم السجدۃ:۳۰)

(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردِگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی

بشارت سُن لو، جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو) (ایضاً) (حیدر آباد ۱۹۵۱ء)

دینی تعلیم :

کسی حالت میں مسلمان بچوں کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت سے غافل نہ ہو، ہر بستی میں، ہر محلہ میں، ہر مسجد میں اور ہر گھر میں دینی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم رکھو۔

''ضروری ہے کہ مسلمان قومی و دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا فرض پوری بیداری اور ذمہ داری کے ساتھ محسوس کریں اور صرف اپنے اعتماد پر ایسا ہمہ گیر نظام قائم کریں، جو اسلامی تعلیمات کی بقاء و حفاظت کا ذمہ دار ہو سکے اور جس وقت بچہ کے سادہ دل و دماغ پر سرکاری اسکولوں میں دنیاوی تعلیمات کے نقش کندہ کئے جائیں، اسی کے ساتھ اس نظام کے ماتحت مکاتب و مدارس میں اسلامی عقائد و اخلاق کے رنگ بھی بھرے جاتے رہیں''۔ (خطبۂ صدارت سورت ۱۹۵۶ء)

''اگر ہمارا ایک گھر تعلیم گاہ و تربیت گاہ نہ بن سکے تو کم از کم ہر مسجد تو تربیت گاہ ہونی چاہیئے''۔

''آخری شکل یہ ہے کہ ہم اپنے پرائیوٹ اسلامی مدارس و مکاتب کا جال پورے ہندوستان میں پھیلا دیں''۔ (ایضاً)

اولوالعزمی اور عالی ہمّتی :

عزم و ہمت اور حوصلہ بلند رکھو، دل شکستگی کو پاس نہ آنے دو۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرو، اگرچہ آج اقلیت بن کر رہ گئے ہو، مگر دنیا میں اقلیتوں کا مستقبل تاریک نہیں ہوا کرتا۔ ایمان اور بزدلی اور پست ہمتی ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتی۔

''یاس اور قنوطیّت مسلمان کے لئے حرام ہے۔ زندگی سعی پیہم کا نام ہے، اگر آپ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو میدانِ عمل میں اُتریئے اور جدوجہد میں پوری ہمت صَرف کر دیجئے، پست ہمتی اور بزدلی بدترین امراض ہیں، مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے، مگر بزدل

اور پست ہمت کبھی نہیں ہوسکتا۔ ایمان باللہ اور بزدلی ایک قلب میں جمع نہیں ہوسکتے۔ مشکلات سے گھبرا کر راہِ فرار اختیار کرنا زندہ قوموں کے نزدیک سب سے بڑا جرم اور ناموسِ ملت کے لئے سب سے بڑا ننگ و عار ہے۔

"قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا" . (الاحزاب:۱۶) (کہہ دیجئے کہ گو تم موت سے یا خوفِ قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اُٹھاؤ گے)

"ہم اسلامی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے جس قدر اس پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں گے، اسی قدر ہم وطنِ عزیز کے بہترین خادم، اس کے بہادر محافظ اور اہم ترین جز و ثابت ہوں گے۔ بے شک پاکستان بن جانے کے بعد مسلمان مجموعی طور پر اور صوبائی لحاظ سے بھی غیر مؤثر اقلیت بن گئے ہیں، لیکن کیا اقلیت کا مستقبل تاریک ہوتا ہے"۔ (خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء بمبئی ۱۹۴۸ء)

بزدلی سے بچو' مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرو :

بزدلی اور خوف کو اپنے دل سے نکال دو۔ آج تم دس کروڑ کی تعداد میں اس ملک کے باشندے ہو، بہادری کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کرو، کبھی فساد کی ابتدا نہ کرو، لیکن اگر کوئی تم پر حملہ کرے اور مجبور ہی ہو جاؤ تو ڈٹ کر مقابلہ کرو، قدم پیچھے نہ ہٹاؤ اور عزت کی موت مر جاؤ۔

"آج تم چار کروڑ کی تعداد میں اس ملک میں موجود ہو (آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش بیس کروڑ ہے) یو۔ پی میں تمہاری تعداد [illegible] ہے (آج کل یوپی میں ڈیڑھ کروڑ مسلمان ہیں) پھر بھی تمہارے خوف کا یہ عالم ہے کہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے ہو۔ آخر کہاں جا رہے ہو؟ کیا تم نے کوئی ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں موت تم کو پا نہیں سکتی، جُبن، بزدلی اور خوف کو اپنے دلوں سے نکال دو۔ اسلام اور بزدلی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے۔ صبر و استقلال کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کرو اور کبھی فساد کی ابتدا نہ کرو، اگر فسادی تم پر چڑھ کر آئیں تو ان کو سمجھاؤ، لیکن اگر وہ نہ مانیں اور کسی

طرح نہ مانیں تو پھر تم معذور ہو، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرو اور اس طرح مقابلہ کرو کہ فسادیوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ تمہاری تعداد خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو، مگر قدم پیچھے نہ ہٹاؤ اور اپنی غیرت وحرمت کی حفاظت کرتے ہوئے جان دے دو، یہ عزت و شہادت کی موت ہوگی"۔ (رسالہ پیغام آزادو مدنی)

شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے ارشادات وملفوظات، دردو محبت، جذب و مستی، اتباع سنت، فکرِ آخرت اور احترامِ شریعت کا نایاب مجموعہ ہیں۔ اللہ کرے ہم ان پر عمل پیرا ہوں .... ؎

☆ ☆ ☆

رؤیائے صالحہ اور کرامات

خواب انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ خواب مدارِ فضیلت و کرامت نہیں، تاہم نبوت کی باقیات میں سے ہے۔ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''ذهبت النبوة وبقيت المبشرات'' (یعنی نبوت تو ختم ہوگئی ہے، البتہ اس کے منامی مبشرات باقی ہیں) رویائے صالحہ کی عظمت و اہمیت کا واضح ثبوت ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کا تعلق ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔

اس عنوان کے تحت شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کے ان رؤیائے صالحہ کو یکجا کر دیا گیا ہے، جن کا تذکرہ آپؒ نے اپنی خود نوشت سوانح ''نقشِ حیات'' میں فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کی عظمت و مقام خوابوں سے بلند ہے۔ اللہ نے انہیں درس و تدریس، تحریر و تقریر اور خدمت و اشاعتِ دین کی جن توفیقات سے نوازا ہے، درحقیقت وہ بہت بڑی عظمت ہے، لیکن مبشرات کا بھی بہرحال دین میں ایک مقام ضرور ہے، جس سے انسان کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جب اسے ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَتَمَثَّلُ بِیْ''۔ (جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا) کی پیغمبر سند مل جائے تو وہ شریعت کی ایک حقیقت بن جاتا ہے۔

لیجئے ! حضرت مدنی ؒ کے منامی مبشرات ملاحظہ فرماویں۔

حضورِ اقدس ﷺ کے قدموں میں :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ "نقشِ حیات میں تحریر فرماتے ہیں :

۱) مکّہ معظمہ سے روانہ ہونے کے بعد چوتھے روز جب قضیمہ سے رابغ کو قافلہ جارہا تھا۔ رات کو اونٹ پر سوتے ہوئے خواب میں دیکھا کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں۔ میں قدموں میں گر گیا۔ آپؐ نے میرا سر اُٹھا کر فرمایا، کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا جو کتابیں پڑھ چکا ہوں، وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں، اُن کو سمجھنے کی قوت ہو جائے تو فرمایا، تجھ کو دے دیا۔

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں :

بہرحال مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً میں سلسلہ رؤیائے صالحہ وغیرہ بکثرت جاری رہا، مگر اس وقت لکھنے اور ضبط کرنے کا خیال نہیں ہوا۔ خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، اولیاءِ عظامؒ، ائمہ فخام اور جناب باری عزّ اسمہٗ کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ قلمبند کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے بلا ترتیبِ زمانہ جس قدر یاد ہے، لکھتا ہوں۔

آپؐ کے ہاتھوں سے تخمِ کدو دامن میں لینے کی سعادت :

۲) ایک مرتبہ دیکھا کہ آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف کے شمالی دروازہ باب مجیدی کے باہر بجانب شمال منہ کئے ہوئے (قبلہ مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کا بجانب جنوب ہے) مسجد سے نکل کر کھڑے ہیں اور آپؐ کے لپ (دونوں ہاتھوں کا مجموعہ) میں میٹھے کدو (جس کو کہنڑا اور عرب میں دبائے رومی کہتے ہیں) کے بیج بھرے ہوئے ہیں۔ میں سامنے سے حاضر ہوا، جب میں قریب پہنچا تو آپؐ نے لپ کو نیچے سے کھول دیا، کچھ بیج گرے تو میں نے دامن میں لے لئے، اُن کی مقدار تقریباً تیس عدد تھی۔

اتباعِ سنت کی تعبیر :

۳) دیکھا کہ مسجد شریف میں منبر شریف کے سامنے مکبّریہ کے نیچے لیٹا ہوں اور مجھ پر سبز شال پڑی ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ تیرے قدم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے قدم جیسے ہیں۔ ان کی تعبیر حضرت گنگوہیؒ نے اتباعِ سنت سے دی ہے۔

۴) دیکھا کہ ایک جگہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھلی ہوئی ہے۔ میں نے

دیکھا کہ لاش مبارک سفید کفن میں قبر کے پاس باہر ہے۔ کفن کھلا ہوا ہے، چہرۂ مبارک نہایت تروتازہ گورا گورا اور تمام جسم مبارک بھی تروتازہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چت سو رہے ہیں۔

(۵) دیکھا کہ روضۂ مطہرہ (وہ حجرۂ مطہرہ جس میں قبر مبارک ہے) کی جنوبی دیوار کی جڑ میں ایک پختہ خندق تقریباً ڈیڑھ دو ہاتھ گہری اور کئی گز لمبی بنی ہوئی ہے، جس کی لمبائی دیوار کی جڑ سے متصل سر مبارک کی طرف سے پاؤں کی طرف کو چلی گئی ہے اور کچھ لوگ کھڑے ہو کر لمبی جھاڑو سے اس میں جھاڑو دے رہے ہیں۔ میں ایسی ہی لمبی جھاڑو لے کر پہنچا تو وہ لوگ ہٹ گئے۔ میں نے تمام خندق میں جھاڑو دی اور پانی ڈال کر پانی کو جھاڑو ہی سے صاف کیا۔ میں جھاڑو سے پانی کو صاف کرتا ہوں اور صاف کردہ جگہ میں پانی خشک ہوتا جاتا ہے، پھر دیکھتا ہوں کہ اُس میں رومی قالین خوش رنگ بچھ گئے ہیں۔ خندق کے آگے (بجانب قبلہ شریف) کی طرف چہرہ کئے ہوئے کچھ لوگ تلاوتِ قرآن شریف میں مشغول ہیں۔

علم سمیت چار چیزوں کا عطیہ :

(۶) دیکھا کہ باب السلام سے (مسجد نبوی کا سب سے بڑا دروازہ جو بجانب مغرب واقع ہے) مسجد میں داخل ہوا اور حجرۂ مطہرہ کی طرف جا رہا ہوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک پر ایک کرسی پر رونق افروز ہیں، قبلہ کی طرف آپ کا چہرۂ مبارک ہے۔ میں داہنی جانب سے حاضر ہوا۔ جب میں بالکل قریب پہنچا، تو آپؐ نے مجھ کو چار چیزیں عطا فرمائیں۔ اُن میں سے ایک علم ہے۔ باقی تین اشیاء کو نہیں جانتا کہ کیا تھیں۔ اس کے بعد میں کرسی کے پیچھے سے ہوتا ہوا ایک باغ میں (جو کہ بجانبِ قبلہ آنحضرت علیہ السلام کے آگے تقریباً دس بارہ گز دوری پر واقع ہے) داخل ہوا، اس میں میوہ دار درخت ہیں، جن کی اونچائی قدِ آدم سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ ہے۔ ان درختوں کے پتے سیب کے پتوں جیسے ہیں، اور ان میں پھل کالے کالے لگے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ان درختوں سے پھل چُن چُن کر کھا رہے ہیں۔ میں نے بھی ان سیاہ پھلوں کو توڑ کر کھایا۔ مقدار میں یہ پھل چھوٹے انجیر کے برابر تھے، مگر اُن کا مزہ ان موجودہ پھلوں سے سب سے علیحدہ اور اس قدر لذیذ تھا کہ اس قدر لذیذ پھل میں نے کبھی نہیں کھائے۔ اس کے بعد میں نے ایک درخت اُسی باغ میں بڑے شہتوت کا دیکھا، جس میں شہتوت لگے ہوئے ہیں، جن میں پکے ہوئے پھل زرد رنگ کے ہیں، میں نے ان سے پکے ہوئے شہتوت توڑے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کسی قدر ناساز ہے۔ یہ

شہوت آپؐ کے واسطے لئے جارہاہوں۔

(نوٹ: میں نے اس خواب کو حضرت شیخ الہندؒ سے ذکر کیا اور عرض کیا کہ حضرتؒ! معلوم نہیں کہ ان چار چیزوں میں سے جو کہ مجھ کو عطا فرمائیں، علاوہ علم کے باقی تین کیا تھیں، تو حضرتؒ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ملے وہ خیر ہی ہے)۔

ہاں! اے حبیب! رخ سے ہٹادو نقاب کو :

۷) ایک روز ایک کتاب میں اشعار دیکھ رہا تھا، اُس میں ایک مصرعہ تھا ......

ع ہاں اے حبیب ! رُخ سے ہٹادو نقاب کو

یہ اُس وقت بہت بھلا معلوم ہوا۔ میں مسجد شریف میں حاضر ہوا، اور مواجہ شریف میں بعد ادائے آداب وکلماتِ مشروعہ انہی الفاظ کو پڑھنا اور شوقِ دیدار میں رونا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی، جس پر یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھ میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ حجاب دیواروں اور جالیوں وغیرہ کا حائل نہیں ہے اور آپ ﷺ کرسی پر سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کا چہرۂ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔

۸) جبکہ میں کراچی سے گنگوہ شریف کے قصد سے سفر کر رہا تھا اور گاڑی ملتان کے قریب چل رہی تھی، خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور ہر دو صاحبان کے ہاتھ ایک کے دوسرے سے تشبیک کئے ہوئے ہیں۔ (یعنی ہاتھوں کی انگلیاں باہم دگر پیوستہ ہیں)

۹) میں نے خواب میں امام جلال الدین سیوطیؒ کو دیکھا تو اُن سے دونوں ہاتھ ملاکر بیعت کی اور یہ الفاظ کہے : ابا یعک علی ما بایعت به النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔

ائمہ مذاہبِ اربعہ کی دعا :

۱۰) دیکھا کوئی شخص کہتا ہے کہ ائمہ مذاہبِ اربعہ یا کہا کہ ائمہ طُرقِ اربعہ تیرے لئے دعا کرتے ہیں، کیونکہ تو اثناءِ درس میں جب کسی کا ذکر آتا ہے، تو اُن کے لئے رحمہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے یا کہا کہ دعا کرتا ہے اور میں نے خواب ہی میں دیکھا کہ کچھ لوگ مختلف مقامات پر گردوپیش بیٹھے ہوئے ہاتھ اُٹھائے دعا کر رہے ہیں۔

نوٹ :۔ میں نے اپنی عادت ہمیشہ سے یہ کر رکھی تھی کہ جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آئے تو علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام یا علیہ السلام کہوں اور اگر کسی صحابی کا نام تنہا آئے تو رضی اللہ عنہ کہوں اور اگر سندِ حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آئے تو رضی اللہ عنہ وعنہم کہوں اور اگر ائمہ مذاہب اور علماء واولیاءِ سلف کا نام آئے تو رحمہم اللہ تعالیٰ کہوں، خواہ اپنے مذہب کے ہوں یا شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ ہوں، بشرطیکہ اہل سنت والجماعت ہوں۔

۱۱) خواجہ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ کرسی پر رونق افروز ہیں۔ میں حاضر ہوا تو ایک کھجور کا تہائی حصہ مجھے عطا فرما کر کہا کہ باقی دو حصے اور مشائخ کے ذریعہ سے پہنچائے جائیں گے۔

۱۲) دیکھا کہ گیارہ بارہ اولیاء اللہ کبار مشائخ میں سے تشریف لائے ہیں اور سب نے اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔

۱۳) دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے اور اُس میں آسمان سے معلّق ڈول لٹک رہے ہیں۔ جن کے وہ تار جن سے آسمان تک اُن کا علاقہ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں اور وہ ڈول برابر یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور میں ڈولوں کو الٹتا ہوں، تو مٹھائی زمین پر اقسام مختلفہ کی ڈھیر ہو جاتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت بڑا ڈھیر مٹھائی کا ہو گیا ہے اور لوگ اس کو وہاں کھا رہے ہیں۔

امامِ زمان :

۱۴) اس زمانہ میں (جبکہ خواب دیکھا ہے) التزام کرتا تھا کہ باوضو سویا کروں، چنانچہ باوضو شب کو چھت پر سویا تھا اور یہ مکان بقیع شریف اور حجرۂ مطہرہ کے تقریباً درمیان میں واقع تھا۔ نصف شب کے پہلے دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھ کو امام زمان اور افسر جج بنائیں گے۔ میں نے اس خواب کو شرم کی وجہ سے نہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز سے اور نہ حضرت شیخ الہندؒ سے ذکر کیا۔ اور اسی طرح والد صاحب مرحوم اور بھائی صاحب بلکہ غالباً سوائے حکیم فرزند علی صاحب مرحوم دہلوی (مہاجر مدینہ منورہ) کسی سے بھی ابھی تک ذکر نہیں کیا۔

باری تعالیٰ کا جلوۂ جہاں آرا :

۱۵) دیکھا ایک بہت بڑا درخت ہے، جس کی ٹہنیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی سایہ فگن ہیں۔ اس

درخت کی سب سے فوقانی سطح پر سمجھ رہا ہوں کہ جناب باری عزّ اسمہٗ جلوہ فرما ہیں۔ ہیبت وجلال بے حد محسوس کررہا ہوں اور کچھ اوپر سے ارشاد ہورہا ہے (جس کی پوری تفصیل یاد نہیں رہی)۔

نسبت عثمانی :

۱۶) ایک روز مسجد نبویؐ کے اگلے حصہ کی محراب میں (جس کو محرابِ عثمانی کہا جاتا ہے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے وقت کھڑے ہوتے تھے) ذکر کررہا تھا کہ نیند آ گئی۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ اُن کو بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوتا ہے کہ تم فنا ہو جاؤ، اُنہوں نے ایک بُرش پر جو کہ مثل اُلٹے طشت کے ہے، اپنا سر فنا ہونے کے لئے رکھ دیا۔ اس خواب کو گنگوہ شریف لکھا، تو جواب آیا کہ تیری نسبت عثمانی ہے اور اسی وجہ سے تو لوگوں سے حیاء کی بناء پر مسجد شریف چھوڑ کر ذکر کے لئے جاتا ہے۔

حضور اقدسؐ اور حضرت گنگوہیؒ کے درمیان :

۱۷) ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں مسجد شریف میں چارزانو بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز بائیں جانب تشریف فرما ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے تشریف لائے اور آپؐ کے دست مبارک میں کوئی کتاب ہے۔

نوٹ :- چونکہ عادت یہ تھی کہ اگر کوئی تکلیف یا مصیبت آنے والی ہوتی تھی، تو اس قسم کا کوئی خواب دیکھتا تھا، جس میں بجز معیت وامداد اور کوئی امر مفہوم نہیں ہوتا تھا، تو مجھ کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ وہ کونسی صعوبت ہے جس کے دفعیہ کے لئے ہر دو مقدس آقا تشریف ارزانی اور امداد فرما رہے ہیں۔ دو ہی چار روز گذرے تھے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی آئے اور انہوں نے وہ عظیم الشان فتنہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ اور ہم سبھوں کے متعلق اُٹھایا کہ الامان والحفیظ، مگر بفضلہٖ تعالیٰ وہ اور اُن کی جماعت اس فتنہ میں جو کہ ہم سبھوں کے متعلق تھا، کامیاب نہیں ہوئے، اگرچہ اس کا اثر دیر تک کچھ نہ کچھ رہا۔

۱۸) احمد آباد جیل میں خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اوپر سے کہہ رہا ہے کہ جو رحمتِ خداوندی حضرت شیخ الہندؒ کی طرف دنیا میں متوجہ کی گئی تھی، وہ اب تیری طرف پھیر دی گئی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری :

۱۹) ایک مرتبہ ایک خواب بہت مفصل دیکھا، جس میں سے اس قدر یاد ہے کہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرتؒ بہت زیادہ الطاف فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضرتؒ! مجھ کو اپنے ضمن میں لے لیجئے۔ غالباً حضرتؒ نے قبول فرمالیا اور پھر اسی خواب میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں بھی شرفِ حاضری حاصل ہونا دیکھا۔

درود وسلام سے مسئلہ حل ہوگیا :

۲۰) ایک مرتبہ ہدایہ اخیرین میں ایک مسئلہ ایسا آ گیا کہ بہت غور وفکر اور حواشی وشروح کے مطالعہ سے بھی حل نہ ہوسکا، سخت عاجز ہوکر حجرۂ مطہرہ نبویہ پر حاضر ہوا اور بعد سلام ودرود عرض کیا، تھوڑی ہی دیر میں سمجھ میں آ گیا۔

ثمرۂ مقصود ہاتھ آئے گا :

۲۱) (گنگوہ شریف میں) عصر کے بعد خدمت (حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) میں قریب بیٹھ کر مشغولیت مراقبہ سے مجھ کو نہایت قوی اور بہت زیادہ فائدہ ہوتا تھا۔ چند دنوں کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی میدان میں وہ گولر جو صحنِ حجرہ میں تھا اور اس کے سایہ میں حضرتؒ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے، کھڑا ہے اور اس میں گولر پکے ہوئے لگے ہیں کچھ لوگ ڈھیلے پھینک رہے ہیں، تاکہ پکا ہوا گولر حاصل کریں۔ میں نے بھی یہی کوشش کی، مگر کوئی گولر ہاتھ نہیں آیا۔ یکا یک دیکھا کہ ایک پکا ہوا گولر مع اس ٹہنی کے جس میں وہ لٹک رہا تھا، خود بخود ٹوٹا اور لٹکتا ہوا نیچے اُترتا ہوا آہستہ آہستہ میرے پاس آ گیا اور میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس خواب کو میں نے حضرتؒ سے ذکر کیا فرمایا کہ ثمرۂ مقصود ہاتھ آئے گا۔

دستارِ خلافت :

ایک روز عشاء کے بعد دوسرے خدام کے ساتھ میں بھی حضرتؒ کا بدن دبا رہا تھا میں پشت کی طرف تھا، دباتے دباتے آنکھ جھپک گئی، تو دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ چالیس (۴۰) دن گذرنے کے بعد مقصود حاصل ہوگا۔ اس تاریخ کے ٹھیک چالیس دن گذرنے پر عصر کے بعد حضرتؒ نے بھائی

صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ۔ بھائی صاحب لے آئے۔ حضرتؒ نے ہر ایک کے سر پر اُس کا عمامہ باندھا، جس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرے سر پر عمامہ باندھ رہے تھے، مجھ پر زوردار گریہ طاری تھا اور اپنی کم مائیگی اور خجالت کا شدید احساس تھا۔ اس کے بعد بھائی صاحب سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیسی دستار ہے، بھائی صاحب نے عرض کیا کہ دستارِ فضیلت ہے۔ فرمایا کہ نہیں دستارِ خلافت ہے، میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔

روحانی امداد :

(۲۲) ایک مرتبہ برقی کیفیت کے انوار پیش آئے، حضرتؒ سے ذکر کیا تو وہ کیفیت بھی جاتی رہی۔ ہاں یہ بہت پیش آیا کہ اپنے سامنے بدر یا تیز روشنی کی شمع یا دائیں جانب ایک ایک یا دو دو شمع بین النوم والیقظہ دیکھتا تھا، جس کی تعبیر ظاہر ہے۔ یہ حالت مدینہ منورہ میں بھی اور بعد میں احمد آباد جیل وغیرہ میں بھی کبھی کبھی رہتی تھی، جس سے حضرتؒ مرشد قدس سرہ العزیز اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی امداد معلوم ہوتی ہے۔ (ماخوذ از نقشِ حیات ص ۱۰۷ تا ۱۱۴)

. انبیاء کے معجزات اور اولیاء اللہ کے کرامات سے کسی کو انکار نہیں۔ کشف و کرامات بجائے خود مقصود نہیں، البتہ تائید ایزدی کا ایک مؤثر ہتھیار ضرور ہیں۔ اصل چیز اور سب سے بڑی کرامت استقامت علی الدّین ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی زندگی میں بعض کرامات کو حضرت مدنیؒ کے متعلقین، تلامذہ، احباب اور مریدین نے دیکھا، لکھا اور مشاہدہ کیا اور اپنے نورِ ایمان میں اضافہ کیا۔ انفاسِ قدسیہ میں ایک روایت دیکھی، لیجئے! آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

علم سے محرومی :

ایک مرتبہ چند طلباء نے دفترِ اہتمام کے سامنے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور اُن لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ آپ لوگ یہ طریقہ اختیار نہ کریں۔ ہم آپ لوگوں کے مطالبے کو پورا کریں گے، لیکن ان حضرات نے بھوک ہڑتال جاری رکھی۔ ان بھوک ہڑتالی سلبھٹی طلباء کی قیادت دو پنجابی طالب علم کر رہے تھے اور جوشِ حماقت میں یہاں تک کہہ گئے کہ ہم دارالعلوم کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ بہرحال معاملہ کسی طرح رفع دفع ہو گیا اور ہڑتال ختم ہونے کے بعد دارالحدیث میں حضرت مدنیؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"مجھے اس تحریک میں حصہ لینے والوں سے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ میں اُن کے حق میں بد دعا تو نہیں کرتا۔ ہاں ان لوگوں نے اچھا نہیں کیا"۔

مختصر یہ کہ اس تحریک میں حصہ لینے والے آج بھی حیات ہیں، لیکن نام نہاد مولوی ہونے کے باوجود علم سے یکسر محروم ہیں"۔(انفاسِ قدسیہ)

طلبہ حادثہ سے محفوظ رہے :

مولانا اسحاق صاحب دولت پوری فرماتے ہیں :

ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ برہمن باڑی کے مدرسہ میں تشریف لائے۔ واپسی کے موقعہ پر مدرسہ کے طلبہ آپ کے ساتھ اکھاواڑا جنکشن تک گئے اور جب حضرتؒ کو چاند پور جانے والی گاڑی میں سوار کر کے رخصت ہونے لگے تو آپ نے طلبہ سے فرمایا کہ :

"دیکھو برہمن باڑی جاتے ہوئے گاڑی کے سب سے آخری ڈبے میں ہرگز نہ بیٹھنا، انجن ہی کے قریب کسی بوگی میں سوار ہو جانا اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ طلبہ نے حضرتؒ کی نصیحت پر عمل کیا اور جب وہ برہمن باڑی کے طرف روانہ ہو گئے تو اثنائے سفر میں ٹرین کے تین آخری ڈبوں کو حادثہ پیش آ گیا، کافی مسافر زخمی ہو گئے، لیکن طلبہ بالکل محفوظ رہے"۔

ٹرین واپس آ گئی :

حضرت مولانا لطف الرحمٰن برنویؒ راوی ہیں :

شیخ اسلام حضرت مدنیؒ ایک مرتبہ سلہٹ سے دیوبند کے لئے مراجعت فرما رہے تھے۔ سلہٹ اسٹیشن پر مغرب کا وقت ہو گیا۔ گاڑی روانہ ہونے والی تھی، مگر حضرتؒ نے جماعت کے ساتھ نمازِ مغرب شروع فرما دی۔ ابھی آپ نماز سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ٹرین روانہ ہو گئی۔ تمام لوگ پریشان تھے، لیکن حضرتؒ نے انتہائی اطمینان و سکون کے ساتھ نماز پوری فرمائی۔ ٹرین کافی دور تک جا چکی تھی کہ اچانک لوگوں نے دیکھا، وہ واپس آ رہی ہے۔ خدا جانے انجن میں کیا خرابی پیدا ہو گئی تھی کہ اُسے دوبارہ پلیٹ فارم پر آنا پڑا اور تمام حضرات ٹرین میں سوار ہو گئے۔

ازالۂ مرض کا عجیب واقعہ :

مولانا امان اللہ صاحب کریم گنجیؒ مجاز حضرت شیخ الاسلامؒ اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میرا منہ لقوہ سے اس طرح متاثر تھا کہ میں گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ کافی علاج معالجہ کے بعد بھی حصولِ مقصد میں ناکام رہا۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر کے پاس جا رہا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ حضرتؒ سلہٹ میں مقیم ہیں، کیوں نہ آپ سے دعا کی درخواست کی جائے، چنانچہ اسی وقت مسجد نئی سڑک پہنچ گیا اور درخواست پیش کرنے کے مقررہ وقت پر میں نے بھی اپنا عریضہ پیش کیا۔ حضرتؒ نے دیگر تمام عریضہ گذاروں کو تو یاد فرمالیا، لیکن میری درخواست کے بارے میں کچھ نہ فرمایا۔ مجھے بے حد پریشانی لاحق ہوئی، دوستوں سے اپنا اضطراب بیان کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ تراویح کے بعد جب حضرتؒ حجرے میں آرام کی غرض سے تشریف لے جائیں، اُس وقت میں وہاں پہنچ جاؤں۔ میں اُن کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے کمرے میں حاضر ہو گیا اور سلام عرض کیا۔ حضرتؒ بیدار تھے، مگر مجھ سے گفتگو نہ فرمائی بلکہ چادر اوڑھ لی۔ میرا بُرا حال ہوا۔ تمام رات گریہ وزاری میں گذر گئی اور نمازِ فجر میں نے حضرتؒ کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد حضرتؒ نے خود ہی فرمایا کہ مولانا امان اللہ صاحب کریم گنجیؒ کہاں ہیں۔ میں نے فوراً سامنے حاضر ہو کر سلام کیا۔ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا ہوا؟ اور جب میں نے جواب دینے کی کوشش کی تو یکلخت محسوس ہوا کہ زبان حسبِ سابق صحت مند ہے اور میں بسہولت گفتگو کرنے لگا۔

اپنے شیوخ واساتذہ سے کئی بار سُنا کہ کفش بر سر کشف (کشف وکرامات کے سر پر جوتے) یعنی صوفیاء کے نزدیک کرامت سے زیادہ استقامت معتبر ہے۔ ہاں ولی کی کرامت بسا اوقات اس کی ولایت کی سند ضرور بن جاتی ہے۔ ہر عجیب بات جو کسی سے ظاہر ہو کرامت نہیں ہوا کرتی، بلکہ کرامت کا اطلاق صرف اس خرقِ عادت پر ہوتا ہے، جو کسی کامل متبعِ شریعت سے ظاہر ہو۔ حضرت مدنیؒ متبع شریعت بزرگ تھے۔ اس لئے اُن سے کئی کرامات کا صدور ہوتا رہا۔ یہ واقعات خرقِ عادت ہیں اور حضرتؒ کی کرامات کی قبیل سے ہیں۔

مار گزیدہ کی شفایابی :

ایک مرتبہ جبکہ حضرت مدنیؒ سلہٹ میں قیام فرما تھے۔ رات کے وقت کچھ مشتاقِ زیارت

حضرات نئی سڑک کی مسجد آ رہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص کو راستے میں سانپ نے ڈس لیا اور وہ بیہوش ہو گیا۔ لوگ انہیں اُٹھا کر مسجد میں لائے اور حوض کے کنارے لٹا دیا۔ حضرتؒ کو خبر ہوئی تو آپ فوراً تشریف لائے، لوگوں کو وہاں سے دور ہٹا دیا اور چھڑی سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا، وہ شخص فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا اور زہر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔

ٹرین منتظر رہی :

مولانا سلطان الحقؒ فرماتے ہیں :

ایک دفعہ میں حضرتؒ کو دیوبند اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے جا رہا تھا، جب تانگہ تحصیل کے سامنے پہنچا تو اسٹیشن سے تانگے مسافروں کو لئے ہوئے واپس ہو رہے تھے۔ (سٹیشن اس جگہ سے تقریباً پون میل کے فاصلہ پر ہے) میں نے تانگہ والے سے کہا کہ تانگہ واپس کر لو! حضرتؒ نے فرمایا کہ: نہیں! سٹیشن چلو! میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ! گاڑی کو آئے ہوئے اتنی دیر ہو گئی ہے، کہ تانگے سواریاں لے کر یہاں تک آ گئے ہیں۔ فرمایا: اپنی سی کوشش تو کرنی چاہیے۔ میں خاموش ہو گیا اور دل میں سوچتا رہا کہ اس سے کیا فائدہ؟ مگر جب تانگہ اسٹیشن پہنچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی بہت دیر سے کھڑی ہے۔ بڑا تعجب ہوا۔ حضرتؒ نے ٹکٹ لیا، اطمینان سے سوار ہوئے گاڑی چھوٹ گئی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ انجن ہی میں کوئی بات پیدا ہو گئی تھی۔ حضرتؒ کا یہ سفر بہت ضروری تھا۔

ایک مسافر بس کا دلچسپ واقعہ :

مولانا رحیم الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مظفر نگر سے بذریعہ لاری کھتولی جا رہا تھا۔ اس میں حضرتؒ بھی تشریف فرما تھے۔ لاری میں چوبیس سیٹیں تھیں، لیکن سواریاں چھتیس تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جگہ پولیس نے گاڑی روک لی۔ ڈرائیور نے کہا بھی کہ اب جانے دیجئے، مگر پولیس والے نے اصرار کیا کہ جب تک گاڑی چیک نہ کر لوں جانے نہ دوں گا، کیونکہ گاڑی میں سواریاں مقررہ تعداد سے زیادہ ہیں۔ بہر حال وہ اندر آیا اور اُس نے سواریوں کو شمار کیا تو چوبیس ہی سواریوں کی تعداد پوری ہوئی۔ غرضیکہ ہر طرف سے اُس نے شمار کیا، لیکن سواریوں کی تعداد چوبیس سے زیادہ گنتی میں نہ آ سکیں۔ حالانکہ مسافر چھتیس ہی تھے۔ بالآخر تھک ہار کر اُس نے گاڑی کو چھوڑ دیا۔

چارپائی سے ذکر کی آواز :

مولوی عبدالباری صاحب نبی گنجی ہیڈ ماسٹر جے کے سکول فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلامؒ کریم گنج تشریف لائے ہوئے تھے۔ ملاقات کی غرض سے میں بھی وہاں گیا حُسنِ اتفاق سے اسی دن بدپور میں جلسہ تھا۔ خاکسار وہاں بھی پہنچا، مدرسہ کے صحن میں ایک چھوٹی سی چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ میں اس پر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر گذری تھی کہ محسوس ہوا کہ ذکر کی آواز آ رہی ہے، ساتھ ہی چارپائی میں ارتعاش پیدا ہوا، مجھ پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوئی اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ میں نے تفتیش کی تو پتہ چلا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس چارپائی پر بیٹھ کر وضو فرمایا ہے اور یہ چارپائی اسی غرض سے رکھی گئی ہے۔ مولوی عبدالباری صاحبؒ نے یہ واقعہ مولانا برنویؒ سے بیان کیا، جب کہ آپ اعتکاف میں تھے۔

اَبر کا ٹکڑا :

حضرت مولانا سید حمید الدینؒ شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ تحریر فرماتے ہیں :

مجھ سے ریاست علی خان صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت مدنیؒ اور میاں سید بشیر الدین صاحبؒ حضرت مدنیؒ کے سُسرال قتال پور ضلع اعظم گڑھ جا رہے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے اور گرمی کی شدت سے پریشان تھے۔ میں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کی کہ حضرتؒ! دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے۔ حضرت مدنیؒ خاموش رہے۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا اور بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فگن ہو گیا اور نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی برستا ہوا آ رہا ہے۔ میں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کیا کہ وہ دھوپ ہی اچھی تھی، اب تو بھیگتے ہوئے سُسرال پہنچیں گے۔ حضرتؒ پھر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ پانی سر پر آ گیا، لیکن خدا کی قدرت ہر چہار طرف پانی برس رہا تھا، گھوڑے پانی میں چل رہے تھے، لیکن ہم لوگوں پر پانی کا کوئی قطرہ نہیں پڑ رہا تھا، چونکہ خان صاحبؒ نے سید بشیر الدین صاحبؒ کے ساتھ ہونے کا تذکرہ فرمایا تھا۔ اس لئے میں نے ان سے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی تصدیق فرمائی۔

اولیاءِ کرام پاکیزہ نفس، پاکیزہ صفات اور پاکیزہ اخلاق کے مالک ہوتے ہیں۔ نبی کی اتباع کرتے کرتے وہ بھی اُن انعامات کے حقدار ٹھہرتے ہیں، جن سے اللہ اپنے نبیوں کو نوازا کرتا ہے۔

سیرت کی کتابوں میں یہ واقعات تواتر سے ملتے ہیں کہ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم گرمی میں چلتے تو بادل کے ٹکڑے ان پر سایہ کئے ہوتے۔ حضرت مدنیؒ سنت نبوی کا پرتو اور نمونہ تھے۔ اس لئے وہ بھی ان انعامات کے مستحق ہوئے ......

جب ہم چلیں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو زمین چلے آسماں چلے

کھانے میں حیرت انگیز برکت :

حاجی احمد حسن صاحبؒ (مکھیا) دیوبند بیان کرتے ہیں کہ :

ایک مرتبہ دیوبند میں (سیاسی) کانفرنس تھی۔ اس موقعہ پر میں نے پچاس مہمانوں کو مدعو کیا۔ ان میں سے پچیس (۲۵) مہمان کانفرنس کے تھے اور پچیس حضرت شیخ الاسلامؒ کے مہمان تھے۔ مختصر یہ کہ میں نے پچاس افراد کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ جب کھانا تیار ہوگیا، تو مولانا عثمان صاحبؒ نے مولانا سلطان الحق صاحبؒ سے کہا کہ جاؤ! حضرتؒ کو بلا کر لے آؤ۔ مولانا سلطان الحق صاحبؒ حضرتؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، لیکن وہاں سے واپس آ کر مولانا عثمان صاحبؒ سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کہی اور مولانا عثمان صاحب نے مجھ سے کہا کہ مولانا تمہارے ہی بلائے آئیں گے، تم خود چلے جاؤ۔ یہ سن کر میں حضرتؒ کے مکان پر پہنچ گیا۔ آپؒ تیار ہوکر پہلے ہی باہر آ چکے تھے۔ آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ سب مہمان چلے آئیں۔ تمام مہمان چلے آئے۔ جن کی تعداد تین اور چار سو کے درمیان تھی۔ مہمانوں کو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ بھائی اسعد صاحب نے مجھے پریشان دیکھ کر سبب معلوم کیا، تو میں نے صاف بات ظاہر کردی کہ میں نے صرف پچاس ساٹھ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا ہے اور مہمانوں کی تعداد آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ وقت اس قدر تنگ ہے کہ مزید انتظام کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ بھائی اسعد صاحب نے مشورہ دیا کہ یہ صورتِ حال تم خود جا کر حضرتؒ سے بیان کردو۔

میں نے جا کر حضرتؒ سے عرض کر دیا کہ اس وقت کھانا کم تیار ہے اور مہمان بہت زیادہ ہیں۔ اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ سُن کر حضرتؒ کھانے کے پاس تشریف لائے۔ روٹی کا ٹوکرا، پلاؤ کی دیگ کے پاس ہی رکھوایا اور دیر تک کچھ پڑھنے کے بعد کھانے پر دم کردیا اور فرمایا کہ کھانا کھلانا شروع کرو اور کھانا نکالنے کے بعد دیگ کو بند کردیا کرنا اور ہاں میرے لئے ایک چارپائی منگادو، میں (یہیں)

لیٹ جاؤں گا، چنانچہ فوراً چارپائی بچھادی گئی اور آپؒ اس پر لیٹ گئے۔ مہمانوں نے کھانا شروع کر دیا، جب تین محفلیں کھانا کھا کر فارغ ہو گئیں تو چوتھی اور آخری محفل میں حضرتؒ بھی شریک ہوئے۔ جب آخری محفل بھی اُٹھ گئی تو ہم منتظمین نے اطمینان کا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھانے میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت عطا فرمائی کہ تقریباً چار سو آدمی شکم سیر ہو گئے۔ بہرحال مہمانوں کے جانے کے بعد ہم چند آدمی رہ گئے اور خیال تھا کہ چاولوں کا تو نام ونشان بھی نہ ہوگا۔ البتہ روٹیاں کافی بچ گئی ہیں۔ اسی پر اکتفا کر لیں گے، مگر جب میں دیگ کے قریب گیا اور اُس کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں چاول اس قدر موجود تھے، جسے ہم سب مل کر کھا سکیں۔

روزۂ مطہرہ سے آپ کو سلام کا جواب ملا :

مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتحپوری (دہلی) تحریر فرماتے ہیں :

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحبؒ انبیٹھوی مرحوم مفتی مالیر کوٹلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے ہمعصر تھے، جن کو خدا نے علم ظاہری کے ساتھ تقویٰ اور طہارتِ باطنی کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ صاحبِ سلسلہ بزرگ تھے اور تقریباً سو سال کی عمر میں اب (۱۹۵۷ء) سے تقریباً پندرہ سال قبل عالمِ آخرت کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ اس خادم کو مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل تھا، جب کبھی دہلی تشریف فرما ہوتے، اکثر و بیشتر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تھی، چونکہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بھی اس خادم کو شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اس تعلق کے لحاظ سے مرحوم سے اثنائے ملاقات حضرت مدنیؒ کا بھی ذکر آجایا کرتا تھا۔ ایک ملاقات میں مرحوم نے فرمایا کہ :

> ''ایک بار زیارتِ بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربارِ رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا، تو دربارِ رسالت سے ''وعلیکم السلام یاولدی'' کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا''۔

مولانا مرحوم نے فرمایا، اس واقعہ کو سن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی ہے۔ دل تڑپ اٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی،

تا کہ اس محبوبِ بارگاہِ رسالت کی زیارت سے مشرف ہوسکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کرلوں۔

تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنی ؒ کا فرزند ارجمند تھا۔ مرحوم نے فرمایا کہ سید صاحب سے ایک گونہ تعارف و تعلق بھی تھا۔ گھر پر پہنچا، ملاقات کی۔ اپنے اس دوست کے سعادتمند سپوت ہندی نوجوان کو ساتھ لے کر گوشۂ تنہائی میں چلا گیا۔ اپنی طلب و جستجو کا راز بتایا اور واقعہ کی تصدیق کی۔ ابتداءً خاموشی اختیار کی، لیکن اصرار کے بعد کہا، ''بے شک جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے''۔ یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد مولاناؒ نے فرمایا: سمجھے؟ یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہی تمہارے استاد مولانا حسین احمدؒ !!!

حضرت مدنیؒ کی جدائی سے پھول بھی کملا گئے :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے داماد حضرت مولانا رشید الدین صاحبؒ راوی ہیں :

دار العلوم کے ایک طالب علم نے حضرتؒ کی خدمت میں چمپا کے پھول پیش کئے' بوتل میں پانی بھر کر پھول اس میں ڈال دیئے گئے۔ اس طرح چمپا کے پھول چار ماہ بھی پژمردہ نہیں ہوتے اور خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرتؒ نے اس ہدیہ کو مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور حکم دیا کہ یہ بوتل ان کے کمرے میں میز پر رکھ دی جائے۔ یہ پھول بجائے چار ماہ پورے تین سال تین مہینے تروتازہ رہے، لیکن ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کے حادثۂ جانکاہ یعنی وفاتِ شیخ کی وہ بھی تاب نہ لا سکے اور اُن کی تازگی دفعۃً پژمردگی سے تبدیل ہوگئی۔ سارے پھول اس طرح سیاہ ہوگئے کہ پانی میں بھی سیاہی کا اثر آ گیا۔

(ملخص از شیخ الاسلام نمبر)

مندرجہ بالا واقعات اور اس نوعیت کے کئی دوسرے واقعات جو طوالت کے خوف سے ہم نے نقل نہیں کیے، شب و روز دیکھنے میں آئے۔ ہم شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو مافوق البشر نہیں بتانا چاہتے، حضرت مدنیؒ ایک انسان تھے، صرف انسان نہیں، انسانِ کامل تھے اور استقامت، صبر و استقلال کے پیکرِ عظیم تھے اور یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ اس لئے اس موضوع پر ان ہی معروضات پر اکتفا ہے۔

☆ ☆ ☆

ذوقِ شعروادب اور پسندیدہ اشعار

علم وادب اور شعروشاعری :

علم وادب اور شعروشاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔اہل علم طبقہ،علماء ومشائخ اور خطباءِ کرام اپنے بیانات، تقاریر، تحریروں اور وعظ ونصیحت میں اپنے قلبی واردات وکیفیات کو بعض اوقات اشعار کے میں بیان کردیا کرتے ہیں اور یوں پوری تقریر، بیان اور خطابت کا خلاصہ اور نچوڑ ایک ہی شعر میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ شعروشاعری، علم وادب کا لازمی حصہ ہے۔قدیم شعراء کے پاکیزہ خیالات وجذبات شاعری کی صورت میں دعوتِ فکر کے لئے سنگِ میل سمجھے جاتے ہیں۔ان اشعار میں دنیائے انسانیت کی فلاح و نجات زہد وتقویٰ، جودوکرم، فیاضی وایثار اور تعلق مع اللہ کا درس ہے۔ برصغیر پاک وہند میں بھی کئی نامور شعراء گذرے ہیں۔جنہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ دین کی دعوت، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات اور تعلق مع اللہ کی تعلیمات کو عام کیا۔اُن کے اشعار آج بھی اُسی ذوق وشوق سے پڑھے اور سُنے جاتے ہیں۔اُن اشعار کی حقانیت،صداقت،معرفت اور اثر ونفوذ آج بھی قائم ہے۔

مستقل شاعر ہونا اور شاعری کو پیشہ بنانا اسلام میں ناپسندیدہ ہے، جبکہ شعری ذوق سے مالا مال ہونا اور اچھی شاعری کی قدردانی کرنا اور بے اختیار ہوکر اشعار کہہ دینا یہ مستحسن عمل ہے۔ تجربہ ہے کہ جس شخص میں شاعری ذوق نہیں پایا جاتا، وہ دردمندی کی صفات میں بھی کامل نہیں ہوتا۔ذوقِ شاعری دل میں ایک گداز پیدا کردیتا ہے، جب تک ایسے اربابِ علم وکمال ہمارے ہاں مسند نشین رہے، جنہیں

اللہ نے یہ ذوق ودیعت کیا تھا، تو ہماری اجتماعی زندگی میں مٹھاس اور خوش خلقی کی فضا برابر قائم رہی۔ بزرگ صوفیا اور علماء ومشائخ نے عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سندھی، سرائیکی، پشتو غرض ہر زبان میں شعر وشاعری کو اپنے مافی ضمیر بیان کرنے کا ذریعہ بنایا اور ان کے عارفانہ کلام نے خوب مقبولیت حاصل کی اور آج بھی شیخ سعدیؒ، مولانا روم، حضرت فرید الدین گنج شکر، سلطان العارفین سلطان باہو، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک کے اشعار زبان زد خاص وعام ہیں۔

ذوقِ علم وادب :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بھی شعر وسخن کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ان کا ادبی ذوق انتہائی اعلیٰ وارفع، پاکیزہ جذبات اور نفیس احساسات پر مبنی تھا۔ اشعار، حمد ونعت اور نظم وغزل خود بھی سُنتے تھے اور سُناتے بھی تھے۔ اخلاص وللّٰہیت، محبت وعقیدت کے جذبات اور موقع ومحل کی مناسبت سے اشعار کا انتخاب ان کے شعری ذوق کا غماز ہے۔ حضرت مدنیؒ کو عربی، فارسی اور اردو کے کافی اشعار یاد تھے۔ جب موقع ملتا، مثلاً بیان ہو رہا ہے، خط لکھا جا رہا ہے، دوستوں کی محفل سجی ہوئی ہے، درس دیا جا رہا ہے، وہ نہایت برمحل اشعار سُناتے۔ ان کے منتخب اشعار میں عشقِ الٰہی اور محبت رسول ﷺ کا درس ہوتا۔

مولانا اعزاز علیؒ کی ایک شعر میں ترمیم :

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ دار العلوم دیو بند کے اکابر اساتذہ میں سے تھے اور علم و ادب میں اتھارٹی سمجھے جاتے۔ ماہنامہ ''القاسم'' ماہِ صفر ۱۳۴۴ھ میں ان کا ایک عربی قصیدہ شائع ہوا۔ اس میں مولانا اعزاز علیؒ نے مشہور شاعر ابو الطیب کی پیروی کی۔ اُس نے کہا تھا ....

اعز مکان فی الدنیٰ سرج سابحٍ وخیر جلیس فی الزمان کتاب

تیز رفتار گھوڑے کی زین دنیا میں سب سے زیادہ باعزت جگہ ہے اور بہترین ہمنشین زمانے میں کتاب ہے۔

اس شعر میں اس نے گھوڑے کی زین کو عمدہ جگہ اور کتاب کو بہترین مصاحب ظاہر کیا۔ اس پر مولانا اعزاز علیؒ نے اپنے قصیدہ میں خفیف سی معنوی اصلاح فرمادی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''خیر جلیس'' (یعنی بہترین ساتھی) نہیں ہوتی، بلکہ علمی کتابیں خیر جلیس ہوتی ہیں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے لکھا ....

ولکن الکتاب کتاب علم سمیری فی اللیالی والنہار

علمی کتابیں ہی رات دن میرے لئے بہترین قصہ گو ہیں

حضرت مدنیؒ کی ترمیم :

مگر اس پر بھی شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی تشفی نہ ہوئی۔ مولانا اعزاز علیؒ کو خط میں لکھا۔

فقلتم ما قلتم فیه .... ؎

و لکن الکتاب کتاب علم　　سمیری فی اللیالی و النهار

و انی اری تبدیل هذ الشعر بان یقول .... ؎

ولکن الا له جلیس ذکر　　سمیری فی اللیالی و النهار

میرے خیال میں اس شعر کو اس طرح تبدیل کر دیا جاتا کہ

(اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں کے بہترین ساتھی ہیں، میں رات دن اس سے باتیں کرتا رہتا ہوں)

حضرتؒ نے کتابِ علم کی کیسی دلنشیں ترمیم فرمائی، جس سے شعر کا مضمون بلند ہوا اور اپنے ذوق کی ترجمانی بھی کر دی۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی ترمیم :

اشعار میں ترمیم کی بات چلی، تو مجھے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی ایک شعر میں ترمیم یاد آ گئی۔ غالباً ''مومن'' کا شعر ہے .... ؎

چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

حضرت مفتی صاحب موصوف نے اس میں ترمیم کر دی اور فرمایا .... ؎

چند اوراقِ کتب چند بزرگوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

پسندیدہ عربی اشعار :

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ مندرجہ ذیل عربی رباعی زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْ اَنْتَ تَرْجُوْهُ وَ تَاْمُلُه　　مِنَ الْبَرِیَّةِ مِسْکِیْنُ ابْنُ مِسْکِیْنٍ
فَاسْتَرْزِقِ اللّٰهَ عَمَّا فِیْ خَزَانَتِه　　فَاِنَّ الْاَمْرَ بَیْنَ الْکَافِ وَ النُّوْنِ

بے شک وہ آدمی جس سے تجھے اُمیدیں وابستہ ہیں، وہ خود محتاج ہے۔ اس کا باپ بھی محتاج ہے۔ اس لئے اس اللہ سے رزق مانگ جو اس کے خزانہ میں ہے، کیونکہ وہاں تو حکم کاف اور نون میں ہے۔ (کُن فرمایا تو کام ہوگیا)

اکابرؒ کا سایہ :

کبھی کبھی مندرجہ ذیل شعر بھی بڑے سوز وگداز کے ساتھ پڑھا کرتے ...... ؎

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِيْ اَكْنَافِهِم　　　بَقِيَ الَّذِيْنَ حِيَاتُهُمْ لا تَنْفَع

وہ لوگ چلے گئے جن کے سایہ میں زندگی گذاری جاتی تھی۔ وہ لوگ رہ گئے، جن کی زندگی کچھ کارآمد نہیں۔

دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کی تمنا :

محی الدین عربی نے ایشائے کوچک کے سلطان عزالدین کو کچھ اشعار لکھے۔ حضرت مدنیؒ بھی یہ اشعار تحریر فرمایا کرتے .... ؎

ارید اری دین النبی محمد　　　یقام و دین المبطلین یزول

میری دلی خواہش ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پھیل جائے اور باقی سب دین ختم ہو جائیں۔

رضائے الٰہی کا حصول :

فلیتک تحلوا والحیوۃ مریرۃ　　　ولیتک ترضی والانام غضاب

کاش آپ کی محبت کی مٹھاس مجھے حاصل ہوجاتی، پھر چاہے زندگی کتنی تلخ ہوتی اور کاش کہ آپ مجھ سے راضی ہوجاتے، خواہ ساری دنیا ناراض ہوجاتی۔

اپنے پر سوءِ ظن :

یظن الناس بی خیرا و انی　　　لشر الناس ان لم یعف عنی

ترجمہ : لوگ مجھ پر نیکی کا گمان کرتے ہیں، حالانکہ میں سب سے زیادہ گناہ گار ہوں، اگر وہ اللہ تعالیٰ مجھ سے درگذر نہ فرمائے۔

جب اللہ کی طرف سے محبت ہو :

اذا صح الود منه فالکل هيّن و کل مافوق الترُاب تراب

جب اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت صحیح ہو تو پھر سب تکالیف آسان ہیں اور جو کچھ بھی مٹی پر ہے، وہ سب کا سب مٹی ہونے والا ہے۔

نفس کی حالت :

مولانا عبدالباری لکھنوئیؒ کو خط میں درج ذیل اشعار لکھے ....

والنفس کالطفل ان تمهله شبَّ علیٰ حب الرضا وان تفطمه ینفطم

نفس کی حالت تو دودھ پیتے بچے کی طرح ہے، جو دودھ پیتا ہے، اگر اس کے دودھ کو بچپن (مدت پوری ہونے پر) نہ چھڑا دیا گیا تو جوان ہونے پر دشواری ہوگی۔

مال واولاد امانت ہیں :

وما المال والبنون الا ودائع ولابُدّ یوما ان ترد الودائع

مال واولاد اللہ کی امانت ہیں۔ایک دن ان امانتوں کو اصلی مالک کی طرف لوٹانا پڑتا ہے۔

دیارِ محبوب کی عظمتیں :

امُرُّ علی الدیار دیار لیلیٰ اقبلُ ذالجدار و ذالجدارا

وَ مَا حبّ الدیار شغفن قلبی ولکن حبّ من سکن الدیارا

میرا گذر لیلیٰ کے شہر پر ہوا۔تو میں نے کبھی اِس دیوار کو چوما اور کبھی اُس دیوار کو، اگر چہ مجھے اس بستی سے کوئی محبت نہیں، لیکن اس بستی کے مکین کی محبت نے میری نظر میں ان مکانوں اور دیواروں کو بھی محبوب بنا دیا ہے۔

فارسی کے پسندیدہ اشعار :

میرے شیخ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ کے نام خط میں لکھا ......

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا

اندھیری رات ہے اور میں دریا کی موجوں میں گھرا ہوں۔ میرا حال ساحل پہ کھڑے ہوئے لوگ کیا جانیں۔

از دروں شو آشنا و از بیرون بیگانہ باش
ایں چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

اندر دل سے لگائے رکھ اور باہر بیگانہ رہ۔ ایسی خوب صورت زندگی اس دنیا میں بہت کم میسر ہوتی ہے۔

یابم او را یا نیابم، جستجوئے میکنم
بشنود یانشود من گفتگوئے میکنم

میں اُسے (محبوبِ حقیقی) کو پاسکوں یا نہ پاسکوں تلاش کرتا رہوں گا۔ وہ توجہ کرے یا نہ کرے میں بھی دل کا حال بیان کرتا رہوں گا۔

مرا در دیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

میرے دل میں ایک ایسا درد ہے، اگر اس کو بیان کروں تو زبان کے جلنے کا خطرہ ہے، اگر اسے برداشت کروں تو ڈرتا ہوں کہ ہڈیوں کا گودہ بھی جل جائے گا۔

فارسی اشعار جو اکثر وردِ زباں رہتے :

فارسی زبان کے درج ذیل اشعار حضرت شیخ الاسلامؒ بڑے سوز اور درد کے ساتھ پڑھتے بلکہ اکثر وردِ زبان رہتے ....

وصال و قرب چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

تو وصال اور قرب کیا چاہتا ہے، تجھے صرف اپنے محبوب کی رضا مندی کی طلب ہو اس لئے

اللہ تعالیٰ سے اس کے بغیر کچھ اور مانگنا یہ ناانصافی ہوگی۔

جہاں اے برادر نہ ماند بہ کس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

اے بھائی! یہ جہاں کسی کے کام نہیں آتا، اس لئے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگالے اور بس۔

بجز تو شاہِ دیگر نہ دارم، بجز درے تو درے نہ دارم
الیک اسعی و منک ارجو و ان سائلت بہ کم سوالی

اے بادشاہِ حقیقی! میرا تیرے بغیر کوئی نہیں اور تیرے دروازے کے سوا میرے لئے کوئی دروازہ نہیں۔ میں حاجت کے وقت تیری ہی طرف دوڑتا ہوں اور تجھ سے ہی رحمت کی امید رکھتا ہوں۔ خواہ کتنے ہی سوال کروں۔

یادِ دوست اور علم حق :

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا ....

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سِرِّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشو لوحِ دل از نقش غیر حق
علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد کے بغیر جو بھی کرے گا عمر برباد کرے گا، محبوبِ حقیقی کے عشق کے بغیر جو بھی پڑھے گا وہ باطل ہے۔ اے سعدی! اپنے دل کی تختی کو اللہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر ہر چیز سے دھوڈال، جو علم اللہ کا راستہ نہ دکھائے وہ تو جہالت ہے۔

اپنے اکابر کا ظاہر نقشبندی اور باطن چشتی تھا :

اپنے اکابر کا سلوکِ طریقت بیان کرتے ہوئے فرمایا "ہمارے اکابرؒ نے نہایت اعلیٰ اور اشرف طریقہ اختیار فرمایا۔ ان کا ظاہر نقشبندی (عمل کی پیروی) اور باطن چشتی (سوز و گداز) ہے......"

بلبل نیم کہ نعرہ زنم دردِ سر کنم
قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بسوزم بگردِ شمع
شمعم کہ جاں گدازم و دم بر نیاورم

میں بلبل نہیں کہ نعرے لگا کر سر دردی کروں، نہ قمری ہوں کہ گردن میں طوق ڈال دوں، ظاہری لباس وغیرہ کی نمائش کروں، پروانہ بھی نہیں کہ شمع کے اردگرد چکر لگاتے ہوئے جل جاؤں، بلکہ میں تو شمع ہوں (دینِ حق کی روشنی پھیلاتے ہوئے) خود جل رہی ہوں اور آواز تک نہیں نکالتی۔

اس پر مجھے اپنے بچپن میں سُنا ہوا شعر یاد آ گیا، جو اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے اور یہ راہ چلنے والے کے لئے نافع ہے ....

مثلِ شمع بزمِ ہستی میں بسر کر زندگی
تا کہ تیرے سوز سے سارے جہاں میں نور ہو

شریعت میں بڑا گناہ :

اکثر احباب کو یہ شعر سُنایا کرتے کہ ....

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ درشریعت ماہیچ ازیں گناہے نیست

کسی کو بھی دُکھ نہ دے کہ ہماری شریعت میں اس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں، کیونکہ ہمارا اللہ رحمان ہے، رحیم ہے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محبوب پیغمبر ہیں۔ ہمارا دین پیغامِ امن وسلامتی ہے۔ جب کوئی صاحب حرمین شریفین کی زیارت کیلئے جاتا تو اسے فرماتا:

جو با حبیب نشینی و بادۂ پیمائی
بہ یاد آر حریفانِ بادہ پیما را

اردو کے پسندیدہ اشعار :

شیخ الاسلام حضرت مدنی کبھی کبھی اردو کے اشعار بھی ترنم سے پڑھتے ....

جو چمن سے گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بُلبل زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں سامنے' نہ لگانا دل کو بہار سے

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

دلِ صیّاد کیا جانے :

میرے شیخ حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی" کو خط میں یہ شعر تحریر فرمایا .... ؎

کسی کے درد اور غم کو کسی کا ناز کیا جانے
گذرتی صید پر کیا ہے دل صیاد کیا جانے

حسبِ حال شعر :

فرمایا، لوگوں سے اتنی گالیاں سُنیں ہیں کہ اب سُن سُن کر کچھ تغیّر نہیں ہوتا، فرمانے لگے، یہ شعر ہمارے حسبِ حال ہے .... ؎

رنج کا عادی ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

فرصت کے رات دن :

مراد آباد جیل سے ایک مرید کے خط کے جواب میں لکھا .... ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دِن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

وفا پہ اپنی نازاں ہوں :

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے مراد آباد کی قید کا کچھ پس منظر آپ کو لکھا، تو آپ نے جیل ہی سے اس کا جواب لکھا اور یہ شعر تحریر فرمایا .... ؎

نہ مرتے مرتے محبت سے منہ پھیرا کبھی میں نے
جفائیں سینکڑوں جھیلیں، وفا پر اپنی نازاں ہوں

عاشقِ بدنام :

حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مدنیؒ کے زبانی یہ شعر بار بار سُنا ....

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

کبھی کبھی یہ مصرعہ بار بار پڑھتے ....

ع عاشق بدنام کو پروائے ننگ ونام کیا

بدرالدین کا بٹوا :

جب زیادہ موڈ میں ہوتے تو اپنی چھوٹی بچی عمرانہ سے یہ شعر پڑھواتے ......

کہیں ہے روس کا بٹوا کہیں ہے چین کا بٹوا
ہے حضرت شیخ کی محفل میں بدر الدین کا بٹوا

آخری ایام کا ایک شعر :

اپنے آخری ایام میں جب تکلیف بڑھ گئی، تو ترنم کے ساتھ فرماتے ......

الٰہی میری زندگی ہے یہ کیسی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

یارانِ جانثار :

مولانا عبدالحق نافعؒ کو لکھا ....

کیا ہوگئی وہ اُلفتِ یارانِ جاںنثار
اب فاتحہ کو بھی نہیں آتے مزار پر

شعر وادب کا ذوقِ سلیم، اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ اور ناقابل تسخیر ہتھیار ہے، جس سے معاشرہ میں

ایک انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ یہ دو دھاری تلوار ہے، اپنی حفاظت کا سامان بھی ہو سکتی ہے اور ہلاکت کا بھی، لیکن اتنی بات مسلّم ہے کہ .... ؎

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
ہم نے تو اپنے آپ گریباں کیا ہے چاک
اس کو سیا سیا، نہ سیا، پھر کسی کو کیا
انِ دنوں جوشِ جنوں ہے تیرے دیوانے کو
لوگ ہر سمت چلے آتے ہیں سمجھانے کو
خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا دیتے ہیں جاناں تیرے دیوانے کو

مکتوبات

جب سے دنیا لکھنے کے فن سے آشنا ہوئی، خطوط نویسی کا رواج بھی پیدا ہوگیا، باہم ضروری باتیں خطوط کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجی جاتیں، سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا ذکر ہے، جو ملکۂ بلقیس کے نام لکھا گیا، آپ نے ہُد ہُد سے فرمایا، میرا خط لے جاؤ اور ملکۂ بلقیس کے پاس پہنچادو۔ خط کے آغاز میں لکھا، اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

تو گویا خط لکھنا سنتِ انبیاءؑ بھی ہے۔ ہمارے اکابر علماء اور صوفیہ نے خطوط سے اپنے مریدوں اور متوسلین کی تعلیم کا کام لیا۔ خطوط میں رشد و ہدایت کے مسائل بیان کیے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ نے بھی زندگی کے ایام میں اپنے احباب، متعلقین، اساتذہ، تلامذہ اور مریدوں کو خط لکھے۔ یہ مکتوبات اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی اور مختلف علوم کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ حضرت مدنی ؒ اپنے نام کے ساتھ خط کے آخر میں ہمیشہ ''ننگِ اسلاف'' لکھا کرتے اور حضرت ؒ کے خطوط و مکاتیب سے بہت سے ایسے اقتباسات و منقولات پیش کیے جاسکتے ہیں، جن سے حضرت مدنی ؒ کی تواضع، انکساری، بے نفسی، خلوص وللّٰہیت اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت مدنی ؒ کے خطوط کو مولانا نجم الدین اصلاحی نے ''مکتوباتِ شیخ الاسلام'' کے نام سے مرتب کر دیا ہے، جن کی پہلی دو جلدیں حضرت مدنی ؒ کے حینِ حیات طبع ہوئیں اور دو بعد الوفات طبع ہوئیں، ان جلدوں میں شائع شدہ مکتوبات کی تعداد 580 ہے، جن میں سے کچھ عربی اور باقی اردو میں ہیں۔ ہم حضرت ؒ کے مکتوبات میں سے چند اقتباس منتخب کر کے نذرِ قارئین کر رہے ہیں، اس سے حضرت

مدنی ؒ کی تحریر، دعوتِ رشد و ہدایت اور اصلاحِ انقلاب اُمت کی مساعی جمیلہ کا ایک منظر بھی سامنے آجاتا ہے۔

آداب و القاب اور مکتوب الیہ کے ناموں کو چھوڑ کر صرف وہ اقتباسات لیے گئے ہیں، جن سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت مدنی ؒ کا اصلاحِ مریدین و متعلقین اور عامۃ المسلمین سے مکاتبت میں طریقۂ کار کیا تھا اور یہ حضرت مدنی ؒ ہی کے مکتوبات سے نکھر کر سامنے آجاتا ہے ....

مابراں مطلب عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند

ترسیلِ خطوط کا اہتمام :

حضرت مولانا ابوالحسن صاحب حیدری ؒ لکھتے ہیں کہ حضرت مدنی ؒ نینی جیل میں تھے، میں الٰہ آباد کے الفرید پارک کی مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھایا کرتا تھا۔ میرے کالج کے تمام طلبا اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ حسبِ معمول خطبۂ جمعہ کے لئے جا رہا تھا کہ ایک شخص سائیکل پر سوار مسجد کے سامنے آیا۔ اس نے پوچھا کہ مولوی ابوالحسن حیدری ؒ کون ہیں؟ اس کے استفسار پر میں اس کے پاس پہنچا۔ اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر مجھے دیا، میں نے چاک کیا تو شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ کی تحریر ہے، جو حضرت نے نینی جیل سے اس خادم کے پاس بھیجی ہے۔ ارشاد فرمایا :

"باہر سے آپ کے پاس میرے خطوط آئیں گے، ان کو لفافہ سے نکال کر جمع رکھا رکریں، مگر لفافوں کو پھاڑ کر جلا دیا کریں، جب ہمارا آدمی پہنچے تو اس کو یہ سب خطوط ایک لفافہ میں رکھ کر دے دیا کریں"۔

جیل میں اصلاحِ اُمت کی فکر :

حضرت ؒ کی اسارت کا زمانہ میرے لئے موجبِ رحمت تھا۔ جیل میں رہ کر حضرت مدنی ؒ باطمینان اپنے متوسلین کی اصلاح فرماتے تھے۔ روزانہ میرے پاس مریدین اور متوسلین کے متعدد خطوط آتے۔ میں ان کو حضرت ؒ کی خدمت میں بھیجا کرتا اور حضرت ؒ ان خطوط کے جوابات میرے پاس بھیجتے۔ میں ان کو اپنے اپنے پتہ پر روانہ کرتا۔ قید میں بھی حضرت ؒ مریدوں کی اصلاح کے لئے فکرمند تھے۔ بعض اوقات بڑے لمبے خطوط لکھتے، میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت مدنی ؒ طویل خط لکھنے کے لئے جیل میں وقت

کانگریسی ملا، ہندوؤں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

کیسے نکال لیتے تھے، پھر ایک دو خط نہیں، روزانہ کم از کم دس خطوط لکھتے، ان میں اکثر رموز و ہدایات متصوفانہ ہوتے۔ (شیخ الاسلام نمبر ص:۱۷۰)

مدنی مکتوبات کی خصوصیات :

حضرت مدنیؒ کے خطوط کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں :

۱ خطوط کا جواب اکثر سفر میں لکھتے، آپ کی عجیب کرامت تھی کہ چلتی ہوئی ریل گاڑی کی حرکت سے آپ کے قلم کو ذرا بھی جنبش نہ ہوتی تھی۔

۲ جس زبان میں خطوط آتے، اُسی زبان میں آپ جواب ارشاد فرماتے، میرے شیخ و مربی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی قدس سرہ العزیز کو حضرت مدنیؒ سے خصوصی نسبت اور بیعت کا تعلق تھا۔ حضرتؒ بتایا کرتے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت مدنیؒ کو عربی میں خط لکھا، جس میں بیعت کی درخواست، دعائے حزب البحر کی اجازت کی درخواست کی۔ اس کے علاوہ حضرت مدنیؒ کی ایک عادت تھی، وہ جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرتے۔ میں نے حضرت مدنیؒ سے اس التزام کی وجہ بھی پوچھی، حضرت مدنیؒ نے میری تینوں درخواستوں کو شرفِ قبولیت بخشا اور جواب سے نوازا۔

۳ خطوط کا جواب دیتے وقت حضرت مدنیؒ سائل کے سوالات کا پورا پورا جواب دیتے، جس سے سائل کی تشفی ہو جاتی۔

۴ اپنے خطوط کی ابتدا اکثر محترم المقام کے لفظ سے شروع فرماتے، ایک مرید کے نام لکھتے ہیں :

حضورِ اقدس ﷺ سے منامی ملاقات :

آپ کا والا نامہ میرے سامنے ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا شوق ہے، اس کے لئے کوئی طریقہ اس کا بتلائیں۔ بناءً علیہ عرض ہے کہ جمعہ کی شب میں (یعنی جمعہ کے دن سے پہلے کی رات میں) نہا کر اور ستھرے کپڑے پہن کر خوشبو لگائیں اور صاف جگہ میں دو رکعت نمازِ نفل ادا کریں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچیس مرتبہ ہو قل ھو اللہ احد پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد ایک ہزار مرتبہ مندرجہ ذیل درود شریف پڑھیں۔ صلی اللہ علی محمد ن النبی الامی، اس کے بعد قبلہ رو سو جائیں اور اس طرح ہر شب میں یہی عمل جاری رکھیں، ان شاء اللہ ایک ہفتہ نہ گزرے گا کہ زیارت نصیب ہو جائے گی۔ غرضیکہ یہ عمل زیارت نصیب ہونے تک برابر جاری رہنا

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات چاہئے۔

والدین کی اطاعت :

حضرت مدنیؒ کے اس مکتوبِ گرامی کی نقل جو شاہی قلعہ لاہور میں منعقدہ نمائش مورخہ 10ر جنوری 1958ء کو رکھا گیا تھا۔

میں اس وقت سفر میں ہوں، لاہور اور سہارنپور کے درمیان گاڑی چل رہی ہے، ایسے ہی اوقات میں فرصت ملتی ہے، پہلا والا نامہ میرے سامنے نہیں ہے، یکم ربیع الثانی کا والا نامہ سامنے ہے۔ والدین کی اطاعت ہر اس چیز میں واجب ہے، جواز قسم معصیت نہ ہو۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ۔ نیز والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں، تو ان کی خدمت گذاری اور حسنِ معاشرت ضروری ہے۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۔(سورۂ لقمان:۱۵)(اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا) اگر خلافِ طبعِ ابن، مفارقۂ زوجہ کا حکم کریں تو ابن کے لئے زوجہ کو طلاق دینا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا، بہر حال مکروہ اور منشط (مجبوری اور خوشی) میں والدین کو راضی رکھنا اور خدمت گذاری ضروری ہے۔ اِلّا فی معصیة ۔ میں حسبِ ارشاد دعا کرتا ہوں۔

ماہِ رمضان کے معمولات :

حضرت مدنیؒ نے اپنی بڑی صاحبزادی کے نام خط لکھا، اس خط میں اپنے اہل و اولاد کے ساتھ حُسنِ معاشرت کا پورا پورا پاکیزہ نمونہ موجود ہے۔ فرماتے ہیں :

آج رمضان کی ۱۱ر تاریخ ہوگئی، ہم کو تم سے جدا ہوئے پندرہ دن آدھا مہینہ گذر گیا، مگر تم نے ہاتھ سے آج تک کوئی خط نہیں بھیجا۔ اس کا جواب تو یہ تھا کہ میں بھی تم کو خط نہ لکھتا، مگر تمہاری آپا کی خفگی سے پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں اور آج بھی لکھ رہا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد سے اب تک تین مرتبہ بارش سخت آندھی کے ساتھ ہو چکی ہے۔ گرمی اور لو کا نام تک نہیں ہے، رات کو اچھی ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔ کھانے نہایت عمدہ ملتے ہیں، تمہاری آپا تو ایسے کھانے کہاں کھلاتی ہے، یہاں کئی سو مہمانوں کا کھانا روزانہ پکتا ہے، ہم نو بجے شب سے تراویح میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ساڑھے گیارہ بجے کے بعد

فارغ ہوتے ہیں، آدھ گھنٹے کے بعد بارہ بجے سوجاتے ہیں، ایک بجے پھر نفلوں میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور پونے تین بجے فارغ ہوکر سحری میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ہم سے کوئل نے خواب میں شکایت کی ہے کہ تم اس کی خبر گیری نہیں کرتی ہو، اس کا پنجرہ بدل دو۔ (حضرت مدنیؒ نے گھر میں کوئل پال رکھی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے)

تلاوتِ قرآنِ پاک کے آداب :

ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں :

قرآن شریف کا مشغلہ اور اس میں دل کا لگنا اور اس کے پڑھنے میں کیفیات عجیبہ اور سرور کا پیدا ہونا عظیم الشان نعمت ہے۔سلوک کے طریقوں میں یہ طریقہ نہایت عمدہ اور قوی ہے۔ صحابۂ کرامؓ کا یہی طریقہ ہے۔ مبارک ہو ذکر کے طریقہ میں اگرچہ مدت کم لگتی ہے، عشق کی سوزش اور محبتِ محبوبِ حقیقی کی آگ تیزی کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف جلد پہنچا دیتی ہے، اگر تلاوت میں یہ تصور بندھ سکے کہ پروردگارِ عالم میری زبان سے پڑھ رہا ہے اور میرے نفس کو اور اپنے تمام بندوں کو شہنشاہی خطاب اپنی عظمت اور جلال کی شان اور رحمت سے کر رہا ہے، تو بہت بہتر ہے۔ معانی کا دھیان رکھتے ہوئے عمل فرمائیں۔ ان شاء اللہ نتائج بہتر پیدا ہوں گے۔

عقدِ نکاح کی شرعی حیثیت :

ایک دفعہ ایک مرید کو لکھا : میں احباب کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ عقدِ نکاح حسبِ تصریحاتِ فقہاء ضروریات بشریہ میں ہے، جن سے انسان کسی عمر میں نہ مستثنیٰ ہوسکتا ہے، اور نہ اس سے کوئی مرتبۂ باطنی یا ظاہری مانع ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ایام خلافت میں جب بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی متعدد اولاد بڑی عمر والی موجود تھی، جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ سے نکاح کیا، حضرت علیؓ نے خوشی سے اس کو منظور فرمایا، کسی کو اس پر اعتراض نہ ہوا۔ حضرت ام کلثومؓ دوشیزہ اور بہت تھوڑی عمر والی تھیں، وہ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آخری ایام تک رہیں۔ اس طرح حضرت سید احمد شہیدؒ نے صوبہ سرحد میں باوجود ضعیف العمری اور اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ، شیخِ طریقت اور قطبِ وقت ہونے کے ایک دوشیزہ لڑکی سے شادی کی، جس سے ایک بچی پیدا ہوئی تھی اور وہ بچی اور

اس کی ماں حضرت سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد بھی زندہ رہیں۔ اس قسم کی مثالیں اسلاف کرامؒ میں بکثرت موجود ہیں۔ یہ اعتراضات بے وقوفی کے ہیں۔ لوگوں کو ایسی فضولیات سے بچنا چاہئے اور اپنی عاقبت خراب نہیں کرنی چاہئے۔

اسلامی مدارس اور توکل علی اللہ :

ایک ساتھی کے نام رقمطراز ہیں :

میرے بھائی ! ابتدائی اسلامی مدارس کا قیام اور اس کی بقاء ہی اہم اور بنیادی فریضہ ہے، جہاں بھی رہنا ہو، اس خدمت سے غافل نہ رہنا، اخلاص اور ہمدردی اور نہایت مستعدی سے اس کام میں لگے رہنا، اس راہ کی دشواریوں پر صبر کرنا اور ہمت سے کام لینا ہی اعلیٰ درجہ کی خدمت ہے۔ اپنی اصلاح سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ توکل علی اللہ بہترین سہارا ہے۔ اس سہارے کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔

نسب مدارِ نجات نہیں :

میرے متعلق نسبی حیثیت سے سیّد ہونے کا انکار جن حضرات نے کیا ہے، وہ اس کے ذمہ دار ہیں، میں تو اپنے نام کے ساتھ سیّد لکھتا بھی نہیں ہوں، جس کی وجہ یہ ہے کہ مدارِ نجات نسب نہیں ہے، عمل ہے، اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجے کا عالی نسب ہے، مگر اعمالِ قبیح ہیں، تو مثل پسر نوح علیہ السلام، وہ راندۂ درگاہِ خداوندی ہے اور اگر چمار زادہ یا بھنگی زادہ ہے، مگر وہ مسلمان متقی ہے، تو اس کی فوز وفلاح مثلِ حضرت بلال وصہیب رضوان اللہ علیہما ہے۔ میرے عمل اس ادعا کی اجازت نہیں دیتے، مجھ کو شرم آتی ہے۔

ہمیں فخرِ نسبی کا موقع صرف اسی وقت حاصل ہوگا، جب کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور ہمارے آقائے ولی نعمت نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو جائے، اس سے پہلے یہ مفاخرت جہالت اور نادانی ہے۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام ص:۵۸)

مصیبت اور راہِ سلوک :

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"بلاء چراغِ عارفین وتنبیہِ مریدین است وہلاکِ غافلین"

یعنی مصیبت عارفین کے لئے چراغ ہے، مریدین اور راہِ سلوک کے راہرو کیلئے تنبیہ ہے اور غافلوں کے لئے ہلاکت ہے۔

میرے محترم ! اس بلاء میں اہلِ عقل وانصاف خوش ہوتے ہیں : " ضرب الحبیب ذبیب " (دوست کی مار میں بھی مٹھاس ہے) مشہور مقولہ ہے، بالخصوص اس فراغت اور خلوت کی بناء پر جس کے ذریعے سے آپ بہت زیادہ مجالست مع الحبیب کر سکتے ہیں۔

اعز مکان فی الدنی سرج سابحٍ
و خیر جلیس فی الوجود الله

تیز رفتار گھوڑے کی زین دنیا میں سب سے زیادہ باعزت جگہ ہے اور بہترین ہمنشین خداوند عالم ہے۔

" انا جلیس من ذکرنی " (اللہ میاں فرماتے ہیں کہ میں اس کا ہمنشین ہوں جو مجھ کو یاد کرتا ہے) ....

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہِ روئے
بہ ازیں کہ چتر شاہی شب و روز ہائے و ہوئے

(تھوڑی دیر کے لئے دل کی فراغت کے ساتھ محبوب پر نظر ڈالنا چتر شاہی اور ہاؤ وہو سے بہت بہتر ہے)

فاغتنم ایها الاخ هذ الفرصة، ولا تضیعها بقیل و قال و بما لا یعنی فان العمر قصیر والطریق طویل و العوائق کثیرة ....

لہٰذا برادرِ من ! اس فرصت کو غنیمت جانو، اس کو قیل وقال اور بے فائدہ باتوں میں ضائع مت کرو، کیونکہ عمر تھوڑی ہے اور راستہ لمبا ہے اور مشکلات بہت ہیں۔

کیف الوصول الیٰ سعاد و دونها
قلل الجبال و دونهن حتوف
الرّجل حافية و مالی مرکب
و الکف صفر و الطریق مخوف

(سعاد (محبوبہ کا نام) تک کس طرح رسائی ہوسکتی ہے، درانحالیکہ اس کی راہ میں پہاڑوں کی

اونچی اونچی چوٹیاں ہیں کہ اِن چوٹیوں کو طے کرتے کرتے انسان موت کا شکار ہو جائے، پاؤں برہنہ، کوئی سواری میسر نہیں، رستہ خطرناک)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خطوط سوز دروں اور خون جگر کے ساتھ ساتھ شریعت وطریقت، ذوقِ سلیم، آدابِ زندگی، حمیت شرعی اور موعظت ونصیحت کا نادر نمونہ ہیں، اگر ان پر غور کیا جائے، انہیں حرزِ جاں بنالیا جائے اور لوحِ دل پر نقش کیا جائے تو وہ زریں اُصول ہیں جو قوموں اور اشخاص کے لئے مشعلِ راہ بن سکتے ہیں .... ؎

ذوق و شوقِ دل کا مدت سے تقاضا ہے یہی
جان و دل میں جذب کرلوں ہر ادائے خوئے دوست

لطائف وظرائف

ظرافت اور مزاح' انسانی زندگی کا ایک لازمی اور خوش کن عنصر ہے اور اس کا سلسلہ بھی کچھ عجیب سا ہے۔ کیوں کہ ظرافت میں حد سے تجاوز کرنا غیر انسانی اور نازیبا حرکت ہے اور اس سے بالکل خالی ہونا بھی نقص اور عیب ہے۔

حدود کے اندر مزاح سنت ہے :

خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنے فدائیوں اور جانثاروں سے مزاح فرمایا کرتے۔ تاکہ صحابہ کرامؓ کی دلجوئی ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بعض صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :

یارسول اللہ! کیا آپؐ ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں مزاح میں بھی حق کہتا ہوں۔

اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ محمد عربیؐ نے ایسا مزاح کیا کہ فی الواقع وہ غلط نہیں ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ باہم متین ولطیف مزاح کیا کرتے۔ صحابہؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، علماءِ ربانیین، عارفین، زاہدین، عابدین اور علماء کرام میں سے اکثر زندہ دل، خوش طبع اور بذلہ سنج طبیعت کے مالک تھے۔

شیخ مدنیؒ کے لطائف :

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی ایک عہد، ایک ادارہ، ایک انجمن ایک تاریخ اور پیکرِ ظرافت تھے۔ اگر ان کی زندگی کے لطائف وظرائف کو اکٹھا کیا جائے تو ایک حسین گل دستہ بن سکتا ہے۔ ذیل میں لطائف وظرائف کے چند اقتباسات نذرِ قارئین ہیں۔

یہ بھی خادم زادہ ہے :

حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمیؒ فرماتے ہیں :

ایک مرتبہ بلتھر اروڈ سے واپسی میں شاہ گنج جانے والی ٹرین پکڑنے کے لئے حضرتؒ کو مئو کے اسٹیشن پر سرِشام سے اڑھائی بجے رات تک رکنا پڑا۔ مجھ کو کوئی اطلاع نہ تھی۔ اس لئے حضرتؒ نے آدمی بھیج کر اطلاع کرائی۔ میں چلنے لگا تو خیال ہوا کہ کچھ ناشتہ اور چائے کا سامان اور چولھا بھی لے چلنا چاہئے۔ اس لئے اپنے لڑکے رشید احمد اور دو طالب علموں کو بھی ساتھ لیا۔

"اسٹیشن پہنچ کر سلام ومصافحہ کے بعد حضرتؒ کے سامنے میں نے یہ کہتے ہوئے رشید احمد کو پیش کیا کہ خادم زادہ ہے! حضرتؒ نے اس کو بھی مصافحہ کا شرف بخشا۔ تھوڑی دیر میں حضرتؒ کے صاجبزادہ میاں اسعد سلمہ اللہ باہر سے ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو حضرتؒ نے میری طرف اشارہ کر کے ان کو مصافحہ کرنے کے لئے کہا اور جب وہ میری طرف بڑھے تو حضرتؒ نے فرمایا، یہ بھی خادم زادہ ہے"۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۴۱)

بلا میزبان کی اجازت کے کیسے جاسکتے ہیں :

حضرت مولانا احتشام الحق کاندھلویؒ بیان کرتے ہیں :

ایک مرتبہ ایک مدرسہ کے افتتاح کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بلایا گیا۔ راقم الحروف ہمراہ تھا۔ دہلی اسٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ بھی مدعو ہیں اور اسی گاڑی سے تشریف لے جارہے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر دونوں بزرگ ساتھ ہی پہنچے اور داعیوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جمعہ کا وقت تھا۔ ریلوے اسٹیشن سے اتر کر سیدھے جامع مسجد پہنچے جہاں بعد نماز جلسہ تھا اور

اسی مقام پر مدرسہ کا افتتاح تھا۔ نماز جمعہ سے قبل ایک بڑے میاں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کیا کہ:

حضرتؒ! یہاں پہلے سے ایک عربی مدرسہ موجود ہے۔ مالی مشکلات کی وجہ سے نہیں چل رہا ہے۔ یہ لوگ اس کی مخالفت میں دوسرا مدرسہ قائم کر رہے ہیں۔ آخر دو مدرسے کس طرح چلیں گے؟ حضرت مدنیؒ نے جب اس بارے میں تفتیش فرمائی تو معلوم ہوا کہ بڑے میاں کی بات سچ ہے۔ چنانچہ آپ نے تقریر میں جدید مدرسہ کے افتتاح کی تردید کی اور لوگوں سے اپیل فرمائی۔ کہ وہ قدیم مدرسہ کو ترقی دیں اور باہم اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہیں۔ حضرت مدنیؒ کی تقریر کے بعد دیکھا گیا تو اصل داعی غائب تھے۔ میں نے عرض کیا کہ: داعیوں میں سے کوئی شخص بھی موجود نہیں ہے اور ٹرین کا وقت قریب ہے۔ لہذا بہتر ہے کہ اسٹیشن تشریف لے چلئے۔ ورنہ یہاں رات کو پریشان ہونا پڑیگا۔ اور دوسری گاڑی علی الصبح ملے گی۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا:

بلا میزبان کی اجازت کے کس طرح جا سکتے ہیں۔

چند سوکھی روٹیاں :

الغرض کافی دیر انتظار کے بعد ایک لڑکا آیا اور کہا کہ کھانے کے لئے بلایا ہے۔ ہم لوگ اس کے ساتھ ہو لئے۔ بارش ہو رہی تھی۔ راستہ کیچڑ کی وجہ سے نہایت دشوار گذار تھا۔ مختصر یہ کہ بمشکل تمام دور دراز ایک مکان پر پہنچے، وہاں بھی کوئی موجود نہ تھا۔ اسی لڑکے نے ایک بڑے پیالہ میں گرم پانی (شوربا) اور چند سوکھی ہوئی سی موٹی موٹی روٹیاں سامنے لاکر رکھدیں اور خود غائب ہو گیا۔ دونوں بزرگوں نے انہی روٹیوں کو کھانا شروع کر دیا۔ ابھی چند لقموں ہی سے کام و دہن کی آزمائش ہوئی تھی کہ حضرت مدنیؒ نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر فرمایا: یہ روٹی ویسے نہیں کھائی جائے گی۔ ٹکڑا منہ میں رکھ کر پانی سے نگل لو۔

کانگریسی مولوی :

اتفاق سے یہاں پہلے بھی تبلیغی سلسلے میں آنا ہوا تھا۔ اور کچھ لوگوں سے تعارف تھا۔ مگر اس وقت ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد جب صاحب مکان آیا تو وہ ہمیں دیکھتے ہی پہچان کر بہت خوش ہوا اور کہا مجھے کیا خبر تھی کہ آپ لوگ ہیں۔ مجھ سے تو کہا گیا تھا۔ کہ کانگریسی مولوی ہیں۔ روٹی کھلا دو، سو میں نے اس قسم کی روٹیاں پکوا دیں۔ یہ کہہ کر وہ فوراً روٹی سالن اٹھا کر لے گیا اور چائے نیز

مختلف کھانے کی چیزیں لے کر آیا۔ پھر رات کے وقت نہایت پُر تکلف دعوت کی اور لذیذ کھانے کھلائے۔

میرا خیال تھا کہ حضرت مدنیؒ ''کانگریسی مولوی'' کے لفظ سے متاثر ہونگے۔ مگر اللہ رے عالی ظرفی۔ نہ ان پر اس جملے کا کچھ اثر تھا اور نہ مدعو کرنے والوں کی بے اعتنائی سے کبیدہ خاطر تھے۔ جس فرحت وانبساط کے ساتھ سوکھی روٹی کھا رہے تھے۔ اسی طرح ہنسی خوشی مرغن کھانے کھائے۔ نہ پہلے رویّے پر میزبان کو کچھ کہا اور نہ دوسرے برتاؤ پر۔ یہ تھی آپ کی بے نفسی، بے غرضی اور خلوص وللّٰہیت کی واضح مثال۔ (شیخ الاسلام نمبر ۴۶)

یہ چٹنی رکھی ہوئی ہے اسے کوئی نہیں پوچھتا :

حاجی احمد صاحب راویؒ ہیں :

ایک مرتبہ آموں کی فصل میں حضرت مدنیؒ کو میں نے لاہر پور آنے کی زحمت دی۔ قلمی آموں کے باغات کے سلسلے میں لاہر پور کافی شہرت رکھتا ہے۔ ایک بار شیخ رمضان علی صاحب مرحوم نے یہاں کے باغات کی کثرت اور عمدگی کا تذکرہ کیا تو حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا تو یوں نہیں کہتے کہ آپ لوگ بہت باغی ہیں۔

اسی سفر میں رات کے وقت کھانا کھاتے ہوئے فرنی کا صرف ایک چمچہ لے کر طشتری ہٹا دی کہ ابھی آم بھی تو کھانے ہیں آخر اس کی کیا ضرورت؟

حضرتؒ کے قریب مولانا محمد قاسم صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بعد میں اور میرے بعد مولوی عابد حسین صاحب مرحوم تھے۔ مولانا قاسم نے فیرنی کی وہ طشتری اپنے سامنے رکھ لی۔ اتنے میں حضرتؒ کے کچھ فرمانے پر مولانا موصوف ادھر متوجہ ہوئے اور مولوی عابد حسین صاحب مرحوم نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طشتری اپنی جانب کرلی۔ مولانا قاسم نے اب دوبارہ جو طشتری پر نگاہ ڈالی تو ان کے سامنے سے غائب اور مولوی عابد حسین مرحوم کے سامنے موجود نظر آئی پھر کیا تھا۔ وہ طشتری کی جانب لپکے اور آپس میں جھینا جھپٹی ہونے لگی۔ حضرتؒ یہ خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن جب آخری منظر سامنے آیا تو مسکرا کر فرمایا :

''جی ہاں! تبرک تو بس فیرنی ہی میں ہے! یہ چٹنی رکھی ہوئی ہے۔ اسے تبرکاً کوئی نہیں

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

پوچھتا''۔(شیخ الاسلام نمبر ۷۷)

مکّہ معظّمہ میں کھجوریں پیدا کہاں ہوتی ہیں :

ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ :

حضرتؒ مکّہ معظّمہ کی کھجوریں عنایت فرمادیجئے! حضرتؒ نے جواب میں فرمایا: حضور! مکہ معظّمہ میں کھجوریں پیدا کہاں ہوتی ہیں؟ اور یہ آیت تلاوت فرمادی ہے۔'' رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ''(ابراہیم :۳۷)(اے ہمارے پرورِدگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں بسائی)

حُقَّۃ نہیں حِقَّۃ ہے :

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ بتاتے ہیں :

ایک مرتبہ دوران درس زکوٰۃ الابل کا باب آگیا۔اس میں بنت مخاض' بنت لبون حِقّہ اور جذعۃ وغیرہ کا ذکر تھا۔ایک بیچارے مغفل قسم کے طالب علم نے دریافت کیا کہ حضرت! حُقّۃ کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے ایک خاص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا :

حضور! یہ حُقّہ نہیں بلکہ حِقّۃ ہے!''اور محفلِ درس میں ہنسی کی لہر دوڑ گئی۔(شیخ الاسلام نمبر ۱۴۱)

یہ لڑکے تو امام نہیں ہیں :

مولانا جلیل احمد صاحب راغبیؒ رقم طراز ہیں :

اگر کسی کتاب میں زیادہ طلبہ فیل ہوجاتے تو حضرتؒ انعامی جلسہ کے موقعہ پر اس کتاب کو پڑھانے والے استاد کی جانب متوجہ ہوکر مزاحیہ انداز میں فرماتے کہ :

''حضور! آپ کی کتاب میں اس قدر لڑکے فیل کیوں ہیں' کیسی پڑھاتے ہیں۔آپ کتاب؟''۔

حضرتؒ کے اس قسم کے جملوں سے حاضرین جلسہ میں ہنسی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ایک مرتبہ قاضی مبارک میں متعدد لڑکے فیل ہوگئے۔یہ کتاب امام المعقولات حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ نے پڑھائی تھی جو حضرت شیخؒ کے زمانہ طالب علمی کے بے تکلف ساتھیوں میں سے ہیں۔چنانچہ جب

مذکورہ کتاب کے نتائج سنائے گئے تو حضرتؒ نے موصوف کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا:

''جناب! آپ کی کتاب میں لڑکے بہت زیادہ فیل ہیں۔ آپ امام المعقولات کیسے بن گئے؟''۔

حضرتؒ علامہ نے جواب دیا کہ:

حضور! میں امام ہوں لڑکے تو امام نہیں، پھر بھلا اس میں میری امامت کا کیا قصور؟ حضرتؒ یہ جواب سُن کر بہت ہنسے۔ (حیرت انگیز واقعات ۲۰۳)

یہ ایک ہوائی گھوڑا ہے:

مولانا عبد الحمید الاعظمیؒ لکھتے ہیں:

(تقسیم ملک سے قبل سلہٹ کے دوران قیام میں) ایک روز مولوی مزمل علی صاحب نے ڈیلی گیشن سفارشات پر بحث کرتے ہوئے حضرتؒ سے پوچھا:

''یہ گروپ بندی کیا بلا ہے؟ کیا یہ واقعی جاندار چیز ہے؟''

حضرتؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''بھائی یہ ایک ہوائی گھوڑا ہے، اس کے بارے میں ان کی عقلیں ضرور پرواز کریں گی، جو ہوائی باتوں کے پیچھے اصل حقیقت سے منہ موڑ لیتے ہیں''۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۵۸)

دلچسپ طریقے سے اصلاح:

ایک مرتبہ نماز عصر میں یہ لطیفہ پیش آیا کہ سلام پھیرنے کے بعد حضرتؒ کے بازو میں بیٹھنے والے صاحب ادباً پیچھے کھسک گئے۔ حضرتؒ بھی خاموشی سے پیچھے کھسک کر ان کے برابر ہو گئے وہ اور کھسکے حضرتؒ نے بھی ان کی پیروی کی۔ اب تو وہ بھی سمجھ گئے کہ حضرتؒ کا مقصد کیا ہے اور ذہن میں یہ بات آگئی کہ مسجد اور دربارِ خداوندی میں یہ طریقہ بے محل ہے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۸۱)

آپ نے میری تاریخ پیدائش چھین لی:

مولانا قاضی ظہور الحسن سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

حضرت مدنیؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے سوال کیا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ میں نے کہا کہ چراغ محمد

میری تاریخ ولادت ہے! یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا کہ :

یہ تو آپ نے میری تاریخ ولادت چھین لی۔ میں نے کہا کہ اس کا تصفیہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کون کس مہینے میں پیدا ہوا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا :

پہلے آپ بتائیے۔ میں نے کہا ۱۴ ر رمضان المبارک! یہ سن کر فرمایا: آپ مجھ سے بڑے ہیں۔(شیخ الاسلام نمبر ۲۸۳)

پان کا بیڑا اور اس کا خول :

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ :

حضرت مولانا مدنیؒ جناب عبدالباری صاحب لکھنویؒ کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ احقر بھی بغرضِ زیارت خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ اس موسم میں عموماً لکھنو کے اونچے طبقے کے لوگ پان کے بیڑے کپڑے کے ایسے خول میں رکھتے ہیں، جو کہ ساخت میں بیڑے کے ہم شکل ہوتے ہیں۔ چنانچہ میزبان کی جانب سے اہل مجلس کے سامنے پانوں کی تھال پیش کی گئی۔ دس پندرہ اشخاص کے سامنے سے گذرتی ہوئی جب یہ تھال میرے سامنے آئی تو میں نے بھی حسب معمول نہایت سادگی سے ایک بیڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ لیکن دانتوں سے دبانے کے بعد اندازہ ہوا کہ ہمارے حصے میں صرف کپڑے کا خول ہی آ گیا ہے۔ چونکہ روشنی کا بلب تمام مجلس سے قدرے فاصلے پر تھا۔ اس لئے خفیف سی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنے رخ کو ذرا سا پھیر کر منہ سے وہ خول نکالا اور لوگوں کی نظر بچا کر دوبارہ تھال میں رکھ دیا لیکن چونکہ میں حضرتؒ کے بالکل سامنے تھا، اس لئے میری اس حرکت پر حضرتؒ کی نگاہ پڑ گئی، بس پھر کیا تھا۔ خوب ہنسے اور فرمانے لگے :

مولانا! آپ تو پانوں کے ساتھ خول بھی کھا لیتے ہیں۔ حضرتؒ کا یہ فرمانا تھا کہ تمام حاضرین ہنس پڑے اور میں شرمندگی کی وجہ سے گردن جھکا کر خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہا حضرتؒ نے میری یہ کیفیت دیکھی تو چند اپنے اوپر بیتے ہوئے اسی قسم کے واقعات سنا دیئے اور فرمایا کہ :

جب پہلی بار خول میں لپٹے ہوئے پان میرے سامنے آئے تو خود مجھے بھی ایسا ہی اتفاق پیش آچکا ہے۔ حضرتؒ کے واقعات بیان کرنے کے بعد میری شرمندگی کافور ہوگئی۔(شیخ الاسلام نمبر ۲۹۸)

غریب کا کھانا حلق سے نہیں اُترتا :

حضرت مولانا شمس الدین مبارک پوریؒ لکھتے ہیں :

(بحثیت مہمان) حضرتؒ کے ساتھ بارہا کھانے کا اتفاق ہوا، آپ (اپنے مہمانوں کی رعایت کرتے ہوئے) ہمیشہ کھانا بعد میں ختم فرماتے اور جب میں کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتا تو ارشاد ہوتا کہ مرغن کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ غریب کا کھانا حلق سے نہیں اُترتا۔ ایک بار میں نے دل ہی دل میں یہ طے کرلیا کہ خواہ کچھ بھی ہو، آج کھاتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ حضرتؒ بھی فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے ابتدا ہی سے بہت آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا۔ سب لوگ اٹھ گئے لیکن میں کھاتا رہا، حضرتؒ بھی میرے ساتھ برابر کھانے میں مشغول رہے، بہت دیر ہوگئی۔ میں نے کھانا بند نہیں کیا۔ حضرتؒ بھی اسی دلچسپی سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ حضرتؒ اب خفا ہو جائیں گے کہ مجھے پریشان کررہا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے کھانا بند کردیا تو حضرتؒ نے مسکرا کر اب بھی یہی فرمایا: غریب کا کھانا حلق سے نہیں اترتا۔ آخر ہاتھ کھینچ ہی لیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ۳۰۲)

اور آپ یہ سمجھے کہ آپ کی کرامت کا ظہور ہوا :

دارالعلوم کے ایک مشہور استاد حضرتؒ کی مجلس میں موجود تھے۔ دیگر حاضرین کی تعداد بھی معتد بہ تھی۔ دوران گفتگو استاد موصوف فرمانے لگے کہ حضرتؒ! جنگ کے زمانے میں جبکہ مٹی کا تیل پرمٹ سے ملتا تھا۔ میں دوکاندار کے پاس گیا اور اس سے کچھ زائد تیل خریدنا چاہا لیکن میرے شدید اصرار کے باوجود اس پر راضی نہ ہوا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آنے والی رات ہی میں اسکے یہاں چوری ہوگئی۔ حضرتؒ یہ سُن کر پہلے تو مسکرائے، پھر فرمایا کہ :

جی ہاں! اس کے گھر چوری ہوئی اور آپ یہ سمجھے کہ آپ کی کرامت کا ظہور ہوا'' حضرتؒ کا یہ فرمانا تھا کہ حاضرین مجلس میں بے ساختہ ہنسی کی لہر دوڑ گئی اور متکلم کافی خفیف ہوئے۔ (انفاس قدسیہ)

خوابی صحابی :

ایک طالب علم نے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ :

حضرتؒ ! جن لوگوں نے ایمان کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ تو

صحابہ ہیں۔ لیکن اگر کسی نے بحالتِ ایمان خواب میں حضورؐ کی زیارت کی تو کیا وہ بھی صحابی ہے؟
حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :

جی ہاں ! وہ بھی خوابی صحابی ہے۔(انفاس قدسیہ)

مجھے بھی خواب ہی میں پنکھا جھل دینا :

ایک صاحب نے عرض کیا کہ :

حضور! آپ پنکھا جھلنے کو منع فرماتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے بحالت خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پنکھا جھلا ہے۔ یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا: تو پھر آپ بھی مجھے خواب میں پنکھا جھلئے گا! میں بیداری کی بات کر رہا ہوں اور آپ خواب کی۔ (ایضاً)

یہ شریفہ ہے :

مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیطؒ راوی ہیں کہ :

دعوت میں ایک صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں شریفہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا! هٰذِهٖ شَرِيْفَةٌ لا يَأ كُلُهَا اِلَّا الشُّرَفَا ۔یعنی یہ شریفہ ہے اور اسے شرفاء ہی کھاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: لَا نَأْكُلُهَا لِاَنَّ الشَّرِيْفَ قَدْاٰذَ لِىْ كَثِيْرًا " ہم اسے نہیں کھائیں گے، کیونکہ شریف (مکہ) ہمیں بڑی ایذائیں دے چکا ہے۔

کیا غسل سے انکار کر رہے تھے :

دیوبند کی ممتاز اور پر مزاح شخصیت صوفی محمود حسن صاحبؒ کا انتقال ہوا۔ موصوف کا جنازہ احاطہ مولسری میں نماز کی غرض سے رکھا ہوا تھا اور لوگ جمع ہو رہے تھے اسی اثناء میں استاد دارالعلوم مولانا عبدالاحد صاحبؒ انتہائی سادگی کے ساتھ حضرت شیخؒ سے فرمانے لگے کہ :

حضرتؒ ! صوفی جی کو غسل بڑی مشکل سے دیا گیا ہے! یہ سُنتے ہی حضرتؒ نے برجستہ فرمایا:
کیا صوفی جی غسل کرنے سے انکار کر رہے تھے؟ (ایضاً)

نبی خیز علاقہ :

ایک مرتبہ تقریر کے دوران آپ نے فرمایا :

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات

یہ علاقہ (سہارنپور دیوبند مظفرنگر وغیرہ) دوآبہ کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ ولی خیز ہے۔ (پھر مرزا غلام احمد قادیانی کی جانب طنزیہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لیکن) پنجاب کا علاقہ نبی خیز ہے۔ (ایضاً)

چند لطیفے :

(۱) ایک پیر صاحب کے مکان پر لوگوں نے حضرتؒ سے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا :

پیر کے گھر پیرائی اور چور کے گھر چھچھوڑ۔

(۲) ایک سجادہ نشین کوئی چیز دم کرانے کے لئے لائے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ :

یہ اُلٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے؟

(۳) ایک مرید نے کہا کہ میں بیعت آپ سے لینا چاہتا ہوں اور تعلیم فلاں بزرگ سے حاصل کرنا چاہتا ہوں، تو فرمایا :

میری بیعت ادھر لاؤ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ (انفاس قدسیہ)

اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے۔ حضرت مدنیؒ جیسی مجموعہ علم و فضل اور قابل قدر ہستیاں شاذونادر ہی پیدا ہوتی ہیں۔

☆ ☆ ☆

سفرِ آخرت

ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، یہ نظامِ فطرت ہے، ہر قوم ملت اور مذہب اس پر متفق ہے کہ موت یقینی ہے۔

موت سے انکار ممکن نہیں :

دنیا میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں، جو ربِّ ذوالجلال کے وجود سے انکار کرتے ہیں، تو کچھ انبیاء کرام کی رسالت و نبوت کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ کسی کو صحابہ کرامؓ کی عدالت و عظمت سے بَیر ہے تو کوئی اولیاء اللہ سے بغض رکھتا ہے، لیکن پوری کائنات میں ایسا کوئی بشر موجود نہیں جو موت کا انکار کر سکے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں :

"آپ کوٹھے سے نیچے نہیں پھاند پڑتے، اس لیے کہ سخت چوٹ کھا جانے کا یقین رکھتے ہیں۔ آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتے اس لیے کہ جل جانے کا یقین رکھتے ہیں۔ دریا میں نہیں کود پڑتے اس لیے کہ ڈوب جانے کو یقینی سمجھتے ہیں، پھر یہ کیا ہے کہ جو شے ان سب سے زیادہ یقینی ہے، جس کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں اس کی جانب سے آپ اس قدر غافل ہیں اور اپنی اس غفلت پر آپ کو ندامت تک نہیں، بلکہ جو لوگ یہ تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جو لوگ اس آنے والے یقینی وقت کی فکر میں زیادہ رہا کرتے ہیں۔ انھیں آپ کم عقل، وہمی و خبطی قرار دیتے ہیں اور یہ شاید اس لیے ہے کہ آپ نے

اپنے نزدیک جن لوگوں کو بڑا معاملہ فہم، عقل منداور خوش نصیب ٹھہرا رکھا ہے۔ان کی کتابوں میں، ان کی گفتگو میں، ان کے دلوں میں، کبھی بھولے سے بھی اس یقینی وقت کی یاد نہیں آتی اور وہ موت کے خوف کو شاید اپنی عقل، علم اور تہذیب کے منافی سمجھتے ہیں"۔

موت زندگی کا آئینہ ہے :

موت تو زندگی کا آئینہ ہے۔حدیث کا مفہوم ہے۔کہ جس طرح تم زندگی گزارو گے۔اس طرح تمہیں موت آئے گی اور جس طرح تمہیں موت آئے گی۔اس طرح یوم حشر میں اٹھائے جاؤ گے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ مقبول بارگاہ خداوندی تھے۔انہیں موت میں زندگی کا آئینہ نظر آتا تھا۔

منامی تنبیہات :

حضرت مدنی ؒ کے سفر آخرت سے پہلے کئی اہل اللہ کو ایسے خواب نظر آئے۔جن میں ان کا سفرِ آخرت کا منظر اور اطلاع جیسی کیفیت تھی۔پروفیسر محمد احمد لکھتے ہیں :

وفات سے ایک روز پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک طالب علم جو حضرت مدنی ؒ کے ہاں روحانی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور تصوف کے منازل طے کر رہے تھے۔وہ حضرت ؒ کے یہاں باہر بیٹھے تھے کہ انہوں نے دو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنی کہ بہت تیزی سے آرہے ہیں۔اچانک ایک سفید پوش انسان نے ان کی آنکھوں کو بند کرلیا اور کہا بھی کہ اپنی آنکھیں بند کرلو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور دوسرا گھوڑا زین کسا ہوا ساتھ ہے۔طالب علم نے عرض کیا کہ خالی گھوڑا کس لیے ہے۔فرمایا یہ خالی گھوڑا حسین احمد کیلئے ہے۔میں حسین احمد کو لینے آیا ہوں۔خالی گھوڑے پر ایک انڈہ رکھا ہوا تھا۔اس طالب علم نے سوال کیا یہ انڈہ کیسا ہے؟ فرمایا یہ مقام محدثین کا ہے۔پھر اس طالب علم نے آنکھیں کھول لیں۔اس شام کو سہارنپور کے سول سرجن صاحب اور دیگر ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد فرمایا کہ سائنس کی رو سے مولانا حسین احمد مدنی ؒ کو ایک منٹ بھی زندہ نہ رہنا چاہئے۔حضرت ؒ فقط اپنی روحانی طاقت سے زندہ ہیں۔(سرتاج الاولیاء ۱۳)

طے شدہ نظام الاوقات کی پابندی :

میرے شیخ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی ؒ نے "حضرت مدنی ؒ کا مرضِ وفات" کے

عنوان سے حضرت مدنیؒ کے سفر آخرت کی پوری روئیداد لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت مدنیؒ کے اسفار کے پروگرام ہفتوں مہینوں بلکہ سال سال بھر پہلے سے مرتب اور طے ہوتے تھے۔ ان ترتیبات میں کبھی خلاف اور خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ قیام کی مدتیں بھی ایک دن دو چار ہفتہ اور کبھی کبھی مہینہ بھر کیلئے ہوتی تھیں۔ ان تمام پروگرام کی حیرتناک طور پر پابندی ہوتی تھی۔

پہلا سفر جس میں نظام الاوقات کی پابندی نہ ہوسکی :

اسی معمول کے مطابق ۴ جولائی کو حضرت مدنیؒ مدراس کے سفر پر روانہ ہوئے اس صوبے کے مختلف مقامات پر کم وبیش ڈیڑھ ماہ سفر کا پروگرام تھا۔ مگر دس پندرہ روز بعد ہی اچانک واپس تشریف لے آئے، دیکھنے والوں کو نہایت حیرت اور صدمہ پہنچا کہ زندگی بھر میں پہلی بار خلاف معمول درمیان سفر میں واپسی کی، کوئی غیر معمولی وجہ پیش آئی ہوگی۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ سانس لینے میں تنگی محسوس ہوئی اور خطرہ ہوا کہ یہ بڑھ نہ جائے اس لیے واپسی مناسب معلوم ہوئی سُننے والوں نے سُن تو لیا کہ سانس میں تنگی محسوس ہوئی مگر دلوں پر اس خبر سے قیامت گذر گئی۔

عارضۂ قلب کا آغاز :

دو چار دنوں کے بعد سینے میں حوالی قلب میں درد محسوس ہوا اور یہ تنفس عارضۂ قلب میں تبدیل ہو گیا۔ شروع شروع میں جب تک درد قابل برداشت رہا، معمولات حسبِ دستور جاری رہے۔ حدیث شریف کے درس بھی ہوتے رہے۔ نمازیں مسجد میں باجماعت اور جمعہ کی نماز جامع مسجد میں' عام مجلس میں تشریف آوری برابر جاری رہی۔ مگر مرض بھی آہستہ آہستہ زور پکڑتا رہا۔ تکلیف بڑھ گئی۔ تو مقامی ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ ڈاکٹروں نے قلب کا پھیلاؤ یا بڑھ جانا تجویز کیا۔

دنیا کا آخری سفر :

عین اس دوران سہارنپور اور رائے پور کا سفر درپیش آیا اور یہی اس دنیا کا آخری سفر ثابت ہوا۔ ۵ محرم کو سہارنپور گئے تھے۔ وہاں کے ایک قدیم اور مشہور ڈاکٹر برکت علی مرحوم نے ایکسرے، کارڈیوگرام، بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کا معائنہ کیا اور نہایت احتیاط، مکمل آرام اور حتی الامکان سکوت وسکون کی تاکید کی، مگر واپسی کے بعد بھی ہمت، توکل علی اللہ اور عزم وارادہ کے بل پر معمولات، ملاقاتیں، عبادتیں اور سبق وغیرہ جاری رہے۔

بخاری کا درس ناغہ نہ ہو :

آپ چاہتے تھے کہ چاہے سٹریچر پر سوار ہو کر جائیں۔ مگر بخاری شریف کے درس کا ناغہ نہ ہو۔ اطبانے، خدام نے، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اور علماء دیوبند نے ہر طرح سبق ملتوی کرنے پر اصرار کیا، مگر آپ اشتغالِ حدیث کے ترک پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔ پکڑ اکر، اٹھا کر اور سہارا لے کر کسی نہ کسی طرح دارالحدیث میں تشریف فرما ہوتے رہے اور دو دو تین تین گھنٹے کے درس میں حق تعالیٰ کی جانب سے اتنی دیر کیلئے ایسی طاقت عود کر آتی رہی۔ کہ سننے والے اور دیکھنے والے اندازہ بھی نہ کر پاتے تھے۔ کہ یہ محدثِ عصر قلب کے امراض اور بیماریوں کے اعراض میں چور ہو چکا ہے۔ لیکن محض عزم و ہمت ہی کے سہارے یہ معمول کب تک نبھ سکتا تھا۔

دارالحدیث سے الوداع :

آخر کار یہ سلسلہ بادلِ نخواستہ، باچشم گریاں منقطع کرنا پڑا اور ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء کو بخاری شریف کا سبق پڑھا کر دارالحدیث کو، دارالعلوم کو، طلباء حدیث کو اور مسند محدثین کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہا............

جان کر منجملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اس امید میں کہ اللہ کرے گا حضرتؒ اس عارضی علالت سے پھر اٹھ کر کھڑے ہوں گے۔ حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد سے درخواست کی گئی اور انہوں نے عارضی طور پر بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق شروع کر دیے۔ حضرت مدنیؒ بالکل سارے معمولات سے دستکش ہو گئے۔ اب تک تو اتنی سکت تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح نمازیں گھر سے متصل مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے رہے۔ مگر یہ آخری قوت بھی آہستہ آہستہ رخصت ہو رہی تھی۔

نماز با جماعت کا اہتمام :

ناچار بڑی مشکل سے حجرۂ استراحت سے اٹھ کر مہمان خانے تک تشریف لاتے اور نمازیں وہیں جماعت سے ادا فرماتے۔ اٹھنے اور چلنے میں کسی کا سہارا لینے سے انکار فرماتے رہے۔ اور ساری نمازیں کھڑے ہی ہو کر پڑھتے رہے۔

اس درمیان میں دوسرے معالجین کے ساتھ لکھنؤ سے ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبدالعلی صاحبؒ اپنے چھوٹے بھائی سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ہمراہ معائنے کیلئے تشریف لائے۔ نہایت توجہ کے ساتھ معائنہ وتشخیص فرمائی ان کے بعد اپنے وقت کے مشہور ماہر قلب معالج لکھنو ہی کے ڈاکٹر عبدالحمید بھی آئے ان تمام کی تاکید رہی کہ باہر نکلنا، زیادہ ملاقاتیں کرنا اور کسی قسم کی مشغولیت میں مصروف ہونا بالکل ترک کردیا جائے۔

آخر کار وہ وقت بھی آ ہی پہنچا کہ حضرتؒ اپنے کمرے ہی میں محدود ہو گئے۔ خدام، مریدین، منتسبین اور تلامذہ جوق در جوق آتے اور محروم واپس چلے جاتے۔ تکلیف برابر بڑھتی ہی رہی اور اس کے ساتھ کمزوری میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ خوراک اول تو ہوتی ہی کیا تھی، جو تھی بھی اس میں ڈاکٹروں نے نمک کی ممانعت کردی تھی۔

نمازیں کھڑے ہوکر پڑھنے کے عزائم:

معالجین اس پر اصرار کررہے تھے۔ کہ نمازیں کھڑی ہوکر نہ پڑھی جائیں۔ مگر حضرتؒ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ ایسا اندازہ ہوتا تھا۔ کہ جیتے جی بیٹھ کر نماز پڑھنے پر تیار نہ ہوں گے مگر ایک ایسا حملہ ہوا کہ لیٹنا متعذر ہوگیا۔ جیسے ہی لیٹتے تھے۔ دل میں درد شروع ہو جاتا تھا۔ اس لیے دن رات سارا وقت بیٹھے بیٹھے گذرنے لگا اور اس حالت میں جسم وجان کی رہی سہی قوت بھی تحلیل ہوکر رہ گئی۔

محبین نے سردہ پاکستان سے منگوایا:

غذا وغیرہ تو قریب قریب چھوٹ ہی گئی تھی کوشش کی جاتی تھی کہ کسی نہ کسی بہانے کوئی پھل وغیرہ ہی استعمال میں آجائے۔ ایک دن فرمایا، کیا بازار میں سَردہ نہیں ملتا۔ اس وقت سَردہ بازار میں موجود نہیں تھا۔ ایک خادم اس کی تلاش میں سہارنپور، میرٹھ اور مظفرنگر اور دہلی تک پہنچا، مگر کہیں نہیں ملا۔ بعد میں سَردہ پاکستان سے بذریعہ ہوائی جہاز آیا مگر اس کا استعمال برائے نام ہی رہا کوئی افاقہ نہیں ہوا تو یونانی علاج کا مشورہ ہوا۔

ایک افاقہ:

چنانچہ اس وقت کے سارے ہندوستان کے مشہور معالجین حکیم عبدالجلیل، حکیم محمد اسماعیل صدیقی دواخانہ دہلی۔ حکیم محمد عمر صاحب دارالعلوم دیوبند، حکیم شفیق احمد صاحب دیوبند، حکیم محمد یاسین

صاحب نگینہ، حکیم محمد صدیق صاحب بریلی، حکیم ذکی احمد صاحب جانشین مسیح الملک، حکیم اجمل خان ،حکیم عبدالحمید صاحب مالک ہمدرد دواخانہ دہلی وغیرہ سارے ہی یونانی اطبا جمع ہوئے اور نہایت غور وفکر کے ساتھ دوائیں، علاج اور غذائیں تجویز کی گئیں۔ اس علاج سے حیرتناک طور پر افاقہ ہوا اور حضرتؒ ایک طویل مدت کے بعد باہر تشریف لائے، اس واقعہ سے چاروں طرف مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

مگر پھر اچانک حالت دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ اب تک دن رات کے بیچ میں ایک آدھ گھنٹہ نیند آجاتی تھی۔ اب اس میں بھی معذوری ہوگئی۔ ایک منٹ کیلئے بھی لیٹ نہیں سکتے تھے۔ جیسے ہی تکیے پر سر رکھتے سانس پھولنے لگتا اور مجبور ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ سارا دن ساری رات بیٹھے ہی بیٹھے گزرتا تھا۔ غذا کا اوّل تو نام ہی رہ گیا تھا، مگر جو کچھ بھی رقیق سیال ایک آدھ چمچہ پیٹ میں چلا جاتا تھا، فوراً قے ہوجاتی تھی۔ کوئی چیز ایک منٹ بھی نہیں رکتی تھی۔ کمزوری کی شدت، بے خوابی، عدم راحت اور بے چینی اپنی جگہ پر تھی۔ اس پر تھوڑی دیر کے بعد قے کی تکلیف نے نڈھال کر دیا۔

شدید مرض میں بھی کام کرتے رہے :

اس حالت میں بھی ضروری کاغذات دیکھتے، ہدایات دیتے اور دستخط کرتے رہتے۔ عیادت کرنے والوں سے باتیں بھی کرتے رہے۔ ان کے احوال اس طرح کہ گویا عام حالات کی معمول کے مطابق ملاقاتیں ہیں۔ امیر جماعت تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ تشریف لائے۔ تو نہایت بشاشت سے ان کے ساتھ باتیں کیں۔ اپنی بیماری، کمزوری اور تکلیفوں کا کوئی شکوہ وتذکرہ نہیں فرماتے تھے۔ مزاج پُرسی پر بھی یہی فرمایا کرتے کہ الحمد للہ اچھا ہوں۔ بزرگان دین اور علمائے کرام کے سامنے مسجد کی عدم حاضری، جماعت سے محرومی اور بیٹھ کر نمازوں کی ادائیگی پر صدمہ اور دُکھ کا اظہار فرماتے تھے۔

پہلے یا دوسرے دسمبر کو تنفس کی شکایت میں افاقہ ہوگیا، بڑی راحت محسوس فرمائی، کچھ آرام بھی فرمایا، خدام میں یہ مسرت افزا خبر پھیل گئی کہ اب مرض کا ازالہ ہو رہا ہے۔ صرف کمزوری باقی ہے۔

افاقہ اور وصیتیں :

۱۳ جمادی الاول بمطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات کی ایک ابر آلود صبح کو نو یا دس بجے کے قریب کمرے سے نکل کر بغیر کسی کی مدد کے چھڑی کے سہارے صحن میں تشریف لائے اور آرام فرمایا،

بہت دنوں کے بعد صحت اور طاقت کی یہ معمولی سی نشانی آئی تھی۔ امید اور اطمینان کے لئے یہ تھوڑا اسہارا بھی بہت کافی تھا۔ منٹ منٹ پر افاقہ اور اطمینان کی خبریں مدرسے میں، شہر میں اور شہر سے باہر علاقوں میں پھیل رہی تھیں۔ لوگوں کی خوشی و مسرت کا اندازہ لگانا مشکل تھا، درمیان میں باتیں بھی کرتے رہے، مسکراتے اور ہنستے بھی رہے اور ہشاش بشاش رہے۔ بارہ بجے کے بعد کمرے میں واپس آئے، کسی طرح غذا تناول فرمائی، بچوں اور اہلیہ محترمہ سے باتیں کیں، پان کھایا اور سب بچوں کو حُسنِ خلق کے، حسن معاملہ اور پابندیٔ شریعت کے بارے میں نصیحتیں فرماتے رہے۔

اے شاہدِ مستانہ :

بہر حال ایک طویل مدت کے بعد حضرت مدنی ؒ باہر تشریف لائے۔ اس واقعہ سے اور تشریف آوری کی خبر سے چاروں طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اس موقع پر ڈاکٹر رشید الوحیدی دہلی کی ایک نظم ملاحظہ سے گزر جائے تو اس جوش مسرت کا اندازہ ہو جائے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا اے شاہد مستانہ
محفل میں نظر آیا وہ جلوۂ جانانہ
جو غنچہ و گل اب تک محروم تبسم تھے
ہے ان کی نگاہوں میں خوشیوں کا اک فسانہ
مے نوشوں نے بڑھ بڑھ کر پھر جام اُٹھائے ہیں
ساقی تری آمد سے گردش میں ہے پیمانہ
کیا شوقِ تماشا ہے ساقی ترے رندوں کو
اک جذب کا عالم ہے اور خود سے ہیں بے گانہ
اب تک تھی نگاہوں پر پابندیٔ نظارہ
اب جلو نما خود ہے وہ جلوۂ جانانہ
ہے جس کی نگاہوں میں پیغامِ عمل کوشی
راس آتی ہے مؤمن کو وہ حرارتِ رندانہ
تنہائی میں سوچا ہے میں نے یہ رشید اکثر
ہے ان کی غلامی میں اک رُتبہ شاہانہ

(شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ ص:۷۹۰)

کمرہ خالی کرادیا گیا اور ہمیشہ کے لیے محو استراحت ہو گئے :

اسکے بعد کمرہ خالی کردیا گیا اور سب لوگ اس خیال سے باہر آگئے کہ کچھ دیر نیند آجائے اس کے آدھ گھنٹے یا شاید ایک گھنٹے کے بعد کوئی لڑکا کمرے میں داخل ہوا، حضرتؒ آرام کے ساتھ محو خواب تھے۔ اس نے خوشی میں غور سے دیکھا تو پیشانی اس طرح پھڑک رہی تھی جیسے آنکھیں پھڑکتی ہیں یا گوشت کا کوئی ٹکڑا خود بخود مرتعش ہو جاتا ہے خیال بھی نہ گزرا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات ہو سکتی ہے اور باہر آ گیا، اس کے ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کے بعد گھر کے لوگ نماز کے لیے بیدار کرنے کی غرض سے اندر گئے، پکارا جگایا اور آخر میں ہلایا مگر کوئی جواب، کوئی حرکت، نہ دیکھی تو لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر دوڑے، بھاگے ڈاکٹروں اور حکیموں کو بلایا، انہوں نے معائنہ فرمایا اور تھوڑی ہی دیر میں اعلان کر دیا کہ شیخ العرب والعجم، امام العصر، محدّث دوراں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا وصال ہو چکا ہے سدا رہے نام اللہ کا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

ع آسمان راحق بود گر خون ببارد بر زمین

موت کے بعد مسکرا رہے تھے :

جسم پر وفات اور موت کا ذرہ برابر اثر نہ تھا، بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ ذرا آواز ہوئی، تو ابھی آنکھیں کھول دیں گے، چہرے پر فرشتوں جیسی معصومیت طاری تھی اور دائمی مسکراہٹ بھی جو زندگی بھر ہونٹوں کا طرّہ امتیاز رہی تھی ابھی دو دن پہلے حسبِ معمول نہایت اطمینان سے حجامت بنوائی تھی جس کی وجہ سے بالوں، داڑھی، مونچھ اور چہرے کی صفائی و ترتیب میں کوئی فرق نظر نہیں آرہا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کشش اور جمال میں اضافہ ہو گیا ہے۔

آل انڈیا اہلِ حدیث کے نائب صدر حاجی محمد عدیل صاحب دہلوی نے حضرت مدنیؒ کے چہرے کی زیارت کے بعد جناب مہتمم صاحب اور دوسرے بزرگوں سے فرمایا :

''اگر میں حضرتؒ کی زیارت خود اپنی آنکھوں سے نہ کر لیتا اور کوئی مجھ سے کہتا کہ مولانا حسین احمد موت کے بعد مسکرا رہے تھے، تو میں اس بات کا یقین نہ کرتا مگر کیا کروں اپنی آنکھوں کو نہیں جھٹلا سکتا۔ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدّنیا و الآخرہ کی کیسی صحیح

کانگریسی ملا، ہندووں کا یار، مسلمانوں کا غدار،پاکستان کا دشمن، گاھندوی کھدر پوش کی کرامات
تفسیر اور کیسی حسین تعبیر تھی، حضرت مدنیؒ کی زندگی بھی اور موت بھی۔

(الحرم میرٹھ مدنی نمبر ۶)

وفات کی خبر صاعقہ اثر :

حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد فوراً ہر جگہ ٹیلی فون، تار اور فرستادہ دوڑ گئے تھوڑی دیر بعد آل انڈیا ریڈیو نے وصال کی اطلاع نشر کی، بہت سے شہروں کے بازار بند ہو گئے۔ ختم قرآن کا اہتمام ہونے لگا اور لوگ دیوانہ وار دیو بند کی طرف روانہ ہو گئے اسپیشل ٹرینیں، بسیں، لاریاں، ٹرک، موٹریں، تانگے، ٹریکٹر، سائیکل پیدل اور موٹر سائیکل غرض جس کو جو سواری میسر آئی دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدرسہ دیو بند اور حضرتؒ کے دولت کدہ پر جمع ہو گیا لاکھوں انسانوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، لوگ ہچکیاں اور سسکیاں لیکر رو رہے تھے ہزاروں آدمی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے بعض لوگ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں کہیں کہیں یہ خبر صاعقہ اثر سن کر کئی لوگوں کے ہارٹ فیل ہو گئے، حسرت زدوں میں مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی برابر کے شریک تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ :

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ صاحب تشریف لائے، حضرتؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ کٹ کر رہ گیا، ڈھائی تین بجے وصال ہوا تھا۔

غسل و تکفین :

مغرب یا عشاء کے بعد اسی جگہ پر جہاں وفات ہوئی تھی مولانا عبدالاحد صاحبؒ صدر مدرس دار العلوم دیو بند، مولانا راشد حسن نبیرۂ حضرت شیخ الہندؒ نے غسل دیا۔ اس کے بعد آخری حج کے احرام کی چادر کا کفن تیار کیا گیا اور اس میں حضرتؒ کے مشائخ اور اساتذۂ حدیث کے تبرکات حضرتؒ کی خواہش کے مطابق منسلک کر کے کفن پہنا دیا گیا، نو بجے تک جنازہ تیار کر کے تھوڑی دیر کے لیے اہلیہ محترمہ، صاحبزادیوں اور اعزہ و خواتین کی زیارت کے لیے وہیں رکھا، پھر ساڑھے نو بجے جنازہ اٹھایا گیا، مجمع کی بیتابیوں کا' آہ و بکاہ کا' اور رنج و صدمہ کا حال بیان کے بس کی بات نہیں کئی سال گزر جائینگے یہ دل خراش داستان ختم نہ ہو گی گھر سے مدرسے تک پانچ منٹ کا راستہ ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوا۔

آخری دیدار :

جنازہ کی نماز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے پڑھائی، اس کے بعد جنازہ زیریں دار الحدیث میں عام زیارت کے لیے رکھ دیا گیا، تین ساڑھے تین گھنٹے تک لائن بنا کر نظم وضبط کے ساتھ زیارت ہوتی رہی، آخر رات کو دو بجے کے قریب جنازہ اپنے سفر پر قبرستان کے لیے روانہ ہوا۔

قبرستان میں ہزاروں علماء موجود تھے قبر میں مولانا عبد الاحدؒ صاحب، مولانا راشد حسنؒ صاحب عثمانی، مولانا شوکت علی خان اور بڑے صاحبزادے مولانا اسعد مدنی نے اُتارا۔

شیخ الہندؒ کے قدموں میں :

آپ کا مزار حضرت شیخ الہندؒ کے قدموں میں ہے۔ حضرت مدنیؒ نے امت کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی، جوانی، بڑھاپا گھر بار دنیا کی تمام انسانی مسرتوں کو اُمت کی خدمت پر قربان کر دیا، نہ کسی سے احسان کے بدلہ کی تمنا، نہ کسی دشمن کی ایذا رسانی پر شکوہ' اکیاسی ۸۱ سال اس عالم رنگ و بو میں گزار کر مسلمانوں کو یہ پیغام دے کر راہی خلد بریں ہو گئے ....

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

(تخلیص چراغ محمد ص ۴۴۵ تا ۴۵۵)

خوانِ یغما

کتاب مکمل ہو چکی تھی۔ ابواب کی تقسیم، کتابت کی تکمیل بلکہ کاپیاں بھی جڑ گئی تھیں اور کتاب پریس میں جانے لگی کہ بعض نئے واقعات اور تاریخی شواہد و مشاہدات سامنے آئے، ذیل میں وہی مطالعات اور تعلیقات ''خوانِ یغما'' کے عنوان سے درج کئے جا رہے ہیں۔ (حقانی)

قلمی چہرہ :

معروف صحافی شورش کاشمیریؒ لکھتے ہیں :

بعض یادوں کے ساتھ بعض تصویریں بھی دُھندلا گئی ہیں۔ یقین مانیے اس وقت چشمِ تصور میں مولانا مدنیؒ کی تصویر نہیں آ رہی ہے، لیکن دل پر اب بھی ان کی بڑائی کا نقش کھدا ہوا ہے۔ مولانا سید ادریس احمد دہلویؒ نے جو اہل اللہ میں سے تھے، ایک دفعہ آپ کے اشغال پر کہا تھا :

''حسین احمد! تمہاری سیاست میری سمجھ میں نہیں آتی ہے، سمجھ میں آتی تو میں تمہارے ساتھ شب و روز چکر کاٹتا، لیکن تمہاری مخالفت بھی نہیں کرتا کیونکہ مجھے تمہارے دینی مرتبہ کا علم ہے اور تمہاری مخالفت کر کے میں جہنم کی آگ نہیں خریدنا چاہتا''۔

کہتے ہیں لازماً محمود حسن شیخ الہندؒ کی بوقلموں خوبیاں قدرت نے ان کے چار شاگردوں کو بانٹ دی تھیں :

حدیث کا علم علامہ انور شاہ کے حصہ میں آیا تھا۔ قرآن کا علم مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو ملا تھا، سیاسیات کے فہم میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ایثار و عمل میں مولانا حسین احمد مدنیؒ ان کے جانشین تھے“۔

مولانا مدنیؒ واقعی ان لوگوں میں سے ہیں جن سے فقر و استغنا کا بوریہ قائم ہے یا جن سے شہنشہی کی جبینوں پر خراش آتی ہے !

مسلم لیگ نے ہندوستانی سیاسیات میں جن لوگوں کو اپنے قہر و غضب کا شکار بنایا اور مختلف الاصل ملاحیوں سے نوازا، ان میں مولانا حسین صاحب مدنیؒ سرفہرست تھے۔ آج ہمارے سیاسی فرماں رواؤں کو ”جن نڈر ہاتھوں“ سے گلہ ہے۔ وہ بہت پہلے مولانا کی داڑھی تک پہنچ چکے تھے۔ مگر کسی مرحلے میں بھی انہوں نے اُف نہیں کی۔ البتہ حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوری نے ایک گفتگو میں کہا تھا :

”مسلمانوں نے حسین احمدؒ اور ابوالکلامؒ سے سب و شتم کا جو برتاؤ کیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں حسین احمدؒ کا تقویٰ اور ابوالکلامؒ کا صبر انہیں لے نہ ڈوبے“۔

اور انسان ان سانحات سے ایک گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے کہ جن ہستیوں کو مسلمانوں نے ان کی موت کے بعد دین کے معاملے میں مستند تسلیم کیا۔ ان کی زندگی میں انہیں بُری طرح خوار کیا بلکہ انہیں رسوائی کا تماشا بنانے میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی!

مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ذاتی عقیدت منداس برصغیر کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔ ہر وہ طالب علم جو دیوبند کا فارغ التحصیل اور آج کسی نہ کسی مسجد کا پیش امام یا کسی نہ کسی عربی مدرسہ میں استاد ہے، ان کا ارادت کیش ہے۔

مسلم لیگ کے زمانۂ عروج میں جمعیۃ العلماء کے وجود کا نوے فیصد حصہ مولاناؒ ہی کے ذاتی حلقہ بگوشوں کا مرہونِ منت تھا۔ اُن کا نام تحریک پاکستان کی طرح ہندوستان کے ہر قریے میں موجود تھا۔ سلہٹ سے لے کر خیبر تک کے دیہات میں اُن کے شاگرد موجود تھے اور ان کی بدولت ان کا نام بھی لیا جاتا تھا۔ وہ کوئی بڑے سیاستداں نہ تھے، انہوں نے انگریز دشمنی کا جذبہ ورثہ میں پایا تھا۔ اُن کا وجود ۱۸۵۷ء کے علماء کی بغاوت کا مظہر تھا۔ وہ گھنٹوں بے تکان بولتے چلے جاتے تھے، لیکن کوئی عظیم خطیب نہ تھے، ان کا احترام محض ان کے دینی وجود کی وجہ سے تھا۔ لوگ انہیں مالٹا کے اسیر کی حیثیت سے جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اس شخص نے سالہا سال رسول اللہ ﷺ کے روضے کی جالی کے پاس بیٹھ کر حدیث کا سبق پڑھایا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ (شاہ جی) دیوبند میں میٹھی نیند سو رہے تھے کہ فجر کی اذان ہوگئی۔ وہ بدستور سوئے رہے۔ اتنے میں کسی نے پاؤں دابنے شروع کیے۔ ہاتھوں کی ملائمت سے غنودگی تیز ہوتی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پلٹ کر دیکھا تو مولانا مدنیؒ پاؤں داب رہے تھے۔ شاہ جی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔

''حضرت ! آپ گنہگار کر رہے ہیں .... !!''

''شاہ جی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے محسوس کیا، آپ کو جگالوں ...... لیکن پھر خیال آیا آپ تھکے ہوئے ہیں۔ یہی مناسب سمجھا کہ پاؤں دابوں ...... تھکاوٹ دور ہوگی، آنکھ کھلے گی تو ممکن ہے نماز قضا نہ ہو''۔

اور یہ تھے حسین احمد مدنیؒ ، ہندوستان میں اسلاف کی آخری صدا۔ (قلمی چہرے: ص ۹۸)

چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را :

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ رقمطراز ہیں :

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، اسی زمانے میں جب بخاری کا درس جاری تھا، منجملہ دوسری خوش نصیبیوں کے اپنی زندگی کی ایک بڑی کامیابی، اس حسنِ اتفاق کو خیال کرتا ہوں کہ ٹھیک انہیں دنوں میں جب شیخ الہندؒ جیسے شیخِ وقت سے پڑھنے کا موقع میسر آیا تھا، شیخ مدنیؒ اچانک مدینے سے دیوبند تشریف فرما ہوئے اور تشریف لاکر مسجد نبوی کے حلقۂ حدیث کا شیخِ درس، طالب العلم بن کر طلبۂ بخاری کی جماعت میں شریک ہوگیا۔ شیخ الہندؒ استاد تھے اور شیخِ مدینہ شاگرد۔ درس کے جس حلقے کا یہ رنگ قائم ہوگیا ہو، وہاں غریب طلبہ کا وجود اگر عدم بن کر رہ گیا ہو تو اس کے سوا اور ہوتا کیا؟ قاری بخاری کے اب شیخ مدنیؒ تھے اور سارے طلبہ سامع بن گئے۔ اب میں کیا بتاؤں کہ اس عجیب وغریب درس میں کیا کیا سنا، کیا کیا دیکھا، جنہوں نے نہیں سنا، نہیں دیکھا، سوچ کر ہی ان کو اندازہ کرنا چاہئے کہ ایک کہنہ مشق فاضلِ جلیل طالب علم بن کر اپنے حد سے زیادہ شفیق استادِ گرامی سے کیا پوچھتا تھا اور جواب کیا پاتا تھا۔

سوال و جواب کی خاص منزل تک پہنچنے کے بعد یہ واقعہ ہے کہ طلبہ کی اکثریت بازو ڈال کر بیٹھ جاتی تھی۔ ایک ایک مسئلے پر شیخ الہندؒ اور شیخِ مدینہ کے درمیان دیر تک گفتگو ہوتی رہتی۔ میدان کے دو کھلاڑیوں کے داؤ پیچ کا تماشا [illegible]

کے دیکھنے والوں میں اس ظلوم وجہول کو شریک ہونے کا موقع حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آسان فرمایا۔

(احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن ص:۱۶۱)

مزاحی لطیفے :

جذبات کے ساتھ محبوب استاد اور محبوب تلمیذ کے درمیان کبھی کبھی مزاحی لطیفوں کا بھی تبادلہ ہوتا، یاد پڑتا ہے کہ کسی خاص مسئلے میں حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ پر اس مسئلے میں امام شافعیؒ ہی غالب نظر آتے ہیں، سننے کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کی زبان مبارک سے بیساختہ یہ فقرہ نکلا کہ :

''ہاں بچھڑنے کی آواز تو میں نے بھی سنی لیکن نیچے کون ہے، اس کو آپ دیکھئے''۔

شفقت و محبت کے غیر معمولی جذبات نے سخن گستری کے میدان کو وسیع کر دیا تھا، کبھی کبھی حضرت شیخ الہندؒ فرماتے :

''آخر عرب کی بداوت سے تم کو بھی متاثر ہونا پڑا۔ بدووں کی سمجھ میں یہ نکتہ نہیں آ سکتا''۔

میرے لئے تو ان الفاظ کو نقل کرنا بھی بے ادبی ہے، محبوب استاذ اور محبوب تلمیذ کے درمیان سوز و ساز کے جو تعلقات تھے، ان کا رنگ تو انہیں بے تکلیفوں میں نکھرتا تھا۔ یہ سال مہربانیوں اور لطف و کرم کا سال تھا۔

حضرت مدنیؒ کے حلقۂ درس میں :

اس کے بعد مولانا مناظر احسنؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ :

شیخ الہندؒ کے ساتھ شیخِ مدینہ سے بھی نسائی شریف پڑھنے اور سننے کا موقع اسی زمانہ میں میسّر آیا، حضرت مدنیؒ کی تشریف آوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے، مدرسہ والوں نے دورے کا ایک سبق آپ کے بھی سپرد کر دیا تھا، زندگی میں پہلا موقع بھی تھا اور آخری بھی کہ براہِ راست عربی زبان میں مطالب کی تقریریں اپنے استاذ سے سنیں۔ حضرت مدنیؒ مدینہ منورہ کی مسجد میں بزبانِ عربی درس دینے کے عادی تھے، یہاں بھی حسبِ عادت جو کچھ بھی فرماتے فصیح عربی زبان ہی میں فرماتے، اس وقت مدینہ منورہ سے تازہ وارِد تھے۔ اب تو ہندوستانی طالب علموں کی رعایت فرماتے ہوئے ہندوستان کے دستور کے مطابق آپ کی درسی تقریریں بھی اردو زبان ہی میں ہوتی ہیں، مگر ان پر بھی عربی لب و لہجہ کا رنگ اب بھی غالب ہے۔ گویا بخاری کے سبق میں رفاقت اور نسائی میں تلمذ، ان دو گونہ نسبتوں کا شرف

حضرت مدنیؒ کی ذات گرامی سے بحمد اللہ اس ذرّہ ناچیز کو حاصل ہوا، جن کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

(احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۱۶۱)

دار العلوم دیو بند میں مجلس علمی کا قیام :

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم راوی ہیں کہ میرے والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

جب حضرت مدنی قدس سرہٗ حدیث کا درس دینے کے لئے دار العلوم دیو بند تشریف لائے تو آپ نے دار العلوم کے اساتذہ پر مشتمل ایک ''مجلس علمی'' قائم فرمائی۔ اس مجلس کا مقصد یہ تھا کہ اساتذہ باہم بیٹھ کر علمی مذاکرات کریں اور جس استاذ کو کوئی علمی اشکال پیش آیا ہو وہ سب کے سامنے رکھے اور اس پر تبادلۂ خیال ہو، چنانچہ معمول یہ تھا کہ ہر جمعرات کو تمام اساتذہ اپنے اپنے گھروں سے کھانا منگوا لیتے، اجتماعی طور پر کھانا بھی ہوتا اور علمی مسائل بھی زیر بحث رہتے تھے۔ یہ بڑی دلچسپ مجلس ہوتی تھی، جس میں اساتذہ کو ایک دوسرے کی معلومات سے استفادے کا موقع ملتا تھا اور حضرت مدنیؒ اس مجلس کی روحِ رواں ہوتے تھے۔

درسِ حدیث پڑھانے کی ترغیب :

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کا یہ عظیم احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے مجھے علم حدیث کی طرف متوجہ فرمایا اور اصرار کر کے مجھے حدیث کی تدریس پر آمادہ کیا۔ اس سے پہلے میں علوم آلیہ سے لے کر تفسیر اور فقہ تک ہر علم وفن کی کتابیں دار العلوم میں پڑھا چکا تھا، لیکن حدیث پڑھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت والد صاحبؒ خود تحریر فرماتے ہیں :

''جب آپ سلہٹ میں تشریف رکھتے تھے تو وہاں حدیث پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی، مجھے والا نامہ تحریر فرما کر بلایا۔ میں نے عذر کیا کہ اس وقت تک دار العلوم میں مجھے کبھی حدیث پڑھانے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اس پر تقاضا کا خط آیا کہ ایسا کیوں کیا؟ حدیث کی تعلیم کو ضروری سمجھو! پھر دیو بند تشریف آوری کے وقت دوبارہ حکم دیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ! جہاں استاذِ محترم

حضرت شاہ صاحبؒ درسِ حدیث دیتے ہوں، وہاں ایسا احمق کون ہوگا جو مجھ سے حدیث پڑھنے کو گوارا کرے گا؟

فرمایا نہیں، کوئی نہ کوئی کتاب حدیث کی ضرور پڑھایا کرو! اور پھر مجھے بار بار اس کا تقاضا فرمایا بالآخر دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے مؤطا امام مالک کا درس میرے سپرد ہوا اور اس کے بعد دورۂ حدیث کی دوسری کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی"۔

(نقوش وتأثرات ص ۲۳)

شیخ الہندؒ کے اوصاف وکمالات کا عکسِ جمیل :

مولانا محمد تقی عثمانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ :

حضرت والد صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عام طور سے لوگوں نے حضرت مدنیؒ کی صرف سیاسی جدوجہد کو ان کا اصل کمال سمجھ لیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سالہا سال حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت وصحبت میں رہنے کی جو توفیق عطا فرمائی، انہوں نے اپنے شیخؒ کی خدمت اور عقیدت ومحبت میں اپنے آپ کو جس طرح فنا کیا اور اپنی عام زندگی میں اپنے شیخ کے اوصاف وکمالات کو جس طرح منعکس کرنے کی کوشش کی۔ حضرت مدنیؒ کی عظمت کے اس پہلو کو اتنا اُجاگر نہیں کیا گیا جتنا اس کا حق تھا۔

اب آپ ہی امامت فرمائیں :

مولانا محمد تقی عثمانی نے مزید لکھا ہے کہ :

کپڑے کے وہ باریک موزے جو ثخین نہ ہوں، لیکن ان کے تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو، جنہیں فقہاء رقیق منعل کہتے ہیں۔ ان پر مسح کے جواز میں فقہائے حنفیہ کا کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت والد صاحبؒ کا فتویٰ یہ تھا کہ ان پر مسح جائز نہیں (جس کے تفصیلی دلائل کے لئے حضرت والد صاحبؒ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہو چکا ہے) لیکن حضرت مدنیؒ کا رجحان جواز کی طرف تھا۔ اس مسئلے پر زبانی گفتگو تو کئی بار ہوئی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

ایک دن حضرت مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس مسئلے کی تحقیق کے لئے میں کچھ وقت فارغ کر کے دارالافتاء میں آؤں گا۔ چنانچہ ایک دن حضرت تشریف لائے اور کتابوں کی مراجعت کر کے گفتگو

ہوتی رہی۔ حضرت مدنی ؒ اپنے دلائل بیان فرماتے اور میں اپنے شبہات پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ گفتگو تین روز کے قریب چلی اور آخر میں حضرت مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بات آپ کی بھی بے وزن نہیں ہے، لیکن میرا اس پر انشراح نہیں ہوتا اور آپ کو میرے دلائل پر اطمینان نہیں ہو رہا۔ اس لئے آپ اپنے موقف پر رہیں اور میں اپنے مؤقف پر۔

حضرت والد صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد ایک مرتبہ حضرت مدنی قدس سرہٗ میرے بہنوئی حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب ؒ کے مکان پر تشریف لائے، میں بھی حاضر تھا۔ حضرت ؒ نے اس وقت ایسے ہی موزے (یعنی رقیق منعل) پہنے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ان موزوں پر مسح فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ''مفتی صاحب! آپ کے نزدیک تو یہ مسح درست نہیں ہوا، اس لئے میرے پیچھے آپ کی نماز بھی نہ ہوگی۔ اب آپ ہی امامت فرمائیں''۔ حضرت ؒ کے اشارے پر میں نے بھی تکلف نہیں کیا اور اس روز خود امامت کی۔

حضرت والد صاحب ؒ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ان حضرات نے اختلاف کرنے کا طریقہ بھی اپنے عمل سے سکھایا ہے۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۳۲۵)

تجربہ شاہد ہے جب تقویٰ اور خوفِ خدا و آخرت غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں، باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اُڑ جاتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کو کسی جنگ و جدل اور جھگڑے سے تو کیا دلچسپی ہوتی۔ ان کو تو خلائق کی صُلح اور درستی کے لئے بھی فرصت نہیں ملتی، کیونکہ جس کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت و خوف اور یاد میں مشغول ہو، اس کو دوسروں سے تعلقات بڑھانے کی کہاں فرصت ہے۔

جنہیں حضرت مدنی ؒ نے سپرد کیا ہو :

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ؒ دیوبند میں شیخ التفسیر تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ عباسیہ بہاولپور تشریف لائے اور اس کے بعد لاہور جامعہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب ؒ نے اپنا ایک خواب سنایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ نے مولانا ادریس صاحب ؒ کو پکڑ کر میرے سپرد کیا اور فرمایا کہ اس کی خدمات سے جامعہ میں فائدہ اُٹھاؤ۔ چنانچہ چند روز کے بعد حضرت مولانا ادریس صاحب جامعہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور تا دمِ آخر جامعہ میں حدیث کی خدمت کی۔ آپ

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت نہایت سادہ تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ہر عالم کی طبیعت میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور آیا، لیکن حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کی طبیعت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ علم سے ایسی لگن کہ عام گفتگو میں بھی علمی نکات ہی بیان فرماتے۔

ایک دفعہ احقر کے دو دوستوں نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ ''ہم جو اپنے گھروں میں بجلی کے پنکھے، ریفریجریٹر اور ائر کنڈیشنز وغیرہ لگواتے ہیں، کیا ان کا لگوانا شرعی طور پر جائز ہے یا یہ اسراف میں آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا! مولانا تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ ہر شی کے چار درجات ہیں۔ ایک درجہ رہائش، دوسرا درجہ آسائش، تیسرا درجہ زیبائش اور چوتھا درجہ نمائش، پہلے تین درجے جائز ہیں اور چوتھا درجہ نمائش جائز نہیں ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت! انہوں نے آپ سے مسئلہ پوچھا اور آپ نے انہیں حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے یہ چار درجات بنا کر بتا دیا۔ خود آپ کی اپنی رائے اس بارہ میں کیا ہے؟ اتنا بڑا عالم ہونے کے باوجود حضرت مولاناؒ کی بے نفسی ملاحظہ فرمائیے۔ فرمایا: مولوی صاحب! میری حیثیت ''حد اوسط'' کی ہے، جو صغریٰ کو کبریٰ سے ملاتی ہے اور خود ساقط ہو جاتی ہے۔ مولوی صاحب میں آپ لوگوں کو اکابر علماء سے ملا دیتا ہوں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ میری اپنی حیثیت کچھ نہیں۔ (الحسن جامعہ اشرفیہ نمبر)

منظوم سوانح سے انتخاب:

طریقت انگلیاں پکڑے ہوئے ہرگام چلتی تھی
شریعت کی بصیرت ذہن کے حلقے میں پلتی تھی

....

یہاں دین و عمل کی شکل ہم آہنگ کو دیکھا
جہاد و عزم کے نکھرے ہوئے اک رنگ کو دیکھا

....

حسین احمدؒ بنے اس ساقیٔ فیاض کے محرم
ہوئے جس کے قدم پر سرکشانِ دہر کے سرخم

....

نہ پوچھ استاد و شاگرد کا یہ ربط اے ہمدم
یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم

انہیں کا تھا بہت ممتاز درجہ راز داروں میں
انہیں کہتے تھے شیخ کے سب جانثاروں میں

حضرت مدنیؒ کی عظمت کا راز :

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں :

ان کی زندگی کا سب سے پہلا، ممتاز اور اعلیٰ وصف اخلاص اور للّٰہیت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ الفاظ کثرتِ استعمال سے اپنی قیمت اور وزن کھو دیتے ہیں، اخلاص بھی انہیں لفظوں میں سے ہے۔ ہر معمولی دیندار اور ذرا پابند صوم وصلوٰۃ آدمی کو ہم مخلص کہہ دیتے ہیں، ہمارے نزدیک آدمی کی سب سے پہلی تعریف مخلص ہوتی ہے، حالانکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مخلص ہونا انسان کی آخری اور انتہائی تعریف ہے، اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن کے مقام پر پہنچنا آسان نہیں ہے۔ یہ مقام نبوت کا پرتو ہے، میں نے حضرت مدنیؒ کی زندگی میں اس جوہر کو بہت نمایاں دیکھا۔ ایسا کام جو اخلاص ہی پر مبنی ہو اور جو عام طور پر محض اللہ ہی کے لئے کیا جاتا ہو اور جس میں کوئی دنیاوی اور مادی نفع نہ ہو، مثلاً نماز پڑھنا، اس میں اخلاص کا قائم رکھنا زیادہ مشکل نہیں، اگرچہ یہ بات بھی پورے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسے کاموں میں بھی محض خال خال اور چند ہی ایک صحیح معنی میں مخلص کہے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن جو کام اکثر و بیشتر بلکہ تمام تر دنیاوی نفع اور فائدہ کے لئے کیے جاتے ہوں، جہاں غیر مخلصین کا مجمع ہو، وہاں اخلاص کا قائم رکھنا بڑا مشکل ہے، نماز اخلاص کے ساتھ پڑھنا آسان ہے، لیکن تجارت، مزدوری، کتابوں کا لکھنا اور شائع کرنا اخلاص کے ساتھ بہت مشکل کام ہے اور اسی لئے اللہ نے ایسے لوگوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، جو ایسے اعمال میں اپنے اخلاص کو قائم رکھتے ہیں۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ . (الآیۃ)

حضرت مدنیؒ کی عظمت کا راز یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بڑے مقرر تھے، میں آپ کے سامنے صاف کہتا ہوں کہ مولانا مدنیؒ کوئی جادو بیان اور شعلہ بیان مقرر نہیں تھے بلکہ وہ بقدر ضرورت ہی تقریر کرتے تھے، لوگ مولانا کے سامنے اس لئے نہیں جھکتے تھے کہ وہ کوئی بڑے مصنف تھے، مولانا کا شمار ملک کے نامور و ممتاز مصنفین میں نہیں، میں اس کے کہنے میں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ اس میں مولانا کی کوئی تنقیص ہے، بہت بڑا عالم ہو جانا کوئی بڑا کمال نہیں، جو ذرا محنتی، ذہین اور فہیم ہو اور اس کو مطالعہ کا موقع ملے، ایک بڑا عالم بن سکتا ہے، مولانا کی بڑائی کا راز یہ ہے کہ وہ سرتاپا اخلاص تھے، وہ

اپنے کام میں اور ہر وقت مخلص تھے، ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی اور غیر دینی سے غیر دینی کام اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا، ان کی ساری سیاسی جدوجہد محض اتباع رضوان اللہ تھی۔

(مولانا مدنی ایک سیاسی مطالعہ)

حلیہ مبارک :

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں :

سانولا رنگ اور میانہ قد، دوہرا بدن، بارعب کتابی چہرہ، بھری ہوئی سیاہ داڑھی (حضرت خضاب استعمال کیا کرتے تھے) کشادہ اور نورانی پیشانی، روشن آنکھیں، گفتگو کا انداز سُلجھا ہوا، پُر اعتماد لب ولہجہ کہ مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اُٹھے تو احساس مرعوبیت لے کر، نپے تلے الفاظ، جملے ایسے کہ جیسے سانچے میں ڈھلے ہوں، چال میں شیروں کی سی بے باکی، لیکن دل میں راہبوں سے زیادہ انکسار، ایسا مجاہدانہ انداز جسے دیکھ کر جوان بھی شرمائیں۔ (مولانا مدنی ایک سیاسی مطالعہ)

زندگی کے شب وروز :

جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں :

ایک مرتبہ حضرت مدنی ؒ شاہجہان پور تشریف لارہے تھے۔ جاڑوں کے دن تھے اور گاڑی تقریباً دو بجے رات کو اسٹیشن پر پہنچتی تھی۔ ایسے وقت ممکن نہ تھا کہ اسٹیشن پر خیر مقدم کرنے والوں کی بھیڑ ہو، لیکن چند عقیدت مند (بلکہ جانثار کہوں تو زیادہ بہتر ہے) اس وقت بھی اسٹیشن پر موجود تھے۔

حضرت ؒ تشریف لائے، جمعیت العلماء کے دفتر واقع منڈی میں قیام کا اہتمام کیا گیا، چند منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد حاضرین اس وجہ سے علیحدہ ہو گئے کہ آپ تھوڑی دیر آرام فرمالیں، لیکن یہاں آرام کہاں؟ حضرت ؒ کی مجاہدانہ زندگی تو اصغر گونڈوی کے اس شعر کی بولتی ہوئی تصویر تھی ....

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

اس کے باوجود کہ ابھی ابھی ایک لمبے سفر سے تشریف لارہے ہیں، نصف شب سے زائد حصہ پریشانیٔ سفر اور صعوبت میں گزر چکا ہے۔ پھر سفر بھی فرسٹ کلاس کا نہیں تھرڈ کلاس کا۔ عمر ستر (۷۰) برس سے اوپر ہے، لیکن خدا کی بندگی کا یہ ذوق وشوق، اس کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے دل کی یہ

تڑپ کہ رات کو جو باقی حصہ تھا، اس کو نذرِ ذکر و صلوٰۃ کر دیا۔ اب ممکن نہیں کہ دن میں کوئی آرام کا وقت نکالا جا سکتے۔ اُمید نہیں کہ دوسری شبؑ بھی آرام نصیب ہو، کیونکہ پھر سفر درپیش ہے، لیکن اللہ کے ولی کو اس کی کوئی فکر نہیں۔ چند لمحے بچے، تکیہ سے سر لگایا ہی تھا، ابھی آنکھ بھی نہ جھپکی تھی کہ مؤذن نے اللہ کی کبریائی کا اعلان کر دیا ...... اللہ اکبر اللہ اکبر ! اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ! نماز سونے سے بہتر ہے...... کی آواز فضا میں گونجی اور اللہ کا یہ "ولی" مسنون دعا پڑھتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ مسجد میں جا کر با جماعت نماز ادا کی اور اس کے بعد پھر دن بھر کے مقررہ پروگرام پر عمل شروع ہو گیا۔ جس کی رات کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا اور جو باقی بچا تھا، وہ اللہ کی عبادت میں صرف ہوا، اس کا دن ملکی و قومی مسائل کے سلجھانے اور سیاسی تگ و دو میں صرف ہو رہا تھا۔ یہی وہ پاک وجود ہیں، جن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خبر دی تھی کہ :

"وہ دن کو گھوڑوں کی پیٹھ پر ہوتے ہیں اور اُن کی رات مصلّے پر گزرتی ہے"۔

اللہ اللہ ! ایک طرف سیاست میں یہ انہماک، دوسری طرف شب بیداری کا یہ عالم، کون ہے، جس کی نظریں عقیدت و محبت سے نہ جھک جاتی ہوں۔ (حضرت مدنی ایک سیاسی مطالعہ)

غلط سفارش کی اُمید نہ رکھیئے :

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری رقمطراز ہیں :

ایک بار حضرت مدنی صاحبؒ تلہر (شاہجہان پور کا ایک قصبہ) تشریف لائے۔ شاہجہان پور سے بھی سیکڑوں عقیدت مند کھنچ کھنچ کر پہنچ گئے، جس جگہ قیام تھا، وہاں بھی بے شمار آدمی جمع تھے۔ اُتنے میں ایک صاحب تشریف لائے۔ وہ پنڈت پنت کے نام جو ان دنوں یوپی کے وزیر اعلیٰ تھے، ایک سفارش نامہ چاہتے تھے۔ کسی صاحب نے ان کو بتا دیا تھا کہ اگر مولانا پنڈت پنت کو اشارہ بھی کر دیں تو تمہارا کام ہو سکتا ہے۔ پنڈت پنت ہر گز مولانا کی بات نہیں ٹال سکتے۔ ان صاحب سے یہ بات جس صاحب نے بھی کہی غلط تو نہ تھی لیکن وہ مولانا کی طبیعت سے قطعاً واقف نہ تھے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ معاملہ کی اصل حقیقت ہی سے ناواقف ہوں۔ اس لئے مولانا کے پاس جانے کا مشورہ دے دیا ہو۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ نے سفارش کرنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میں اس معاملہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ معاملہ حقیقتاً یہ تھا کہ ان صاحب کا ایک ہی لڑکا تھا اور قتل کے الزام میں گرفتار ہو چکا تھا۔ خود ان صاحب کو تسلیم تھا کہ یہ الزام غلط نہیں، لیکن کیا کروں؟ ایک ہی بیٹا ہے،

بڑھاپے کا سہارا، آنکھوں کا نور، جرم ثابت اور سزا یقینی ہے۔ پھانسی پر چڑھتے نہیں دیکھا جاتا۔ انہوں نے ہر چند مولانا کو مجبور کرنا چاہا، لیکن مولانا نے ان سے صاف صاف کہہ دیا :

"مجھ سے ایسی غلط سفارش کی اُمید نہ رکھئے، البتہ آپ کا اگر کوئی صحیح مطالبہ ہوتا تو میں ضرور آپ کی سفارش کر دیتا"۔ (حضرت مدنی ایک سیاسی مطالعہ ص ۸۳)

محبین و متعلقین کا لحاظ :

جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری لکھتے ہیں :

ایک واقعہ مجھے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رح کے چھوٹے صاحبزادے برادرم اسمٰعیل نے سنایا کہ مراد آباد میں حضرت مدنی رح شروع ہی سے جب بھی تشریف لاتے تو ایک صاحب کے یہاں جن کو حضرت مولانا مدنی صاحب رح سے بڑی گہری عقیدت تھی، ٹھہرتے تھے اور کبھی اس معمول میں فرق نہ آیا تھا، جب ان صاحب کا انتقال ہو گیا تو حضرت رح محض اس خیال سے کہ مرحوم کی بیوہ کو میری وجہ سے زحمت نہ ہو، دوسری جگہ ٹھہر گئے۔ مرحوم کی بیوہ کو خبر ہوئی تو بچے کے ذریعے مولانا کو کہلا بھیجا :

"مرحوم کے انتقال کے بعد آپ نے بھی ہمیں اپنی خدمت کی سعادت سے محروم کر دیا"۔

مولانا یہ سن کر تڑپ گئے۔ فوراً ان کے گھر گئے، ان سے معذرت چاہی اور اس کے بعد جب بھی مراد آباد تشریف لے جاتے، تو پہلے موصوفہ کے مکان پر حاضر ہوتے۔ سامان رکھتے، اس کے بعد کسی دوسری جگہ تشریف لے جاتے۔

مگر آہ ! کہ اب یہ تمام واقعات ماضی کی داستان بن چکے ہیں .... ؎

کب ایسے لوگ ہوتے ہیں پیدا جہاں میں
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی"

(ہفت روزہ چٹان، ۲۳ر دسمبر ۱۹۵۷ء)

مولانا عبدالقادر رائے پوری رح اور حضرت مدنی رح کی تائید :

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رح رقمطراز ہیں :

اسی زمانہ میں ۱۹۴۶ء کا الیکشن آیا، حضرت رائے پوری رح نے مولانا مدنی رح کے ساتھ اپنے تعلقِ قلبی کا برملا اظہار فرمایا اور اپنے مخصوص مخلصین کو ان کی حمایت کی ہدایت کی۔ ۱۹۴۵ء میں الیکشن کی

تیاریاں اور رہنماؤں کے دَورے شروع ہو گئے تھے، ۱۷ر نومبر ۱۹۴۵ء کو حضرت مدنی رحمہ اللہ رائے پور تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے ایک بڑے مجمع کے ساتھ قصبہ سے باہر نصف میل پر آ کر مولانا کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ جائے قیام پر لے گئے اور چونکہ آپ تکلیف وضعف کے باعث جلسہ میں دیر تک بیٹھ نہیں سکتے تھے، اس لئے جلسہ کی صدارت کے لئے اپنی جانب سے مولانا اشفاق احمد صاحب متولی مدرسہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کو مقرر فرما کر بھیجا اور ایک پیغام اپنے خادم و معتمدِ خاص مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نومسلم مقیم خانقاہ کے ذریعہ حاضرین جلسہ کو بھیجا کہ

"اگر چہ میں ۱۹۲۱ء کے خلافت اور کانگریس کے دور کے بعد اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے کسی سیاسی جماعت میں شامل نہ تھا، مگر اب پورے شرح صدر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ ہوں، میں اپنے دوستوں کو تو مجبور نہیں کرتا، مگر میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ اگر میرا ووٹ ہوتو میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو دوں اور ہر اس شخص کو ووٹ دوں جس کی مولانا مدنی رحمہ اللہ سفارش کریں"۔

(سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری ص ۱۴۹)

مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی حضرت مدنی رحمہ اللہ سے عقیدت :

مولانا سید حامد میاں راوی ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی خدمت میں متعدد بار حاضری ہوئی اور ہر مرتبہ آپ کی مجلس میں یہی محسوس ہوا کہ جیسے حضرت مدنی قدس سرہٗ کی دوری بلکہ وفات سے بھی اُن کی محبت میں کوئی فرق نہیں پیدا کیا حالانکہ یہ دونوں چیزیں جذبۂ محبت کو سرد کرنے والی ہوتی ہیں بقول شاعر ....

طبیعت کو ہوگا قلق چند روز
سنبھلتے سنبھلتے، سنبھل جائے گی

ایک مرتبہ حاضری ہوئی تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ایک مکتوب ہے جو میرے لئے ذریعۂ نجات ہے۔ یہ فرمانے کے بعد ایک چوکھٹہ میں جڑا ہوا مکتوب لائے ایک تمہیدی تقریر فرمائی کہ کامل وہ ہوتا ہے جو تحریر دیکھ کر ہی دل کے حالات معلوم کرے۔ میں

نے تقسیمِ ہند کے بعد حضرت مدنی ؒ کی خدمت میں لکھا کہ ہم دور ہو گئے ہیں، جس پر حضرت مدنی ؒ نے مجھے یہ مکتوب تحریر فرمایا، جسے میں ذخیرۂ آخرت سمجھتا ہوں۔

مکتوب کا متن تو مجھے مستحضر نہیں رہا، البتہ یہ مفہوم یاد ہے کہ جواب میں حضرت مدنی ؒ نے پُر اثر الفاظ میں تشفی دی کہ محترما! ہمارا تعلق جسمانی قرب و بعد پر منحصر نہیں ہے۔ یہ ایسا تعلق ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ہم سب ہی حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے دریوزہ گر اور خواجہ تاش ہیں"۔

حضرت مدنی ؒ کامل تھے :

شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خط میں ایسا تأثر ظاہر نہیں کیا تھا لیکن حضرت مدنی قدس سرہٗ کامل تھے۔ اس لئے میری قلبی کیفیت ان پر منعکس ہوئی کہ میں نے اگر چہ الفاظ ایسے نہیں لکھے تھے، لیکن لکھتے وقت مجھ پر رقت کا عالم تھا۔ حضرت مدنی ؒ نے جواب میں میری قلبی کیفیت کا خیال فرمایا اور یہی شیخ کا کمال ہے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے حضرت مدنی ؒ کے ساتھ تعلق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق محض لوجہ اللہ تھا اور یہ تعلق بھی شریعت میں نہایت پسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ این المتحابون لجلالی ، الیوم اظلهم فی ظلی یوم لاظل الا ظلی۔

یعنی قیامت کے دن اعلان ہوگا کہ وہ لوگ کہاں ہیں کہ جو میری (اور میرے دین کی) عظمت کی خاطر آپس میں محبت رکھتے تھے، آج میں انہیں اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ دوں گا، جس دن بجز میرے سایہ کے کوئی سایہ نہیں۔

یہ کتنی بڑی بشارت ہے کہ جس کے مستحق ہمیں حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ نظر آ رہے ہیں۔

عظمتِ مدنی ؒ کا اعتراف :

مولانا حامد میاں راوی ہیں کہ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ :

""میں ایسے ہی نہیں بلکہ علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ روئے زمین پر حضرت مدنی قدس سرہٗ جیسی کوئی دوسری جامع و بلند پایہ شخصیت موجود نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے حضرت مدنی ؒ کے سامنے گھٹنوں بھی اگر بیٹھنا ہوتا تو ہمیشہ دوزانو بیٹھا کرتا تھا اور میں نے یہ خواہش کی

کہ میری داڑھی کے بال حضرتؒ کی مبارک جوتیوں میں سی دئے جائیں"۔

اس سے جہاں حضرت مدنیؒ کی بلندیٔ مقام ظاہر ہوتی ہے، وہاں حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ کی غایت درجہ تواضع وانکساری بھی ظاہر ہوتی ہے۔ آج کل مرید اپنے شیخ سے اتنی عقیدت رکھتے نظر نہیں آتے۔ چہ جائیکہ ایک شیخ کامل دوسرے شیخ کامل سے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برسر منبر فرمایا کہ یایھا الناس تواضعوا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تواضع للہ رفعہ اللہ(او کما قال) اے لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کو خوش کرنے کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی نصیب فرماتا ہے۔

کیا ٹھکانا ہے، اس عظمت و رفعت کا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ التفسیر کو عطا فرمائی کہ پاکستان میں (پاکستانی) مشائخ طریقت میں سے اتنا فیض نہیں پھیلا جتنا حضرتؒ سے پھیلا اور آپ سرگروہِ اولیاء قرار پائے۔ (ہفت روزہ خدام الدین ۲۲ ر فروری ۱۹۶۳ء)

حضرت مدنیؒ کی تواضع :

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

"حضرت مدنیؒ ایک مرتبہ کہیں تقریر کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں فرمایا کہ بھائی تم لوگ کھیتی کرتے ہو اور جب بیل بوڑھا ہو جاتا ہے تو تم لوگ اسے چھوڑ دیتے ہو، اس لئے مجھ کو بوڑھا بیل سمجھ کر ہی چھوڑ دیتے۔ چار پانچ منٹ کے بعد سب لوگ رونے لگے، پھر حضرتؒ ارشاد فرمایا کہ معلوم نہیں وہ کیوں روئے کیا بات سمجھی، انہوں نے"۔

(ملفوظاتِ فقیہ الامت ص:۸۸)

حضرت مدنیؒ کا ایثار :

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی فرماتے ہیں کہ :

"حضرت مدنیؒ جب مدینہ طیبہ رہتے تھے تو کھانا حضرتؒ خود ہی بنایا کرتے تھے اور یہ پانچ بھائی تھے۔ پکانے کے بعد اس کو پانچ جگہ تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کے چھوٹے بھائی محمود اپنا حصہ جلدی جلدی کھالیا کرتے اور پھر روتے تو حضرتؒ ان کو حصہ

دیدیتے اور خود اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے"۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت ص:۸۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جزیہ منسوخ فرمانے پر شبہ :

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

"ہمارا سبق حضرت مدنیؒ کے پاس تھا، گھنٹہ ہونے پر ہم حضرتؒ کو لینے کے واسطے آپ کے مکان پر پہنچ جاتے، ایک روز کے سبق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جزیہ منسوخ ہونے والی حدیث آئی، جب ہم اگلے گھنٹہ ہونے پر حضرتؒ کو لینے کے واسطے آپ کے مکان پر پہنچے تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت! حضور اقدس ﷺ کی شریعت میں تو (آپ علیہ السلام کے بعد) نسخ نہیں، پھر عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کیسے منسوخ فرمادیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کس نے کہا؟ ہم نے عرض کیا کل کے سبق میں آیا تھا۔ حضرتؒ نے پھر فرمایا کس نے کہا؟ ہم نے پھر بھی نہ سمجھا اور عرض کیا کہ کل کے سبق میں پڑھا ہے، حضرت نے پھر قدرے بلند آواز کے ساتھ (لہجہ بدل کر) فرمایا کس نے کہا؟ تب ہم سمجھے کہ جزیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام منسوخ نہ فرمائیں گے بلکہ وہ تو نبی کریم ﷺ نے ہی منسوخ فرمایا ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ نے جزیہ کی مشروعیت اور اس کی قبولیت کی مدّت بیان فرمادی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے پہلے قبول ہوگا۔ ان کے نزول کے بعد قبول نہ ہوگا۔ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جزیہ قبول نہ فرمانا اور اس کو منسوخ فرمادینا، نبی اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق ہی ہوگا اور اس پر عمل کرنا نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر عمل کرنا ہوگا"۔

(ملفوظاتِ فقیہ الامت ص ۱۵۵)

زمانۂ طالب علمی کی ریاضتیں :

حضرت مفتی صاحبؒ موصوف نے ارشاد فرمایا کہ :

"ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ نے طلبہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو مطبخ سے دو روٹی ملتی ہیں، تم دونوں کو کھا جاتے ہو، اتنا نہیں ہوتا کہ ڈیڑھ روٹی پر قناعت کرلیں اور آدھی روٹی کسی غریب کو دیدیں، اسی طرح بستر پر سوتے تکیہ لگاتے ہو میں جب تک طالب علم رہا کبھی

بستر پر نہیں سویا اور نہ تکیہ لگایا بلکہ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جاتا تھا''۔

(ملفوظاتِ فقیہ الامت ص:۱۰۵)

میں اس در کا غلام ہوں :

مفتی صاحبؒ موصوف نے ارشاد فرمایا کہ :

''حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی والدہ کی طبیعت علیل ہوئی، دردِ سر ہوا، حکیم ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا، لیکن افاقہ نہ ہوا، حضرت مدنیؒ کو اطلاع کی گئی تو آپ تشریف لائے اور جھاڑ پھونک کیا، پھر سر جھکا کر بیٹھ گئے، یہاں تک کہ جب انہوں نے اطمینان ظاہر کیا کہ اب درد نہیں تو سر اُٹھایا اور فرمایا کہ میں اس در کا غلام ہوں، جس وقت جو ضرورت درپیش ہو مطلع کرا دیا کریں، حاضر ہو جایا کروں گا، حاضری کو سعادت سمجھوں گا''۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت ص:۱۰۶)

بہر حال حضرت مدنیؒ کا یہ مقام و عظمت' یہ رفعت اور قدر و منزلت ہم طلبہ کیلئے ایک نمونۂ عمل ہے' ان کے حالات و واقعات' تذکرہ و سوانح اور فکر و عمل کے تمام پہلو اپنے اندر ایک سبق ایک پیغام اور ایک نظامِ ہدایت رکھتے ہیں۔ گفتگو کا اختتام حسنؔ کی اس شعر پر کرتے ہیں .... ؎

قلم بشکن ، سیاہی ریز ، کاغذ سوز ، دم درکش
حسنؔ ایں قصۂ عشقست در دفتر نمی گنجد